

188466

مطبعة دار الفکر علی بن عثمان

عہدِ برہم عادل شاہ ثانی

— — — — — کے — — — — —

متولیانِ ریا

— — — — — (تالیف) — — — — —

مولوی سید علی محسن صاحبِ ام۔ اے (عثمان)

— — — — — (۱۹۳۷ء) — — — — —

قیمت علی

مطبعة

دفتر اول

اعطی حاکم الدین علی بن عثمان

تعارف

مجلس علمیہ طلیسائیں عثمانیہ اس غرض سے قائم کی گئی ہے کہ عام طور پر تعلیم یافتگان جامعات
اور بالخصوص طلیسائیں کے علمی و ادبی کارناموں کو منظر عام پر لائے اور اس طرح اردو زبان کی
خدمت اور اردو میں اعلیٰ علمی کتابوں کی اشاعت کا کام انجام دے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے
فی الحال یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ ام۔ اے اور ایم ایس سی کے لیے مختلف علمی موضوعات پر
جو محققانہ مقالے جامعہ عثمانیہ کے پوسٹ گریجویٹ طلبہ سے لکھائے جاتے ہیں اور جن کو خود جامعہ
اور بیرونی جامعوں کے علماء و چشمت متحن کے تنقیدی نظر سے دیکھ کر قابل قبول قرار دیتے ہیں
ان کو مجلس کے ترجمان مجلہ طلیسائیں میں طبع کرنے کے علاوہ کتابی صورت میں شائع کیا جائے۔
مجلس نے مقالات کے انتخاب میں بہت احتیاط کے ساتھ کام لے کر صرف ایسے مقالات کو شائع
کرنے کا تہیہ کیا ہے جو بہ ہمد و جود قابل قدر ہوں اور جن کی اشاعت سے صحیح معنوں میں علم و ادب کی خدمت
مقصود ہو۔ توقع ہے کہ زیر نظر مقالہ اپنے موضوع کے متعلق اہل اردو کی معلومات میں اضافہ کا
باعث ہوگا۔

سید محمد مجتبیٰ
مجلس علمیہ طلیسائیں عثمانیہ

فہرست مضامین

تعارف

- ۱ باب اول :- ابراہیم ثانی کی تخت نشینی کے وقت ملک کی عام سیاحت
- ۱۹ باب دوم :- ابراہیم کی تخت نشینی، ابتدائی زندگی، تعلیم و تربیت اور کیرئیر
- ۳۳ باب سوم :- متولیان ریاست، کامل خاں دکنی
- ۴۲ باب چہارم :- " کشور خاں
- ۸۵ باب پنجم :- " اخلاص خاں
- ۱۲۹ باب ششم :- " دلاور خاں حبشی
- ۱۹۰ باب ہفتم :- احمد نگر سے جنگ اور دلاور خاں کا خاتمہ

عہدِ برہم عادل شاہانی کے سیاست

باب اول

ابراہیم تہلکی کی تخت نشینی کے وقت ملک کی عام سیاسی حالت

تمہید | بانی سلطنت یوسف عادل شاہ کے بعد سے ابراہیم ثانی تک چار بادشاہ تخت نشین ہوئے مہمیل عادل شاہ نے تقریباً پچیس سال ہنایت کامیاب حکومت کی اس کی وفات پر اس کا بڑا بیٹا عادل شاہ تخت نشین ہوا مگر سخت نا اہل ہونے کی وجہ سے چھ مہینے کے اندر ہی معزول کر دیا گیا اور اس کی جگہ اس کا چھوٹا بھائی ابراہیم اول سریراٹے سلطنت ہوا اس کے زمانہ حکومت میں ایک طرف شورا پور اور کلیانی کے ہنایت اہم قلعے ہاتھ سے نکل گئے جن پر نظام شاہیوں کا تصرف ہو گیا اور دوسری طرف راجپور اور مدگل کے مابہ النزاع علاقوں پر وجیا نگر کا قبضہ ہو گیا اس طریقے سے جب علی عادل شاہ تخت نشین ہوا ہے: جیسا پور کے ہنایت اہم اور سردی قلعے جن کے واسطے پچھلے بادشاہوں کے زمانہ میں کافی خوں ریزیاں ہو چکی تھیں دشمنوں کے قبضے میں چلے گئے تھے۔ علی عادل شاہ کے بعد ابراہیم ثانی تخت نشین ہوا مگر اس کی تخت نشینی کے وقت ملک کی عام سیاسی حالت کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ عادل شاہ کے زمانہ حکومت پر ذرا تفصیل سے ایک نظر ڈال لیجائے

علی عادل شاہ اول | ۹۶۵ھ مطابق ۱۵۵۸ء میں جب ابراہیم کا انتقال ہوا تو اس کا بیٹا علی عادل شاہ اول کے لقب سے اس کا ہائش ہوا۔ اس کا زمانہ حکومت جیسا پور کی تاریخ میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس کے دور میں جیسا پوری سلطنت کو غیر معمولی ترقی حاصل ہوئی۔ نہ صرف یہ کہ اس کے مقبوضات میں اضافہ ہوا اور مدد و سلطنت میں توسیع عمل میں آئی بلکہ دولت کی فزائلی کی وجہ سے اگر ایک طرف معاشی خوش حالی ملک میں پیدا ہو چکی تھی تو دوسری طرف تمدن اور معاشرت کی ترقی، علوم و فنون کی ہرول عزیزی اور ان کا پھیلاؤ اس چیز کو ظاہر کر رہا ہے کہ ملک بحیثیت مجموعی شاہراہ ترقی پذیر گامزن ہے علی عادل شاہ اپنے تدبیر و فراست و

معاہدہ فی اور سیاسی دوراندیشی کی بدولت ہمیشہ اپنے دشمنوں پر غالب رہتا ہے اور یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے انتقال سے پہلے اپنے رقبہ والوں اور دشمنوں کو زیر کرنے میں کامیاب ہوا جو ہمیشہ بیجا پور کی بربادی کے درپے رہتے تھے اور اُس کے جیتے جی کسی کی ہمت نہ بڑھتی تھی کہ اُس کے مقبوضات پر دست نقرہ وراڑ کریں۔

علی تخت نشین ہوتے ہی ریاست کے کھوئے ہوئے مقبوضات حاصل کرنے کی طرف متوجہ ہوا۔ مغل و راجپوتوں کو جیا نگر کے راجہ کے قبضے میں تھے اور وجیا نگر کی طاقت اُس وقت انتہائی عروج پر تھی ایسی صورت میں اُس مقتدر اور با حیثیت ریاست سے مقابلہ کرنا خود اپنی بربادی کا ٹیڑا اٹھانا تھا اور بخلاف اس کے اگر وجیا نگر کو دست بنالیا جائے اور وہاں کے راجہ سے خوشگوار تعلقات پیدا کر لیے جائیں تو کم از کم بیجا پور کی ریاست کے دوسرے دشمنوں کو بچا دکھانے کا اچھا موقع مل سکتا تھا۔ اسی غرض سے علی عادل شاہ نے شروع ہی سے اس امر کی کوشش کی کہ رام راج والی وجیا نگر کو اپنا دوست بنائے چنانچہ پوترا ب شیرازی اور شورمال کو ریاست بیجا پور کے سفیر بنی حیثیت سے دربار وجیا نگر میں روانہ کیا گیا یہاں سفیر بنی بڑی آوجہالت ہوئی اور انکو خوش کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا خود رام راج نے ان سفیر بنی کو روائی کے وقت اپنے مقربین سے ایک شخص کو اس غرض سے بیجا پور روانہ کیا کہ دربار وجیا نگر کی طرف سے علی عادل شاہ کی تخت نشینی پر مبارکباد دے۔ اس اثناء میں رام راج کے ایک لڑکے کا انتقال ہو گیا جس کو وہ بہت عزیز رکھتا تھا۔ علی عادل شاہ اس نئے اتحاد کی بنیادوں کو زیادہ مضبوط اور مستحکم کرنے کے لیے نفس نفیس عازم وجیا نگر ہوا کہ رسم تعزیت ادا کرے اور رام راج سے اپنی دلی ہمدردی کا اظہار کرے۔

صرف ایک سو ہزار بیوں کے ساتھ اتنا فاصلہ طے کر کے محض رسم تعزیت ادا کرنے کے لیے علی عادل شاہ کا اس طرح ہیدمٹک ایک غیر ریاست میں چلانا بوجوہ ہمیشہ مسلمانوں کی دشمن اور خون کی پیاسی رہی ہمدردی کو متاثر کئے بغیر نہ رہا۔ شاہ بیجا پور کا اعلیٰ بیجانہ پرستقبال کیا گیا اور اس کی آمد کی خوشی میں نہایت شاندار ضیافتیں کی گئیں۔ رام راج کی بیوی نے بھی علی عادل شاہ سے پردہ نہیں کیا بلکہ اس کو اپنا منبغی کر لیا۔ غرض وجیا نگر کی طرف سے تاجدار بیجا پور کی خوب خاطر و مدارات کی گئی اور ان دونوں والیان ریاست کے درمیان نہایت ہی گہرا اتحاد قائم ہو گیا لیکن علی عادل شاہ کی روانگی کے

وقت رام راج سے ایک ایسی حرکت ہوئی جس کو وہ کبھی فراموش نہیں کر سکا اور دل میں تہیہ کر لیا کہ وجیا نگر کے راجہ سے اس کی بددماغی کا کسی نہ کسی وقت ضرور بدلہ لیا جائے گا۔ فی الحال علی عادل شاہ خون کے گھونٹ پیکر خاموش رہ گیا مگر موقع کی تلاش میں تھا کہ رام راج کی اس حرکت کا خوب اچھی طرح بدلہ لے۔

رام راج کی جو حرکت علی عادل شاہ کو ناگوار گذری وہ یہ تھی کہ جب علی عادل شاہ نے بیجا پور کے ارادے سے وجیا نگر کو خیر باد کہا تو رام راج نے علی عادل شاہ کو پہنچانے کے لئے خود تو کوئی رحمت گوارا نہیں کی البتہ اپنے عہدہ داران ریاست کو اس کام پر مامور کر دیا کہ وہ علی عادل شاہ کو سرحد تک چھوڑ آئیں۔ رام راج کی اس حرکت سے اس کی لاپرواہی بے اعتنائی غرور و نخوت اور اسلامی بادشاہوں کی کم وقتی نظاں ہوتی ہے۔

علی عادل شاہ نے اس کو محسوس کیا مگر وقت کے وقت خاموشی کو مناسب جا کر اپنی ناخوشی کو ظاہر ہونے نہ دیا۔ بیجا پور واپس آتے ہی علی عادل شاہ نے اپنے پرانے منصوبے کی تکمیل کی طرف توجہ کی کلیانی اور شولا پور کا ہاتھ سے نکل جانا اُسے ہمیشہ غار کی طرح کھٹکتا تھا اور اُس نے دراصل رام راج سے اتنی ساری دوستی اور اتحاد محض اس وجہ سے پیدا کیا تھا کہ اگر ضرورت ہو تو وجیا نگر کی فوجوں کی مدد سے ان کھوئے ہوئے علاقوں کو حاصل کیا جائے چنانچہ شاہ حسین آج کو حسین نظام شاہ کے پاس روانہ کیا گیا کہ وہ کلیانی اور شولا پور کی واپسی کے متعلق گفت و شنید کرے مگر حسین نظام شاہ کب ان باتوں کو سننے والا تھا۔ اُس نے ان دونوں علاقوں کی واپسی سے قطعاً انکار کر دیا۔ ایک اور سفیر دربار بیجا پور سے بغرض مصالحت روانہ کیا گیا مگر نظام شاہ نے ان میں سے کسی کی نہ سُنی اور اپنی ہٹ پر قائم رہا۔ آخر کار جنگ تک فوجیں بھی مدد کے لئے بیجا پور کی افواج سے آئیں۔ ان متحہ فوجوں کا جب احمد نگر کے علاقوں پر حملہ ہوا تو حسین نظام شاہ نے مقاومت کی تاب نہ دیکھی اور مجبوراً اس شرط پر راضی ہو گیا کہ کلیانی کا قلعہ بیجا پور کے حوالے کر دیا جائے۔

۱۔ علی عادل شاہ نے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ اگر دونوں قلعے واپس نہیں کئے جاسکتے ہیں تو کم از کم کلیانی کا قلعہ ہی واپس کر دیا جائے۔ (فرستہ)۔

۲۔ اس سفیر کا نام سید علی تھا۔

چنانچہ اس پر عمل ہوا اور مصالحت ہو گئی مگر جیسے ہی غنیمت کی فوج واپس ہوئی حسین نظام شاہ ابراہیم قلعہ شہ سے مدد کا خواستگار ہوا اور اس اتحاد کو مستحکم کرنے کے لئے اپنی لڑکی بی بی جانی کو والی گولکنڈہ سے بیاہ دیدیا اب گولکنڈہ اور احمد نگر کی فوجوں نے پھر کلیانی کا محاصرہ کر لیا جب علی عادل شاہ کو اس کی خبر ملی تو اس نے رام راج کی اپنی مدد پر دوبارہ طلب کیا۔ رام راج تو ایسے موقعوں کو غنیمت ہی سمجھتا تھا۔ فوراً آ موجود ہوا۔ ابراہیم قلعہ شاہ بجائے اس کے کہ ایسے وقت اپنے حلیف اور خسر کی مدد کرتا۔ اٹھنے رام راج اور علی عادل شاہ سے جالاجپور یہ خبر نظام شاہ کو ملی تو وہ فوراً احمد نگر کی طرف چل دیا اور جنیر کے قلعے میں محصور ہو گیا۔ علی عادل شاہ نے مولیٰ حلیفوں کے خود بھی احمد نگر کا رخ کیا اس کا محاصرہ کر لیا گیا مگر چونکہ ابراہیم قلعہ شاہ خفیہ طور پر چھوڑنے کی مدد کر رہا تھا قلعہ فتح نہ ہو سکا۔ اور علی عادل شاہ نے یہ خیال کر کے کہ محصورین کو پوشیدہ طور پر مدد پہنچ رہی ہے محاصرہ کا اٹھا لینا ہی مناسب سمجھا اور شولا پور کے محاصرہ پر رام راج کو آمادہ کیا مگر کشور خاں کی رائے سے بجائے شولا پور نلدرگ کے محاصرہ کی رائے ٹھہری۔ کیونکہ کشور خاں نے خفیہ طور پر علی عادل شاہ کو سمجھایا کہ شولا پور کا قلعہ نہایت ہی اہم اور سرحدی قلعہ ہے اگر اس وقت رام راج کی مدد سے اسے فتح کیا جائے گا تو لامحالہ رام راج چھپے ہی سے بہت بد دماغ اور مغرور ہو چلا ہے اسے اپنے قبضے میں لانا چاہیگا۔ اس فکری سختی یہ ہے کہ اس وقت شولا پور کی طرف توجہ ہی نہ کی جائے اور اس کی بجائے نلدرگ کا محاصرہ کر لیا جائے۔ علی عادل شاہ کو کشور خاں کی یہ مائب رائے بہت پسند آئی چنانچہ اسی بنا پر اس نے رام راج کو قلعہ مذکور کی طرف متوجہ ہونے پر راضی کر لیا۔ اس قلعہ کو جو ایک ہندو راجہ کا بنوا ہوا تھا اسمار کر دیا گیا اور ازمرنومسی مقام پر ایک نیا قلعہ تیار کیا گیا جس کا نام شاہ درگ رکھا گیا اور یہ قلعہ بعد میں چٹکر ایک نہایت ہی مضبوط اور اہم سرحدی قلعہ ہو گیا۔ ان انتظامات سے فارغ ہو کر ہر سہ ماہ شاہ اپنے اپنے

۱۔ "باستظہار رام راج در محلیک قلعہ قدیم موسوم بہ نلدرگ بنائے نو دیو کی از راجہ ہائے پیشیں بود و ندریں سہندم گردید و از سر نو بہ سنگ گچ بنائے تازہ و باستحکام تمام باتام رسانیدہ موسوم بہ شاہ درگ ساخت" بتائیں صفحہ ۸۸ فرشتہ سے بھی اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے مقالہ سوم روندہ دوم صفحہ ۳۷۔

ملک کی طرف واپس گئے۔

وجیا نگر کی بربادی | علی عادل شاہ کو، اگرچہ رام راج کی اعانت سے نظام شاہی علاقوں کو خوب تباہ کرنے اور ایک خاندانی دشمن کو نیچا دکھانے کا موقع ملا مگر بحیثیت مجموعی وہ اپنی ان کامیابیوں سے خوش نہیں ہوا، اس کی ایک خاص وجہ تھی۔ علی عادل شاہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ رام راج کی قوت ضرورت سے زیادہ بڑھ گئی ہے اور وہ سلاطین دکن کو خاطر میں نہ رکھتا ہے اور پھر زمین نظام شاہ کے خلاف اس نے علی عادل شاہ کو مدد کیادی ہے گویا اپنے نزدیک اس سے بن داموں خرید لیا ہے۔ گذشتہ جنگ میں اس نے ملیفوں کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا کہ نہ صرف علی عادل شاہ بلکہ ابراہیم قلع شاہ بھی اس سے سخت ناراض ہو گیا تھا۔ احمد نگر کے حملے کے سلسلہ میں وجیا نگر کی ہندو فوج نے مسلمانوں کے ساتھ نہایت برا سلوک کیا۔ ان کے مذہبی احساسات کو ٹھیس لگائی اور اسلامی تبرکات کی ایسی بے حرمتی کی کہ تمام اسلامی بادشاہوں نے اس کو برائی طرح محسوس کیا اور یہ خوب سمجھنے لگے تھے کہ اگر آج احمد نگر کی باری ہے تو کل ہماری غرض وجیا نگر کی فوج کا یہ طرز عمل رام راج کا یہ غرور اور سلاطین کے ساتھ اس کا یہ ذلیل برتاؤ گویا خود اس کی بربادی کا پیش خیمہ تھا۔ اس کی بددماغی یہاں تک بڑھ گئی تھی کہ ان بادشاہوں کے سفیر جب کبھی اس کے دربار میں حاضر ہوتے تو ان کو بیٹھنے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ ان کی ہر طرح تحقیر کجائی یہ تمام چیزیں ایسی نہ تھیں جن سے کہ چشم پوشی کجا سکتی ان وجوہات کی بناء پر سلاطین دکن پہلے ہی سے جلے بیٹھے تھے اس پر طرہ یہاں کہ رام راج نے ملکہ رگ سے واپسی کے وقت اپنے بہائی وینکٹا دسی کو تھوڑی سی فوج دیکر قلع شاہ اور عادل شاہ کے سرحدی علاقوں پر بھیج دیا کہ ان کی تسخیر عمل میں لانی جائے ان دونوں بادشاہوں نے اس نئی ہلاکت ٹالنے کے لئے مجبوراً چند علاقے رام راج کے حوالے کر دیئے۔ اس طرح علی عادل شاہ کو اس جنگ سے

نے علی عادل شاہ نے ایٹکیر اور ناگر کو ب کے علاقے رام راج کو دیئے اور قلع شاہ کیو ملی کنڈہ کنور اور پنگلی سے دست بردار ہو گیا۔

جس میں کہ رام راج کی مدد حاصل کی گئی تھی فائدہ سے کی بجائے اُنکا نقصان ہو گیا۔ شولا پور جس کے لئے جنگ ہوئی تھی وہ تو ہاتھ نہ آ سکا یا اس کی طرف فی الحال توجہ کرنا مناسب نہ سمجھا گیا۔ نظام شاہ کو شکستیں تو بیشک ہوئیں مگر بیجا پور کو اُن سے کچھ بھی فائدہ نہ ہوا اور اگر کچھ ہوا تو یہی کہ اُسے دو علاقے ہاتھ سے نکل گئے غرض ان تمام واقعات نے علی عادل شاہ کو بھڑکایا اور وہ اس قدر غضب آلود ہوا کہ اُس نے دل میں ٹھان لی کہ اب رام راج سے اس کا بدلہ لینا چاہیے مگر جب اُس نے اپنی حالت پر نظر کی تو دیکھا کہ تن تنہا اس کا مقابلہ کرنا تو ممکن ہی نہیں اور پھر مشیران سلطنت نے یہ رائے دی کہ یکہ و تنہا رام راج سے مقابلے کا خیال کرنا دانشمندی سے بعید ہے کیونکہ اُس کی طاقت میں غیر معمولی امنافہ ہو چکا ہے اس کی ریاست نہایت وسیع اور خوش حال ہے اس کی آمدنی کے ذرائع ان گنت ہیں اس کے ہاں ایک نہایت زبردست جہاز اور آزمودہ کار فوج ہر وقت تیار رہتی ہے غرض ہر حیثیت سے وہ ایک مقتدر راجہ ہے اگر اس کو شکست دینی منظور ہے تو سوائے اس کے چارہ نہیں کہ دوسرے سلاطین دکن سے رابطہ اتحاد پیدا کیا جائے اور ان کو اپنا ہم خیال کر کے رام راج کی سرکوبی کی طرف توجہ کی جائے۔ اس بنا پر ایک ایچی کو قلعہ شاہ والی کو لکھنڈہ کے پاس روانہ کیا گیا کہ وہ اس اتحاد کی بابت گفت و شنید کرے اور اس کا عندیہ لے جب قلعہ شاہ، عادل شاہ کے اس ارادے سے واقف ہوا تو بعد خوشی اُس کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہو گیا اور یہ بھی وعدہ کیا کہ حسین نظام شاہ اور عادل شاہ کے درمیان اس انداز سے صلح کرادی جائے گی کہ پچھلی ساری رنجشیں دور ہو جائیں چنانچہ اُس نے اپنے دربار سے ایک نہایت ہی ہوشیار اور تجربہ کار شخص کو سفیر بنا کر پہلے بیجا پور روانہ کیا کہ علی عادل شاہ کو اس کے ارادوں سے واقف کر دے اور پھر نظام شاہی دربار کو روانہ ہونے کا حکم دیا۔ یہ سفیر مصلطے خاں اردوستانی تھا جو ہر حیثیت سے اُس زمانے کے بہت ہی قابل، دانشمند اور باتدبیر اشخاص میں شمار

۱۔ بالخصوص کشور خاں لاری اور ابو تراب شیرازی اس معاملہ میں پیش پیش تھے۔ بیجا پوری دربار میں تدبیر کے اعتبار سے یہ لوگ بہت نامور تھے کہ انہر معاملات میں ان سے رائے لی جاتی تھی اور بہت سارے اہم کام انہیں کے سپرد کئے جاتے تھے۔

ہونے کے قابل ہے (اس کا تفصیلی ذکر کسی اور جگہ آئیگا) مصطفیٰ خاں اپنے بادشاہ کے حکم کے مطابق پہلے
 بیجا پور آیا اور علی عادل شاہ سے استغواب رائے کر کے حسین نظام شاہ والی احمد نگر کے پاس پہنچا اور مجوزہ اتحاد
 کے متعلق گفت و شنید کرنے لگا۔ حسین نظام شاہ تو رام راج کے خون کا پیاسا تھا کیونکہ اُس کی بدولت
 اس کو اتنے نقصانات اٹھانے پڑے تھے شکستیں کھانی تھیں اور ذلیل و خوار ہونا پڑا تھا جب اس کو معلوم
 ہوا کہ عادل شاہ اور قطب شاہ رام راج کی بربادی کے ورپے ہیں تو بخوشی ان کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہو گیا
 بالآخر قطب شاہی سفیر کی کوششوں سے یہ طے پایا کہ حسین نظام شاہ اپنی بیٹی چاند بی بی کو علی عادل شاہ
 سے بیاہ دے اور شولا پور کا قلعہ جس کے متعلق اتنی لڑائیاں ہو چکی تھیں اُنکی کے جہیز میں دیدیا جائے اور
 اس طرح دونوں بادشاہوں کے درمیان جو فتنہ و فساد کی جڑ ہے اس کا خاتمہ کر دیا جائے اور ساتھ ہی
 یہ طے پایا کہ حسین نظام شاہ کے بیٹے مرثعی کی شادی علی عادل شاہ کی بہن ہدیہ سلطانہ سے ہو جائے
 ان نئے رشتوں کے جڑنے کا مقصد یہ تھا کہ برائی بخشیں اور عداوتیں دور ہوں اور از سر نو ایک نہایت ہی
 مضبوط اور محکم اتحاد قائم ہو جائے۔ غرض ان مقاصد کی تکمیل کے لئے حسب قرار داد یہ شادی لگائی
 اور علی عادل شاہ کو نہ صرف تعلقہ شولا پور مل گیا جس کے لئے وہ اس قدر بے قرار تھا بلکہ چاند بی بی کی
 ذات میں وہ دُر نایاب بھی ہاتھ آیا کہ بیجا پور کی قسمت جاگ اٹھی جب ان دونوں سلاطین کو شادی ہوئی
 مہمانیوں اور میزبانیوں سے فرمت ملی تو وہ معاملاتِ رزم کی طرف متوجہ ہوئے اس عرصے میں
 علی برید والی بید سے نامہ و پیام ہو چکا تھا اس نے بھی رام راج کی سرکوبی کے لئے ان سلاطین کا ساتھ
 دینے کا وعدہ کیا چنانچہ ان چار بادشاہوں کی فوجیں عازم و جیا نگر ہوئیں۔ جنگ کے اعلان سے قبل
 علی عادل شاہ نے جنت کے طور پر رام راج کو کہلا بھیجا کہ مدگل اور رانچور ناگری کو ب کے علاقے جو بیجا پور کی
 سلطنت ابد مدت سے تعلق رکھتے ہیں اور جن پر والی و جیا نگر نے ناجائز دست تصرف دراز کر رکھا ہے
 فوراً واپس کر دیئے جائیں مگر یہ تو ظاہر ہی تھا کہ رام راج اُن کی واپسی سے قطعاً انکار کر دیگا چنانچہ اس نے
 نہ صرف انکار کیا بلکہ پیغام رساں اہلچلیوں کو نہایت حقارت اور ذلت کے ساتھ اپنے دربار سے نکلوا دیا۔
 یہاں سلاطین دکن تیار ہی بیٹھے تھے فوجوں کو فوراً گرج کا حکم ہوا جب رام راج کو اسلامی فوجوں کی آمد کی خبر
 ملے۔ فرشتہ۔

لگی تو وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ اسے یقین کامل تھا کہ اس کی زبردست فوج ان بادشاہوں کو شکست فاش دے گی، لیکن بہر حال لڑنا تو ضروری تھا اُس نے اپنی سپاہ کو آراستہ کر کے غنیم کی طرف توجہ کی سب سے پہلے اُس نے اپنے چھوٹے بھائی تیم راج کو بیس ہزار سوار ایک لاکھ پیدل اور پانچ سو ہاتھی سمیت دریائے کرشنا کی طرف روانہ کیا کہ دریا پر قبضہ کر کے دشمنوں کے عبور کا راستہ سدو کر دیا جائے اور اس کے بعد اُس کا بھلا بھائی ایک کثیر فوج کے ساتھ آموجد ہوا اور سب کے آخر میں خود رام راج اپنی بقیہ ساری فوج لیکر (جس کے جھنڈے کے نیچے کئی راجہ اور راجکمار تھے) نہایت تزک و اعتراف کے ساتھ غنیم کی طرف متوجہ ہوا۔

پٹھور اور فیصلہ کن جنگ تالی کوٹ کی جنگ کے نام سے مشہور ہے۔ تالیکوٹ دراصل ایک چھوٹا سا موضع ہے جو اُس وقت حدود عادل شاہیہ میں واقع تھا چونکہ سلاطین دکن نے اُسے اپنا مستقر بنایا تھا اور کچھ عرصے تک انھوں نے یہاں قیام بھی کیا تھا اس لئے یہ جنگ اسی مقام کے نام سے مشہور ہوئی۔ دراصل جنگ، تالیکوٹ سے بیس میل کے فاصلے پر دریائے کرشنا کے جنوبی کنارے پر ہوئی، بغرض کہ جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو کرشنا اُن کے درمیان حائل تھی تیم راج نے نہایت سرعت اور تیزی کے ساتھ پہنچ کر رام راج کے حکم کے مطابق دریا کے تمام راستوں پر قبضہ کر رکھا تھا کہ دشمن عبور نہ کر پائیں۔ جب سلاطین دکن نے دیکھا کہ اس طرح اُن کا راستہ روک دیا گیا ہے تو انھوں نے ایک چال چلی، بظاہر تو اُنھوں نے اس مقام سے کوچ کر دیا جہاں پر کہ اُن کا پڑاؤ تھا اور دریا کے کنارے آگے بڑھنے لگے، اور برابر تین روز تک بڑھتے رہے اس سے تیم راج اس دکھو کے میں آگیا کہ وہ کسی دوسرے مقام سے دریا عبور کیا چاہتے۔ لہذا اس نے بھی اس کا ساتھ دیا اور اس مقام کو چھوڑ دیا جس پر کہ وہ قابض تھا۔ تین دن کے بعد جب یکایک اسلامی فوجیں رات کے اندھیرے میں پھر اُسی مقام کی طرف پلٹ پڑیں جہاں سے کہ انھوں نے کوچ کیا تھا تو وجہ انگریزوں کی اور خبر نہ ہوئی اور جب خبر ہوئی تو اسلامی فوج بہت آگے نکل گئی تھی اور اُن سے پہلے پہنچ کر دریا کے اس راستے پر قبضہ کر لیا جہاں پر تین دن پہلے رام راج کی فوجوں نے اُن کا راستہ روک رکھا تھا اس طریقے سے اسلامی فوجوں کو باسانی دریا کے عبور کرنے کا

موقع مل گیا۔ ہندو مسلمانوں کی اس چالاکی سے حیران ہو گئے مگر موقع کھو چکے تھے اور مسلمان نہایت عمدہ مقام پر قبضہ کر چکے تھے۔ رام راج کو جب اس کی خبر ہوئی تو وہ بھی اپنی فوج پر بہت بگڑا لیکن کیا کر سکتا تھا جب اس کی بقیہ فوج جو پیچھے رہ گئی تھی اس سے آملی فوجنگ کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔

متحدین کی فوج کی ترتیب اس طرح ہوئی کہ قلب میں حسین نظام شاہ سیمینہ پر عادل شاہ اور میرہ پر قطب شاہ اور ملی بریداسی طرح رام راج خود قلب میں رہا اور سیمینہ و میرہ پر اپنے دونوں بہائیوں و نیکنادری اور تیم راج کو مقرر کیا۔ رام راج کی لاپرواہی اور عنوت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جب جنگ شروع ہوئی تو اس نے سنگھاسن میں بیٹھ کر میدان میں جانیکا ارادہ کیا اور گھوڑے پر سوار ہونے سے قطعاً انکار کیا۔ حالانکہ مقرین اور دیگر سرداران فوج نے ہر چند عرض کی کہ جنگ میں یہ سواری خطرناک ثابت ہوئی ہے مناسب یہ ہے کہ حضور گھوڑے پر سوار ہوں مگر رام راج نے اسکی مطلق پرواہ نہ کی جب انھوں نے زیادہ اصرار کیا تو اس نے نہایت حقارت کے ساتھ کہا کہ یہ جنگ نہیں بازی لطفلاں ہے اس لئے زیادہ احتیاط کی چنداں ضرورت نہیں ابھی وجیانگر کے سورا اپنا رنگ جھانیں گے اور متحدین کی فوجوں کو بھاگتے ہی بیٹگی۔ بھلا وجیانگری سیلاب سے آگے یہ مورخ کس شمار و قطار میں ہیں۔ غرض وہ اپنے نزدیک سمجھے ہوئے تھا کہ چند لمحوں میں جنگ کا فیصلہ ہو جائے گا اور وجیانگر کو فتح و نصرت کے جھنڈے بلند کر نیکا موقع ملیگا لیکن اس روز کی جنگ کا حشر کچھ اور ہی ہونے والا تھا۔

جب دونوں فوجیں اچھی طرح گٹھ گئیں اور لڑائی گھمسان کی ہونے لگی تو متحدین نے اپنی شہزہری اور دلاوری کے ایسے ایسے ثبوت دئے کہ رام راج کے دانت کھٹے ہو گئے۔ رام راج نے خدان توقع جنگ کا جو یہ حال دیکھا تو سنگھاسن سے اتر کر ایک مرمع اور زرنگار تخت پر جلوہ افروز ہوا اور اپنی فوج کے سوراؤں اور سپاہیوں کے دل بڑھانے کے لئے بے دریغ رو بہ نچھاو کرنے لگا۔ زرجوہات قیمتی زیورات اور دیگر بیش بہا اشیاء اپنی فوج میں تقسیم کیں۔ راجا کی اس فیاضی سے وجیانگری فوج میں جانشاری کی ایک لہر دوڑ گئی اور وہ جان توڑ کوشش کرنے لگے کہ متحدین کو مغلوب و پسپا کر دیں اور

حقیقت یہ ہے کہ رام راج کی طرف سے اس وقت پر زور دیا ہو رہا ہے تھے اور قریب تھا کہ متحدین کے پیر اکھڑ جائیں۔ قطب شاہ اور عادل شاہ کو فتح کی طرف سے مایوسی ہو گئی تھی مگر حسین نظام شاہ نے ہمت ثابت قدمی سے خود لڑتار ہا بلکہ اپنے حلیفوں کی بھی بڑی ہمت افزائی کی اس کی یہ دلیلی اور ثابت قدمی اپنا کام کر گئی۔ قطب شاہ اور عادل شاہ جو فتح سے مایوس ہو رہے تھے از سر نو اپنی قوت کو جمع کر کے اس پر تل گئے کہ جان جائے یا رہے مگر میدان کو ہاتھ سے جانے نہ دیگے۔ اس طرح میدان کا زرا پھر ایک بار گرم ہو گیا اسی اثنا میں ایک ایسا واقعہ ظہور پذیر ہوا کہ جس نے جنگ کا پانسہ ہی پلٹ دیا حسین نظام شاہ کی فوج کا ایک دست ہاتھی جنگ کی ہامی سے پریشان ہو کر رام راج کی فوج میں گھس پڑا۔ رام راج جنگ کی حالت دیگر گوں دیکھ کر اپنے زور نگار تخت سے اتر کر پھر سنگھاسن میں سوار ہوا ہی چاہتا تھا کہ یہ دست ہاتھی مع فیلیبان اس طرف جا نکلا۔ وجیا گری فوج پہلے ہی سے پریشان ہو چکی تھی اور سرسنگی کا یہ عالم تھا کہ کسی کو اپنے پرانے کی خبر نہ تھی کہ اس ہاتھی کی بدستوں نے انھیں اور بھی زیادہ پریشان کر دیا تھی کہ وہ کہاں جو راجہ کے سنگھاسن کو سنبھالے ہوئے تھے رام راج کو اپنے حال پر چھوڑ کر خود اپنی جان بچانے کے لئے میدان سے روف چکر ہو گئے جب یہ ہاتھی قریب پہنچا تو اس مرصع اور زور نگار انباری کو دیکھ کر فیلیبان کے منہ میں پانی بھرا آیا اور چاہتا تھا کہ اس پر قبضہ کر لے۔ راجہ کے جانتاروں میں سے ایک شخص نے چلایا کہ زہنا رہا لڑکے کسی قسم کا گزند پہنچے اگر تم اس کی سواری کے لئے گھوڑا لاؤ تو ہمیں سرفراز کرے گا فیلیبان نے جو یہ سنا کہ رام راج ہی ہے تو فوراً اڑ بڑھ کر اسے اپنی حراست میں لے لیا اور نہایت تیزی اور سرعت کے ساتھ اپنے آقا حسین نظام شاہ کے پاس اسے پہنچا دیا حسین نظام شاہ اس غیر متوقع کامیابی سے بہت خوش ہوا اور فوراً اپنے مشیروں کی رائے سے رام راج کو قتل کروا دیا کہیں عادل شاہ کو خبر نہ ہو جائے جو اس کی فرزند کا دم بھرتا تھا۔ اس طرح یہ ہاتھ آیا ہوا شکار پھر کہیں جھوٹ نہ جائے۔ رام راج کا سر کاٹ کر نیزے پر لٹکا یا گیا۔ وجیا گری فوج نے جو یہ حال دیکھا تو اس کے رہے سہے جو اس بھی غائب ہو گئے سردار کے مارے جانے کے بعد وہ کونسی فوج ہے جو جم کر لڑ سکتی ہے متحدین کے مقابلے کی اب ان میں ہمت نہ رہی ایسی وحشت اور سرسنگی کے عالم میں وجیا گری کی یہ زبردست فوج پریشان اور منتشر ہوئی کہ قیامت کی

تصویر آنکھوں میں پھر گئی۔ ہر ایک کو اپنی جان کی پڑی تھی کوئی کسی کے مال سے آگاہ نہ تھا جس کا جس طرف منہ اٹھا وہ اسی طرف بھاگ کر جان بچاتا تھا غرض وجیا نگریوں کو اس میدان میں زبردست شکست ہوئی ان کا تھوڑی دور تک تعاقب کیا گیا اور جب خوب ابھی طرح ان کی خبر لے لی گئی تو متحدین نے اطمینان کا سانس لیا۔

اس جنگ نے وجیا نگریوں کو ایسا برباد کیا اور ان کی قوت کو ایسی کاری ضرب لگائی کہ پھر وہ سنبھل نہ سکے یوں تو لڑائیاں ہوتی ہیں اور فریقین میں سے کسی نہ کسی کو شکست ہونا ضروری ہے مگر شکست ایسی شکست تھی کہ وجیا نگر کی عظیم الشان اور با حیثیت سلطنت کا ہیمنہ کے لئے خاتمہ کر دیا۔ وہ جاہ و شہم، وہ مال و دولت جو صد ہا سال کی کوششوں کے بعد وجیا نگر کو نصیب ہوئی تھی چند دنوں میں نیست و نابود ہو گئی جنگ تالیکوٹ نے دراصل دکن کے اسلامی بادشاہوں کے حق میں فیصلہ کر دیا اس کے بعد بہت عرصے تک کوئی ہندو سلطنت ان کے مقابلے میں کھڑی نہ ہو سکی چونکہ تالیکوٹ کی جنگ دکن کی تاریخ میں غیر معمولی اہمیت رکھتی ہے اور ہندوستان کی فیصلہ کن جنگوں میں شمار ہوتی ہے اس لئے اس کا تذکرہ یہ تفصیل کیا گیا نیز اس وجہ سے بھی کہ اس جنگ نے دکن کی تاریخ پر اپنے گہرے نقوش چھوڑے ہیں اور وجیا نگر کی بربادی نے دکن کی سیاسیات کو یکجہت بدل دیا ہے۔ وجیا نگر کے برباد ہونے سے پہلے اسلامی ریاستوں کو اپنے ایک زبردست حریف کا خوف ہر وقت لگا رہتا تھا اور اس لئے وہ اپنے کو سنبھالے رہتے تھے اور وقتاً فوقتاً آپس میں متحد بھی ہو جاتے تھے مگر جب اس بڑے دشمن کا خاتمہ ہو گیا تو ان کی آپس کی کشمکش اور بڑھ گئی اور وہ کھلے بندوں ایک دوسرے سے دست و گریباں ہونے لگے۔ ان کے آپس کی کشمکشوں کی یہ غیر معمولی زباداتیاں بالآخر ان سلطنتوں کے زوال کا ایک اہم سبب ثابت ہوئیں۔ اس طریقے سے وجیا نگر کی بربادی بالواسطہ خود بین اسلامی ریاستوں کے مدیجی نڈال اور کمزوری کا باعث ہوئیں۔

جب ایک بارگی اس طاقتور دشمن اور مارتیس کو کچل دیا گیا تو سلاطین دکن کی نظریں وجیا نگر کے ذریعہ اور وسیع حصہ ہائے ملک پر پڑنے لگیں۔ ہر ایک کو اس کی فکر تھی کہ اس برباد شدہ ریاست کے کچھ غیر محض

علاقوں کو اپنے قبضے میں کر لے۔ سب سے پہلے علی عادل شاہ نے اس معاملے میں پیشقدمی کی کیونکہ اس کو اس کام کو قیام مل گیا تھا حسین نظام شاہ کا انتقال تالیکوٹ کی جنگ کے تھوڑے ہی زمانہ بعد ہو گیا اور احمد نگر میں اس وقت ایک کم عمر لڑکا بادشاہی کر رہا تھا یہ لڑکا مرغنی نظام شاہ سے اس کی ماں خوزہ ہمایوں سلطان سلطنت کے کاروبار چلا رہی تھی جب احمد نگر میں یہ تبدیلی پیدا ہوئی تو علی عادل شاہ کو اس جانب سے کوئی خطرہ نہیں رہا اور اس نے نہایت اطمینان کے ساتھ اپنی فوجوں کو وجہا نگر کے علاقوں میں بغرض فتوحات مشغول کر دیا۔ ٹیکٹا درہ نے احمد نگر سے مدد طلب کی خوزہ ہمایوں سلطان نے اس غرض سے کہ بیجا پور کی طاقت ان فتوحات سے بہت بڑھ نہ جائے اور توازن قوت کے مسئلہ کو پیش نظر رکھ کر ٹیکٹا درہ کی مدد کے طور پر بیجا پور پر حملہ کر دیا علی عادل شاہ کو دار الخلافہ کی محافظت کی غرض سے فوراً اس طرف متوجہ ہونا پڑا احمد نگر کی فوج سے کچھ لڑائیاں ہوئیں لیکن چونکہ جنگ کی اصلی غایت پوری ہو چکی تھی اس لئے نظام شاہی فوجوں نے بیجا پور سے کوچ کر دیا۔

علی عادل شاہ کی فتوحات | علی عادل شاہ کا آخری زمانہ ان فتوحات سے بھرپور نظر آتا ہے جو اس نے وجہا نگر کے علاقے میں حاصل کیں۔ یوں تو اس زمانے میں احمد نگر پر بھی حملہ کیا گیا اور گوہ کو بھی حاصل کر لیا۔ کوششیں کی گئیں، مگر یہ دونوں حملے ناکام رہے۔ اس لئے علی عادل شاہ نے قلعہ آدھوئی کی تسخیر کے لئے فوجیں بھیجیں۔ یہ ایک نہایت ہی مضبوط قلعہ تھا جس پر رام راج کے کسی سردار نے قبضہ کر لیا تھا اور خود مختار بادشاہت کر رہا تھا۔ انکس خاں اس قلعہ کو فتح کرنے کے لئے بیجا پور سے روانہ کیا گیا۔ اس کے ساتھ آٹھ ہزار سوار کا ایک منتخب دستہ کئی توپ خانے اور بہت سی پیدل فوج بھی روانہ کی گئی ایک طویل اور پرخطر محاصرے کے بعد مضبوط قلعہ ہاتھ آیا آدھوئی کے زبردست قلعہ کی فتح کی وجہ سے علی عادل شاہ کا وقار بڑھ گیا اور وہ مزید فتوحات کا خواہشمند تھا لیکن اطمینان کے ساتھ اپنی فتوحات کے سلسلے کو جاری رکھنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ احمد نگر سے ایک معاہدہ کر لیا جائے تاکہ انکی طرف سے کسی قسم کا خطرہ نہ رہے۔ علی عادل شاہ کو اپنی پہلی کوشش یاد تھی کہ اس نے آدھو وجہا نگر کی ریاست میں قدم بڑھائے اور احمد نگر کی فوج بیجا پور پر آدھوئی اب وہ اس صورت حال کے اعادہ کو پسند

نہ کرتا تھا اس لئے اس نے مرتضیٰ نظام شاہ سے سرحد پر ملاقات کی (مرتضیٰ نظام شاہ سوت مسلمان سلطنت اپنے ہاتھ میں لے چکا تھا) اس ملاقات میں یہ طے پایا کہ علی عادل شاہ بلا خوف و خطر وجیانگر کے علاقوں پر قابض ہو اس میں ریاست احمد نگر کو کوئی تعرض نہ ہوگا اور مرتضیٰ نظام شاہ اگر ممکن ہو تو برار کی ریاست پر قبضہ کرنے سے بیجا پور کی ریاست اس معاملہ میں کوئی اعتراض نہ کرے گی مگر یہ شرط علی عادل شاہ کیساتھ بھڑکادی گئی کہ وہ وجیانگر میں اپنی فتوحات کو اسی حد تک پھیلانے کہ مفتوحہ علاقہ کا رقبہ برار کی سلطنت سے زیادہ ہو۔ اس کا یہ مقصد تھا کہ برار اگر فتح ہو بھی جائے تو ایک مختصر اور محدود رقبہ کی ریاست ہے اور اس سے احمد نگر کچھ زیادہ فائدہ نہیں اٹھا سکتا لیکن وجیانگر کی عظیم الشان ریاست بہار ہونے کے بعد کس پیرسی کی حالت میں پڑی ہوئی ہے ممکن ہے کہ علی عادل شاہ اس عہد نامے سے فائدہ اٹھا کر اتنے علاقے حاصل کر لے کہ اس کی ریاست کی وسعت میں اضافہ ہو جائے۔ اگر یہ صورت ہو تو پھر بیجا پور و دوسری کئی سلطنتوں پر بآسانی غلبہ پاسکے گا اور یہ چیز تو ازن قوت کے اس اصول کے بالکل منافی ثابت ہوتی جس کی اب تک حفاظت کیجا رہی تھی یہ شرط دراصل اسی توازن کے قائم رکھنے کے لئے لگائی گئی تھی۔

جب اس معاہدے کے بعد احمد نگر کی جانب سے اطمینان ہو گیا تو علی عادل شاہ کی فوجیں وجیانگر کے وسیع اور زرخیز میداؤں کی فتوحات میں مشغول ہو گئیں اور اس کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے مضبوط قلعے جو کسی وقت ریاست وجیانگر کا ایک جز تھے بیجا پور کی مقبوضات میں داخل ہو گئے۔ ان فتوحات میں 'طور کل'، 'دھار وار'، 'نیکا پور'، 'جرہ'، 'چند رگوٹی'، 'کرور' اور 'باسلور' کی فتح قابل ذکر ہے ان علاقوں پر جو راجہ و راجکا ر حاکم تھے انہیں یا تو بالکل مفتوح کر لیا گیا یا ان کو بیجا پور کا بلج گزار اور مطیع و منقاد بنا کر چھوڑ دیا گیا اس طریقے سے علی عادل شاہ کے آخری زمانے میں ان فتوحات کی بنا پر بیجا پور کی ریاست کے حدود میں بڑی توسیع عمل میں آئی اور اسی اعتبار سے اس سلطنت کی عظمت و وقار میں بڑا اضافہ ہوا۔ ان فتوحات کے سلسلے میں مصطفیٰ خاں اردستانی نے اپنی بڑی قابلیتوں کا ثبوت دیا اور ان میں اکثر مقامات اسی کی کوششوں سے فتح ہوئے تھے اس لئے علی عادل شاہ نے اُسے یہیں

جاگیریں دیدی تھیں اور نئے مفتوحہ مقامات کا گورنر بنایا تھا۔ ایک عرصے تک دست سلطنت اور توسیع حدود کا سلسلہ جاری رہا۔ اکثر مضبوط اور مستحکم قلعے فتح ہوتے جا رہے تھے اور بیجا پور کی ریاست ہر حیثیت سے مائل بہ ترقی نظر آتی تھی۔ علی عادل شاہ کا یہ آخری زمانہ جنگ تالیکوٹ کے بعد سے کم و بیش کرناٹک اور مالابار کے علاقوں کی فتح میں گزر جاتا ہے حتیٰ کہ ۹۸۷ھ مطابق ۱۵۷۹ء میں علی عادل شاہ کا انتقال ہو گیا۔

علی عادل شاہ کے انتقال کے وقت سلطنت بیجا پور کی غیر معمولی وسعت عمل میں آ رہی تھی نئے نئے ملاباری علاقے اور مضبوط قلعے فتح ہو چکے تھے۔ وجیانگر کی سی زبردست اور عظیم الشان ریاست (جو اسلامی ریاستوں کی سب سے بڑی دشمن اور حریف ریاست تھی) کا خاتمہ ہو چکا تھا دکن کی تاریخ سے اس طاقت کا نام و نشان مٹ چکا تھا۔ دھرمندوں کی زبردست سلطنت برباد ہوئی اور اس طرف شمال میں برار کی چھوٹی سی ریاست بھی دکن کے سیاسی نقشے سے غائب ہو چکی تھی۔ احمد نگر کی ریاست نے اس معاہدے کے تحت (جس کا ذکر کیا گیا) برار کو اپنے قبضے میں کر لیا تھا چونکہ برار کی ریاست کا خاتمہ علی عادل شاہ کے آخری زمانے میں ہوتا ہے اور یہ بھی دکن کی تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہے اس لئے اس کے متعلق بھی دو چار جملے لکھ دینے چاہئیں۔

برار کا خاتمہ | برار کی ریاست ابتدا ہی سے بہت چھوٹے قصبے پر پھیلی ہوئی تھی اس وجہ سے وہ زیادہ قوت حاصل نہ کر سکی۔ برہان عادل شاہ کے زمانے میں جبکہ بادشاہ (برہان) بالکل کم عمر تھا تغال خاں نے (جو یہاں کا ایک مقتدر وزیر اعظم تھا) شاہی خاندان کو الگ کر کے سلطنت کو اپنے قبضے میں کر لیا تھا یہی دار و گیر و کس پرہسی کا عالم تھا کہ برار پر احمد نگر کی لچائی ہوئی نظریں پڑے لگیں۔ اور مرنفی نظام شاہ کا پہلے ہی سے ارادہ تھا کہ تغال خاں کو الگ کر کے برار کو اپنے قبضے میں کر لے۔ اسی خواہش کی تکمیل کی غرض سے اُس نے علی عادل شاہ سے وہ معاہدہ کیا جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ اس معاہدے کی وجہ سے اُسے برابر ایک اخلاقی حق حاصل ہو گیا اور خود سلطنت برار تغال خاں کی غاصبانہ کارروائیوں کی وجہ سے کمزور ہو گئی تھی۔ مرنفی نے ۹۸۷ھ مطابق ۱۵۷۹ء میں برابر پر

حملہ کر دیا۔ تغال خاں کو شکست دی اور سلطنت برار کو احمد نگر کا ایک جز بنالیا۔ برہان عباد شاہ اور تغال خاں قید کر دئے گئے اور یہیں ان دونوں کا انتقال ہو گیا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ انکو زہر دیا گیا تھا اس طرح ۱۷۷۷ء میں برار کے عباد شاہیہ خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔
ان واقعات کی تفصیل کے بعد دکن کی سیاسی قوتوں کا ایک سرسری معائنہ کر لینا کچھ غیر مفید نہ ہوگا۔ اس وقت دکن میں تین زبردست ریاستیں تھیں:-

(۱) بیجا پور

(۲) احمد نگر

(۳) گولکنڈہ

ان کے علاوہ تین اور طاقتیں تھیں جن کی سیاسی اہمیت فی الحال کچھ ایسی زیادہ نہ تھی۔

(۱) بیدر

(۲) پرتگیزی

(۳) خاندیس

بیدر اُس وقت رو بہ زوال تھا اور وہ دن دور نہ تھے جبکہ وہ عادل شاہی سلطنت کا جزو بن جائے۔ اب رہ گیا خاندیس سو اس کی اہمیت اُس وقت سے بڑھنے لگتی ہے جب سے کہ دکنی ریاستوں کا مغلوں سے تعلق شروع ہوتا ہے۔ خاندیس کبھی کبھی دکنی ریاستوں کے معاملات میں دیکھی لیتا تھا مگر نہایت اعتیاد اور ہوشیاری کے ساتھ کہ کہیں اُن کے آئے دن کے فسادات اور جنگوں کی وجہ سے اُسے نقصان نہ پہنچ جائے۔ پرتگیزی اپنے ساحلی مقبوضات کو برابر ترقی دے رہے تھے جس کا بدیہی ثبوت یہ ہے کہ علی عادل شاہ نے اپنے آخری زمانے میں گوہر کو حاصل کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ اس طرح اس وقت دکن میں چھ سیاسی قوتیں تھیں گرنی الحال چند ریاستوں سے ہم کو

معرفتہ ۱۷۷۹ء میں بیدر عادل شاہی مقبوضات میں داخل ہو گیا۔

براہ راست تعلق ہے وہ اول الذکر تین ریاستیں ہیں اور دراصل اس زمانے کی دکنی سیاسیات کا محور بھی یہی تھیں۔

یہ تو خالص دکنی سیاسی قوتوں کا ایک سرسری معائنہ تھا اس زمانے کی سیاسیات پر بحث کرتے ہوئے مغلوں کی برصغیر کی حکومتی ہونی طاقت سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی اس زمانے میں تخت دہلی پر ایک بزرگ عالم جلوہ گر تھا اور اس کی قوت میں دن و دینی مات چو گنی ترقی ہو رہی تھی مگر فی الحال اسے اتنا موقع نہ تھا کہ شمال سے بے توجہی کر کے جنوب کی طرف رخ کرنا مگر پھر بھی یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ علی عادل شاہ کے آخری زمانے میں اکبری کی گجاہیں دکن پر پڑ رہی تھیں جس کا ثبوت یہ ہے کہ اس نے تغال خاں کے معاملے میں مرنے والی نظام شاہ کو ایک اقتناعی حکم بھیجا تھا کہ وہ اپنی کارروائیوں کو رک لے کر اس کی ایک نہ سنی گئی مگر اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دکن کے معاملات مغلیہ حکومت کی توجہ کا مرکز بننا شروع ہو گئے تھے۔ اس کی مزید دلیل یہ ہے کہ دربار بیجاپور میں مغلیہ حکومت کی جانب سے علی عادل شاہ کے اسی آخری زمانے میں دو سفیر آئے ہوئے تھے۔ پہلے حکیم علی گیلانی، اکبر کے نمایندے کی حیثیت سے بیجاپور آیا اور یہاں سے بہت کچھ تحفہ و تحائف کے ساتھ رخصت ہوا۔ دوسرا شخص جو بحیثیت سفیر کے یہاں آیا وہ حکیم عین الملک شیرازی ہے اور یہ شخص ابھی بیجاپور ہی میں تھا کہ علی عادل شاہ قتل کر دیا گیا یہ واقعات صاف طور پر بتلا رہے ہیں کہ نعل اس وقت دکن سے بے خبر نہ تھے۔

اس طریقے سے ابراہیم عادل شاہ ثانی کی تخت نشینی کے وقت دکن کی خارجی فضا کچھ صاف نہ تھی اور اس وقت دکنی ریاستوں کے سامنے بہت کچھ اہم مسائل موجود تھے جن کی طرف فوری توجہ کی سخت ضرورت تھی مگر ان ریاستوں کی اندرونی حالتیں خود اس قدر ناگفتہ بہ ہو چکی تھیں کہ خارجی معاملات کو پس پشت ڈالنا لازمی ہو گیا تھا۔

۱۷۔ علی عادل شاہ کے قتل کے متعلق مختلف روایتیں ہیں جس میں خواجہ سراؤں والی روایت زیادہ مشہور و عام ہے لیکن یہاں تفصیل کی ضرورت نہیں ان تفصیلات کے لئے لائحہ مؤثر مذکورہ الملوک و بساتین السلطین۔

ابراہیم ثانی کی تخت نشینی
بچھلی سطروں میں اس فضاء کو پیش کیا گیا جو ابراہیم کی تخت نشینی کے
وقت بیجا پور کی سلطنت کو خارجی طور پر گہری ہوئی تھی اب کچھ

اندرونی ماحول کا بھی اندازہ کر لینا چاہیے۔ بادشاہ کی کسبی کی وجہ سے ملک میں علی عادل شاہ
کے انتقال کے ساتھ ہی اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں۔ امراء اور اعلیٰ عہدہ داروں کی کشمکش کا
ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہوتا ہے حقیقت یہ ہے کہ اس نئے بادشاہ کی تخت نشینی ملک کو
سخت پریشانیوں میں مبتلا کر دیتی ہے اس وجہ سے کہ امراء کی خود غرضیاں، ان کی نا اتفاقیوں
اور ان کی باہمی رقابتیں بہت بڑھ گئی تھیں اور کسی کو اس کا احساس نہ تھا کہ ملک اور بادشاہ
کے ساتھ ان پر کیا کیا ذمہ داریاں عائد ہیں۔ اگرچہ علی عادل شاہ نے مرتے وقت ایک ہنایت
وسیع، مغبوط اور مستحکم ریاست اپنے جانشین کے لئے چھوڑی تھی لیکن ان امراء کی خود غرضیوں کی
وجہ سے یہ زبردست سلطنت ورطہ تباہی میں گھر جاتی ہے۔ امراء نے ذاتی اغراض اور ذاتی مفاد
کے لئے جو لڑائی جھگڑوں کی ابتداء کی تھی وہ اس قدر خطرناک صورت اختیار کر لی کہ قریب تھا کہ بیجا پور کی
ریاست خود غرضیوں کا شکار ہو جائے مگر بعض حالات نے جن کا آئندہ تفصیلاً ذکر کیا جائیگا، بیجا پور
کی سلطنت کو تباہی سے محفوظ رکھا اس اندرونی خرابی کی وجہ سے بیرونی پریشانیوں میں بھی مبتلا ہونا پڑا
یہ عجیب بات ہے کہ جس طرح بیرونی فضاء کو کئی سلطنتوں کی مشترک تھی اسی طرح اندرونی ماحول بھی
اس زمانے کی ریاستوں میں قریب قریب یکساں تھا جو حال بیجا پور کا ابراہیم کی کسبی میں رہا تقریباً ہی
حال احمد نگر کا مرقعی نظام شاہ کے انتقال کے بعد سے ہو گیا یہاں بھی امراء کا ضرورت سے زیادہ طاقتور
ہو جانا اور پھر ان کی غایہ جنگیوں کی وجہ سے ملک کو سخت نقصان پہنچا ان ریاستوں کی اندرونی خرابیوں کا
خود ان کے حق میں ایک مقرر نتیجہ ہوا کہ مغل ان پر بآسانی چھا گئے ورنہ اگر یہ خرابی اس زمانے میں نہ پیدا
ہوتی اور یہ ریاستیں آپس میں متحد رہتیں تو ممکن نہ تھا کہ مغل ایک انج بھی اپنی فتوحات کے سلسلے میں
وکن میں آگے بڑھ سکے۔

یہ ایسی خرابی تھی جس کی وجہ سے کئی ریاستوں نے بہت نقصان اٹھایا۔ آئندہ صفحات میں

یہ چیز خود بخود واضح ہو جائے گی کہ اُمرا اور سرداروں کی ناموافقت اور عدم اتحاد نے ملک کو کس قدر شدید نقصان پہنچایا۔ ابراہیم کی کسی کا طویل زمانہ (تقریباً دس سال کا ہوتا ہے) بیجا پور کیلئے نہایت پر آشوب ثبات ہوا۔ عادل شاہیہ خاندان کی اقبال مندی اور بعض ہی خواہان ریاست کی وفاداری، ملک حلالی اور حق شناسی سمجھنا چاہیے کہ بیجا پور برباد ہوتے ہوئے رہ گیا جب آخر کار ”یہ طویل تولیت“ کا دور ختم ہوا اور ابراہیم نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو پھر اُسی آب و تاب اور اُسی عزت و وقار کے ساتھ اُس نے بیجا پور پر حکومت کی جیسے کہ علی عادل شاہ یا اُس کے پہلے لائق اور بہتر بادشاہوں نے کی تھی اور دراصل اس وقت سے بیجا پور کی تاریخ کا ایک نیا باب شروع ہوتا ہے۔

ابراہیم کی تخت نشینی ابتدائی زندگی تعلیم و تربیت اور کیر کڑ

باب نم

ابراہیم کی تخت نشینی | علی عادل شاہ کا جب انتقال ہوا تو اس کا بیعتجا ابراہیم تخت نشین کیا گیا علی عادل شاہ کوئی اولاد نہ تھی اسی وجہ سے اس نے اپنے بہائی بھائی کے بچوں کو اپنے بچوں کی طرح پالا تھا۔ اپنی زندگی ہی میں اس نے بیٹا ہر کر دیا تھا کہ اس کے بعد اس کا جانشین ابراہیم ہو گا چنانچہ ۹۸۷ء میں ایک جشن کیا گیا اور ابراہیم ولیعہد مقرر کیا گیا اس کے دوسرے ہی سال ۹۸۸ء میں علی عادل شاہ کا انتقال ہو گیا علی عادل شاہ کے انتقال کے وقت ابراہیم کی عمر ۹ سال تھی۔ دارش تخت و تاج کی کسبی ہمیشہ بغاوتوں کی محرک اور فسادات کا باعث ہوتی ہے اور ہر شخص ہمیشہ یہ چاہتا ہے کہ جہاں تک ہو سکے اس موقع سے فائدہ اٹھایا جائے۔ نئے نئے دعویٰ اور سلطنت پیدا ہو جاتے ہیں اور اندیشہ رہتا ہے کہ میں ملک میں ایک فتنہ عظیم نہ برپا ہو جائے۔ علی عادل شاہ کے بعد تقریباً یہی صورت حال تھی اگر چہ ابراہیم کو

۱۔ اس جشن کے متعلق فرشتہ یوں رقمطراز ہے ”وَرَمَاهُ شَوَالُ سَنَةِ سَبْعٍ وَثَمَانِينَ وَتِسَاعَةِ (۹۸۷ء) چوتھی آنحضرت مافرنزندہ بود و برادر زادہ خود شہزادہ ابراہیم بن بھاسپ را ولیعہد ساختہ با اُمراء و ارکان دولت گفت کہ بعد از من پادشاہ شما اینست“ اسی سال سنّت خلیل اللہ کے مطابق شہزادے کی فتنہ کی گئی اس خوشی میں ایک بڑے جشن ترتیب دیا گیا اس سلسلے میں فرشتہ شہزادے کی اقبال مندی کے مطابق ایک قصہ بیان کرتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ شہزادے کا بڑی دھوم دھام سے جلوس نکالا گیا۔ آتش بازی کا بھی خوب انتظام تھا۔ سوئے اتفاق سے مجمع میں آگ لگ گئی۔ قریب ۷۰۰ سات سو نفوس نذر آتش ہو گئے مگر شہزادے کو جو کسی مجمع میں تعاس کی قسم کا نقصان نہ پہنچا اور وہ صبح و سلامت پیکر نکل گیا۔ (فرشتہ مقالہ سوم، روضہ دوم)۔

ولیعہدی کے لئے نامزد کر دیا گیا تھا مگر پھر بھی شہزاد کے حقیقی بیانی اسماعیل موجود تھا جو ہر طریقے سے تخت و تاج کا اسی طرح مقدر تھا جیسے کہ خود ابراہیم۔ لاس کے کہ ابراہیم کو پہلے ہی سے ولیعہد بنا دئے جائیگا تفوق بھی حاصل تھا مگر حیلہ جو باہا تھا بسیار کے مصداق خود اس شہزادے کی موجودگی ہی بہت کافی تھی کہ فتنہ پرواز اور متمرد اشخاص اس کے حقوق کی حمایت کے حیلے سے ملک کے امن و امان میں خلل انداز ہوں۔ اس بد امنی و فتنہ و فساد کو کنے کے لئے افضل خاں نے جو علی عادل شاہ کے آخری زمانے میں وکیل السلطنت کے عہد پر فائز تھا۔ بادشاہ کے انتقال کے ساتھ ہی اندر سے قلعے کے دروازے بند کر دیئے اور کسی کو داخل ہو نہ کی اجازت نہ دی۔ افضل خاں چاہتا تھا کہ اختلاعات ٹھیک کرنے سے پہلے علی عادل شاہ کی وفات کی خبر ملک میں نہ پھیلے مگر باوجود اس اعتیاد کے تھوڑے ہی عرصے میں یہ خبر عام ہو گئی کہ بادشاہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس خبر کے سنتے ہی تمام ملک میں ایک پریشانی پیدا ہو گئی اور صبح ہوتے ہی ہوتے اکثر امراء و اعیان قلعے کے دروازے پر جمع ہو گئے۔ وراستی تشویش میں تھے کہ دیکھئے کس کو بادشاہ بنایا جاتا ہے بالآخر ایک شخص کو اس جماعت کا سفیر بنا کر افضل خاں کے پاس روانہ کیا گیا کہ جانشینی کی نسبت جو تصفیہ کیا گیا ہے اس سے آگہی حاصل کر کے واپس آئے جب افضل خاں سے استصواب رائے کیا گیا تو اس نے جواب دیا کہ جو تمام امراء و ارکان دولت کی رائے ہو اسی پر عمل کیا جائیگا۔ اس پر امراء نے وہیں ایک مجلس مشاورت منعقد کی۔ شاہ کمال الدین فتح اللہ اور دیگر مدبران سلطنت کی یہ رائے ہوئی کہ علی عادل شاہ نے اپنی زندگی میں جو تصفیہ کیا ہے وہی بحال رکھا جائے۔ ابراہیم جو حقیقی وارث تخت و تاج ہے علی عادل شاہ کا جانشین قرار دیا جائے۔ میر مرتضیٰ خاں آبخو کو افضل خاں کے پاس اس گزارش کے ساتھ روانہ کیا گیا کہ تمام اعیان و ارکان دولت نے یہ تصفیہ کیا ہے کہ جلد از جلد اس پر عمل کیا جائے۔ ساتھ ہی یہ بھی خواہش ظاہر ہو گئی تھی کہ چونکہ ابراہیم کم عمر ہے اور معاملات سلطنت کے سنبھالنے کے لئے ایک متولی کی ضرورت ہے۔ افضل خاں جو پہلے سے ہی وکیل السلطنت کے ممتاز عہدے پر فائز ہے بادشاہ کی کسنی تک متولی یا نائب السلطنت کی نئی خدمت بھی انجام دے۔ افضل خاں نہایت دانا اور تجربہ کار آدمی تھا، وہ جانتا تھا کہ یہ بارگراں اپنے کندھوں پر اٹھانا آسان نہیں۔ بادشاہ کس ہے فتنہ و فساد برپا ہو نیکا اندیشہ ہے اور

ان کا سد باب کوئی آسان کام نہیں اس لئے اس نے منقوی حکومت کا عہدہ قبول کرنے سے انکار کر دیا لیکن فی الحال یہ رائے دی کہ چار معتبر اشخاص کو قلعے کے اندر بلا لیا جائے پھر ان کے مشورے سے ابراہیم کو تخت نشین کر دیا جائے گا چنانچہ شاہ کمال الدین فتح اللہ، مرغی خاں، آنجو، منجن خاں اور سپر کوہکے کشور خاں جو کامل خاں کا داماد تھا قلعے میں داخل کر لئے گئے آپس میں تھوڑی سی گفت و شنید کے بعد یہ طے پایا کہ نئے بادشاہ کی تخت نشینی جلد از جلد عمل میں آنی چاہئے۔ اس کے بعد تخت نشینی کی کارروائی کو ابراہیم زبیری ان الفاظ میں بیان کرتا ہے وہ لکھتا ہے کہ یہ لوگ بر دروازہ حرم محترم رسیدند ابراہیم عامل شاہ رازاں درون بیرون آوردہ بر بالائے برج بر مسند عزت و شوکت نشاندہ چتر سبز رنگاری کہ لازمہ عادل شامیہ بود بر سر فرشتند اعیان و ارکان در گاہ اول زمیں بوس شدہ سلام و تبریت پیر و دانشمند و نذویر از نظر گزرا نیند و بعد ازاں تمام خلایق از بروں سجدات شکر بجا آوردہ بارگشتند۔

ابراہیم کی تعلیم و تربیت و کیرٹر | ابراہیم کی تخت نشینی سے پہلے کے حالات کا بہت کم پتہ چلتا ہے اس کے پیدا ہونے اور ابتدائی تعلیم و تربیت کے متعلق تو تاریخ بالکل ساکت ہے لیکن چونکہ جس وقت وہ تخت نشین ہوا ہے اس کی عمر تقریباً دس سال تھی اور اس کا سن جلوس ۹۸۸ء ہے۔ لہذا نہایت آسانی سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ تقریباً ۹۸۷ء میں وہ پیدا ہوا۔ علی عادل شاہ ۹۶۵ء مطابق ۸۵۵ھ میں تخت نشین ہوا تھا۔ اپنی تخت نشینی کے بعد اس نے اپنے بہائی ملہا سب کی آنکھیں نکلوا دیں اور نظر بند کر دیا تھا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ابراہیم اپنے باپ کی قید کے زمانے میں جبکہ اس کی آنکھیں بے نور ہو چکی تھیں پیدا ہوا ہے۔ لیکن جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے علی عادل شاہ نے اولاد ہونے کی وجہ سے اپنے مظلوم بہائی کے بچوں کو لیکر پال لیا تھا۔ ابراہیم چونکہ سب میں بڑا تھا اسے اپنا ولیعہد اور جانشین بھی مقرر کر دیا۔ اس غرض سے کہ وہ آئندہ بادشاہ ہونے والا ہے اس کی تعلیم و تربیت کی طرف بھی خاص توجہ

لے۔ بسالین السلطین۔

لے۔ فرشتہ جس وقت ابراہیم تخت نشین ہوا ہے وہ اپنی عمر کے نو سال تمام کچکا تھا اور قریب قریب دس سال اس کی عمر تھی۔

لیگی یوں تو اپنے دونوں بھتیجوں کو علی عادل شاہ عزیز رکھتا تھا اور ان کی تربیت اعلیٰ پایے پر موری تھی مگر بادشاہ کی توجہ خاص طور پر ابراہیم کی طرف مبذول رہتی تھی۔

ابراہیم بچپن سے ہی نہایت سنجیدہ، متین اور بُرد بار واقع ہوا تھا۔ اس کی کم عمری میں اُسکی پیشانی سے آثارِ بزرگی و بڑتری ہوید اُتھے۔ بسائین کے مصنف نے ابراہیم کی ان خصوصیات کا ان الفاظ میں تذکرہ کیا ہے: ”وَرَدْنِ بَنگام ہر وقت تختِ نشینی، مارجِ عرش از نہ سالگی تجاوز نہ کردہ ہو وہم دَلِ مغربِ کمالِ مکن و سنجیدگی و عدت فہم انصاف داشت از ناصیہ نوگی آثارِ بزرگی ہوید ابو دُلّہ“ اور فرشتہ^۱ اس امر کی تصدیق کرتا ہے کہ اس نو عمری میں جبکہ عمو، بچوں کا دل کھیل کود میں لگا رہتا ہے، ابراہیم قطعاً ان وقت خراب کرنیوالی و کپچیوں سے احتراز کرتا تھا! اس زمانے میں اس نے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کی۔ وہ خوشلوسی کی مشق کیا کرتا تھا۔ اور اپنے زمانے کے مطابق اُس نے نہ صرف تحصیلِ علوم کی طرف ہی کوشش کی بلکہ فنونِ سپہ گری کا بہت اچھا ماہر ہو گیا۔ بالخصوص گھوڑے کی سواری، نیزہ بازی اور دیگر آلاتِ حربہ کے استعمال سے اُس نے خاصی اچھی واقفیت پیدا کر لی تھی۔ یہ دراصل اُس زمانے کے ہولِ تعلیم و تربیت کی خوبی تھی کہ سپاہیانہ فنون کو دائرہ تعلیم سے خارج نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اُس کی طرف زیادہ توجہ کی جاتی تھی اور ماہر فنون سپہ گری کو بڑی وقعت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ اس چیز کو ایسی ہر دلعزیزی اور ایسی عام مقبولیت حاصل تھی کہ صرف بادشاہوں اور والیان ریاست کے لئے ہی ان فنون کا حامل کرنا ضروری اور لازمی نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ ہر کس و ناکس کے لئے اس قسم کی تعلیم ضروری خیال کی جاتی تھی اسی وجہ سے اُس زمانے کا بچہ بچ سپاہی ہوتا تھا۔ چونکہ اُس زمانے میں ہمسایہ قوتوں یا ریاستوں سے آئے دن لڑائی جھگڑے ہو کر اُتے تھے اور میدان کارزار ہمیشہ گرم رہتا تھا لہذا یہ ایک قومی ضرورت ہو گئی تھی کہ ہر شخص آلاتِ حربہ کے استعمال سے

۱۔ بسائین السلاطین۔ صفحہ ۱۹۴۔

۲۔ فرشتہ مقالہ سوم صفحہ ۴۔

واقف رہے تاکہ وقت پڑے تو اپنی اور اپنی قوم و ملک کی محافظت و بقا کے لئے وہ اپنے دشمنوں کا اچھی طرح مقابلہ کر سکے۔ اسی وجہ سے بلا لحاظ پیشہ و طبقہ ہر شخص ان مردانہ فنون سے کچھ بچہ بچہ واقفیت ضرور رکھتا تھا جب فنون سپہ گری کی مقبولیت کا یہ عالم ہوا اور ملک میں جب اس کو اتنی اہمیت دی جاتی ہو تو ظاہر ہے کہ بادشاہ جو پورے ملک کا نگہبان اور محافظ سمجھا جاتا تھا بھلا اُن سے کیسے اغماض برت سکتا اُس پر تو اپنے اعلیٰ منصب کی عظمت و شوکت کے اعتبار سے ان فنون میں کامل مہارت رکھنا ضروری تھا ہی وجہ ہے کہ اُس زمانے میں شہزادوں اور وارثان تخت و تاج کی تعلیم و تربیت کے سلسلے میں اس کا خاص طور پر لحاظ رکھا جاتا تھا کہ اُن میں بہادری اور مردانگی کے جوہر پیدا ہوں اور وہ سپاہیانہ فنون سے کامل طور پر واقف رہیں۔ بلکہ یہاں تک کہا جاسکتا ہے کہ اس زمانے کا معیار یہ تھا کہ بادشاہ کی پہلی ضرورت فنون سپہ گری سے واقفیت سمجھی جاتی تھی اور بعد میں کتابی علوم کی تحصیل کا خیال کیا جاتا تھا۔ غرض ابراہیم کو بھی اس زمانے کے معیار کے مطابق تعلیم دی گئی اور جہاں وہ ایک طرف علمی قابلیتیں حاصل کر رہا تھا اس کے ساتھ ہی دوسری طرف وہ ایک بہادر سپاہی اور واقف و فاضل حرب بھی ہو رہا تھا۔ گویا یہ تعلیم ختم ہونے پائی تھی اور وہ اس کے ابتدائی منازل ہی طے کر رہا تھا کہ اسے سرپرست اور چچا علی عادل شاہ کا انتقال ہو گیا۔ گو تخت نشینی کے بعد بھی کم عمری کا لالچا خاکہ تے ہوئے یہ تعلیم و تربیت کا سلسلہ چاند بی بی اور مختلف متولیان ریاست کے زیر نگرانی جاری رہا مگر وقتاً فوقتاً ان تختداران سلطنت کی باہمی کش اور فسادات کی بنا پر بادشاہ کے سلسلہ تعلیم و تربیت میں بہت مرجع ہوا مگر خود یہ بغاوتیں اور فسادات جو اس کی نوعمری میں اُسے گہرے ہوئے تھے قدرتی تعلیم سے کچھ کم نہ تھے۔ ابراہیم ان سے بہت کچھ سبق لے سکتا تھا اگر یہ سچ ہے کہ نامساعد حالات انسان کو سچی اور بہترین تربیت دیتے ہیں۔

علی عادل شاہ کے قبل از وقت مرجانے سے ابراہیم کی تربیت کا بار چاند بی بی پر پڑا یہ فرس اور دانشمند عورت ہر طریقے سے اس کام کے لئے موزوں تھی اور حقیقت یہ ہے کہ اگر چاند بی بی اس وقت بیجا پور میں معاملات سلطنت کے سنبھالنے کے لئے موجود نہ ہوتی تو شاید ابراہیم کو جتنی میں

بادشاہ ہونا نصیب بھی نہ ہوتا کیونکہ ہر شخص جو مختار یا متولی مقرر کیا جاتا، بادشاہ کی کسبی سے فائدہ اٹھا کر اور اپنی قوت و اقتدار کے نشہ میں بیجہ دھوکہ دینا چاہتا تھا کہ اگر ممکن ہو تو اصل خاندان کو ایک طرف کر کے خود ہی سلطنت کا مالک بن جائے۔ بیجا پور کی تاریخ میں خصوصاً ایسی مثالیں بہت ملتی ہیں کہ سلطنت کی دو بقی ناؤ کو عین وقت پر عورتوں نے بچا لیا چنا بچ جب یوسف عادل شاہ کا انتقال ہوا اور اس کا جانشین اسماعیل کم عمری میں تخت نشین ہوا تو کمال خاں نے ٹکڑی بیکر باندھی تھی مگر بوجی خانم کے حسن تدبیر شجاعت اور دلیری اور دل شاد آغا کی ہمت مردانہ نے اس کے حق تمام منصوبوں پر پانی پھیر دیا۔ اسی طریقے سے اب جبکہ ابراہیم چھوٹا تھا متولیان ریاست یکے بعد دیگرے سلطنت پر غاصبانہ ٹکا ہیں ڈالنے لگے مگر یہ ابراہیم کی خوش قسمتی اور عادل شاہی خاندان کی اقبال مندی تھی کہ اس وقت چاند بی بی عورت موجود تھی جو ابراہیم کے حقوق کی مردانہ و اخلاقی کمر تھی رہی۔ اور ان سرکش اور متمرد وزیران سلطنت کی باغیانہ اور غاصبانہ کوششوں کو پہلے پھیلنے نہ دیا۔ غرض ابراہیم ایک دانہ لے روزگار عورت کے سایہ عاطفت میں پرورش پاتا رہا اور تربیت حاصل کرتا رہا۔

تخت نشین ہونے کے بعد یہ معمول تھا کہ سوائے چار شنبہ اور جمعہ کے باقی ایام میں کین بادشاہ دربار کرتا اور تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوتا تھا۔ تمام اُمراء دولت اور اعیان سلطنت سلام کے لئے حاضر ہوتے، اور بادشاہ کی موجودگی میں تمام کاروبار سلطنت انجام پاتے تھے۔ اس طریقے سے

۱۔ ابراہیم کے عہد کے متولیان ریاست کی مفسدانہ اور غاصبانہ کارروائیوں کی تفصیل آئندہ صفحات میں آئیگی۔
 ۲۔ کمال خاں اسماعیل عادل شاہ کے ابتدائی عہد میں متولی ریاست رہا مگر ٹکڑی کر کے چاہتا تھا کہ تخت و عرش غصب کر لے۔
 ۳۔ بوجی خانم یوسف عادل شاہ کی بیوی اور اسماعیل کی ماں تھی یہ عورت مردانہ مثل سے نقل کھیتی روزِ شنبہ سے۔
 ۴۔ دل شاد آغا، غضنفر بیگ کی بہن تھی۔ یوسف عادل شاہ غضنفر بیگ کو بہت چاہتا تھا اور اپنا بہن کہتا تھا۔ اس اعتبار سے اُس کی بہن بھی محل میں رسوخ رکھتی تھی غضنفر بیگ ایک جاں نثار اور بہادر درجنل تھا۔

گویا اس کو امور سلطنت سے واقف کرایا جاتا اور معاملات ملکی کی انجام دہی کے اصول سے آگہی بخشی جاتی تھی تاکہ جب وہ سن بلوغ کو پہنچ کر عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے تو منصب شاہی کے تمام فرائض سے کما حقہ واقف اور آگاہ رہے۔ اسی زمانے سے ابراہیم میں اس قدر فرض شناسی کا مادہ پیدا ہو گیا تھا کہ جب کسی نے ایک روز معمول سے زیادہ دیر ہو جانے پر بادشاہ سے کہا "مروزر از نشست جنیں دیر (شده است) البتہ بذات عالی کوفت و ماندگی رسیدہ باشد۔ اکنون باستراحت میل فرمائید۔ بزبان گوہر نشان فرمودند کہ مہی اس حال بہا حوالہ شد آسانی و استراحت را گنجائش ندارد"۔

اس جواب سے اس کی مستعدی اور فرض شناسی کا اچھا اندازہ ہوتا ہے۔ اس نوعمری کے دو ایک نہایت دلچسپ واقعات ہیں جن سے اسکی طبیعت کی متانت، سنجیدگی اور مجرد بازی کا اظہار ہوتا ہے۔ کشور خاں کے اقتدار کا زمانہ تھا اور وہ ایسی حکومت کر رہا تھا جیسا کہ وہ خود بلو شاہ نے اتفاقاً ابراہیم کی والدہ کو کچھ جوہر کی ضرورت ہوئی کشور خاں نے میرے اور جوہر بھیجے تو یہی ممکن وہ ادنیٰ درجے کے تھے۔ اس پر بڑی بی صاحبہ (والدہ ابراہیم) بہت بگڑیں اور ان کی شاہانہ طبیعت یہ بہت ناگوار گذر کہ ایک متولی ریاست بادشاہ وقت کی والدہ کے لئے جو تحفہ بھیجے وہ اس قدر معمولی اور ادنیٰ درجے کا ہو۔ اس نے ذرا بھی شاہی ادب ملحوظ نہ رکھا۔ ان کے نزدیک اس کی اس حرکت سے شاہی خاندان کی تحقیر و تذلیل ہوتی تھی۔ شدہ شدہ ابراہیم کو اپنی والدہ کی رنجش کا حال معلوم ہوا اس نے جس نازک پیرایہ میں اپنی ماں کی تسلی و دجوئی کی ہے اس کا سبب فیل افغانا سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ سلطان بہ خدمت والدہ خوشی عرض پر داحت کہ قبلہ گاہا اگر سلطنت از ماست، ہرچہ است از ماست و اگر غیر از خود بود ایں را ہم باک خواہد گذاشت۔ چیرغاں ترغیا آند و میداؤں واقعی گفتگو ایک دس سالہ لڑکے کی زبانی حیرت انگیز ہے جس سے اس کی انتہائی دانشمندی کا

انہما رہتا ہے۔ متانت کا یہ عالم تھا کہ بہت کم گفتگو کرتا تھا اور جب اس کی کم سخن کے متعلق ایک بار استفسار کیا گیا تو جواب دیا کہ بادشاہوں کا وقار اور ان کی عظمت و شوکت کو قائم رکھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ متانت و سنجیدگی اختیار کریں۔ غرض ان واقعات سے اس کی طبیعت کی خصوصیات پر بہت کچھ روشنی پڑتی ہے۔ یہ واقعات خود اپنی جگہ کچھ ایسے زیادہ اہم نہیں لیکن ان کی اہمیت اس وجہ سے بڑھ جاتی ہے کہ ایک دس سالہ لڑکا ان متین و سنجیدہ خیالات کا حامل ہے جو شاید اس سے کہیں زیادہ بڑی عمر والے لوگوں میں انہیں پائے جاتے۔

ابراہیم کی تعلیم و تربیت اور اس کے کیرئیر پر بحث کرتے ہوئے دو ایک چیزوں کو خاص طور پر ملحوظ رکھنا چاہیے۔ سب سے پہلے تو یہ کہ وہ بہت کمسنی میں تخت نشین ہوا۔ ابراہم دس سال تک سلطنت کے کاروبار مختلف متولیان ریاست کے زیر نگرانی چلتے رہے۔ اس دس سالہ دور میں بادشاہ کمسن ہونے کے اعتبار سے بالکل پس پشت ہو جاتا ہے۔ معاملات سلطنت میں اس کا ذرا دخل نہیں، اس کے اختیارات اور اس کے اثرات بالکل صفر۔ پوری وہ سالہ تاریخ محض بیرونی حملوں اور اندرونی کشمکشوں سے پر نظر آتی ہے۔ متولیان ریاست کی آپس کی رقابتیں و دشمنیاں اور ان کی خود غرضیاں ریاست بیجا پور کو ایک زبردست انجمن میں ڈال دیتی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ تاریخوں میں اس کمسن بادشاہ سے متعلق واقعات کا پتہ بڑی مشکل سے کہیں کہیں ملتا ہے اور جو کچھ واقعات ملتے ہیں وہ متولیان ریاست کی کارگذاریوں، ان کا عروج و زوال، ان کی آپس کی کشمکش، ان کی خانہ جنگیاں اور کچھ بیرونی حملے ہیں۔ بادشاہ اس کی تعلیم و تربیت، اس کا کردار، اس کے مشاغل، اس کی پچھپیاں، اس کی سیاسی حیثیت اور مختلف متولیوں سے اس کے تعلقات پر بہت کم روشنی پڑتی ہے۔ اگر کہیں بادشاہ تھوڑا بہت منظر عام پر آتا ہے تو وہ دلاور خاں کی تولیت کا آخری زمانہ ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم ٹھیک طور پر اندازہ نہیں

کر سکتے کہ اس طویل دور میں ابراہیم کیا کرتا رہا اور اس کی تعلیم و تربیت کیسے ہوئی اور وہ اپنے گرد و پیش کے حالات سے کیسے متاثر ہو رہا تھا۔ یوں تو تھوڑے بہت حالات ملتے ہیں مگر وہ بھی جتنہ جتنہ تفصیلاً اس موضوع پر کہیں سوا وہ نہیں ملتا کیونکہ مورخ کی نگاہ تمام رستو لیان ریاست کی کارگزاریوں اور اُن کے حالات پر رہتی ہے اور وہ اس دور میں بادشاہ کو بالکل پس پشت کر دیتا ہے۔ جب صورت حال یہ ہو تو مجبوراً اس کی تعلیم و تربیت اور اس کے کردار کا اندازہ لگانے کے لئے سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ بادشاہ نے زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لینے کے بعد خود کو جس قسم کا انسان ثابت کیا اور اپنا جو بنا بنایا کیر کڑ بیکہ وہ تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوا اسی کی مدد سے اس کی اس دس سالہ زندگی اور کردار پر روشنی ڈالی جائے کیونکہ یہ تو مسلمہ ہے کہ خواہ یہ دس سالہ دور ملک اور بادشاہ کے لئے بحیثیت مجموعی مفید ثابت ہوا ہو یا مضر۔

ابہر حال ابراہیم کے کیر کڑ کی تشکیل کا دور ہے جو کچھ بھی ابراہیم حقیقی معنی میں بادشاہ ہونے کے بعد رہا اور جیسا کچھ بھی اس نے خود کو ثابت کیا ہے وہ اسی دس سالہ دور کے اثرات اور واقعات کا نتیجہ ہے کیونکہ اس کے صحیح مذاق کا نشوونما اس کے کیر کڑ کا ارتقاء اس کی طبیعت کے رجحانات و میلانات کی تشکیل وہ سب کچھ اُسی دور کے ممنون احسان ہیں اور ہونے چاہئیں۔ ان تہمدی سطور کے بعد پھر ہم ابراہیم کے کیر کڑ کے تدریجی ارتقاء کی طرف توجہ کرتے ہیں اور اس سلسلے میں اُن واقعات سے بھی مدد لی جائے گی جو اس دس سالہ دور سے باہر ہیں اور جو ابراہیم کی حقیقی بادشاہت کے کارنامے ہیں۔

کامل خاں کشور خاں اور افلاص خاں کے زمانہ ہائے حکومت کچھ ایسے زیادہ نہیں دو سال

۱۷۔ ملاحظہ ہو ہم عصر تاریخیں مثلاً تاریخ فرشتہ تحفۃ الملوک، بادشاہ کے حالات اور اس کے اوصاف اس کے کیر کڑ اور اس کے مشاغل کے متعلق اس وقت سے تفصیل دیجانے لگتی ہے جبکہ متولین کا دور دورہ ختم ہو جاتا ہے اور بادشاہ نفس نفیس مہمات ملکی انجام دینے لگتا ہے بچپن کے حالات بہت کم کھلتے ہیں۔

گذر جاتے ہیں۔ اس مختصر سے عرصے میں یہ تین متوطنیان ریاست کیے بعد دیگرے حاوی ہوئے گئے اور اپنی اپنی دجائی دن کی بادشاہت مناکر عملی سیاسیات کے منظر عام سے غائب ہو گئے۔ اس کے بعد دلاور خاں کی حکومت کا زمانہ آتا ہے اس نے کُل آٹھ سال بیجا پور پر حکمرانی کی۔ اس کے دور میں بادشاہ کی تعلیم و تربیت کی طرف خاص طور پر توجہ کی گئی۔ چونکہ دلاور خاں خود ایک عالم و فاضل آدمی تھا اس لئے اس کی توجہ اس طرف خاص طور پر مبذول رہی۔ اس نے نہ صرف بادشاہ کے تحصیل علم کا سامان کیا بلکہ مردانہ فنون اور کھیل کود کی طرف بھی ابراہیم کو راغب رکھا جو جسمانی حالت کو درست رکھنے کے لئے ضروری ہیں۔ اس نے اپنے دو بیٹوں کو بادشاہ کے استاد اور اتالیق مقرر کیا۔ ایک قرآن مجید اور دیگر عربی و فارسی کتابوں کی تعلیم دیتا تھا۔ دوسرا بادشاہ کے کھیل کود کے سامان کی فراہمی کا انتظام کرتا تھا اور چوگان بازی میں خود بادشاہ کا شریک رہتا۔ ان واقعات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دلاور خاں کے عہد میں بادشاہ کی دماغی اور جسمانی نشوونما کا خاص لحاظ رکھا گیا اگرچہ مزید معلومات اس سلسلے میں ہم نہیں پہنچے لیکن یہ اندازہ لگانا غلط نہ ہو گا کہ اس دور میں بادشاہ کی تربیت کی طرف اچھی توجہ کی گئی۔ اگرچہ یہ آٹھ سالہ دور اندرونی و بیرونی پریشانیوں سے پاک صاف نہ رہا لیکن پھر بھی دلاور خاں نے اپنی اس ذمہ داری جیسے چشم پوشی نہ کی جو بادشاہ کی تعلیم و تربیت سے متعلق اس پر عائد تھی۔ ان توجہات کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابراہیم میں ایک لطیف، سنجیدہ اور اعلیٰ مذاق پیدا ہو گیا تھا جبکہ یہ نفس نفیس اس نے مہات ملکی کی انجام دہی کی طرف توجہ کی۔

ابراہیم کو فنون لطیفہ سے خاص دلچسپی تھی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان لطیف فنون کے واسطے وہ ایک نہایت ہی موزوں اور نازک طبیعت قدرت کی طرف سے لیکر آیا تھا۔ فنون لطیفہ میں بالخصوص اس کو موسیقی سے بہت لگاؤ تھا۔ مختلف تواریخ سے واضح ہے کہ

۱۔ دلاور خاں کے کارناموں کا جہاں ذکر آیا اس پر کچھ مزید روشنی ڈالی جائیگی۔

وہ اس فن میں اپنے زمانے کا اُستاد تھا اور اکثر با کمال لوگ اس کے آگے زانوئے ادب ہتھ کر کے
 باعث فخر و مباہات سمجھتے تھے اس کو موسیقی پر اتنا زبردست عبور حاصل تھا کہ اس نے ایک
 کتاب جو ”نورس“ کے نام سے موسوم ہے خاص اس فن پر تصنیف کی ہے اور اس کتاب پر مشہور
 شاعر ظہوری نے اپنا وہ مشہور دیباچہ لکھا ہے جو آج فارسی نثر کا ایک بہترین شاہکار تصور کیا
 جاتا ہے۔ بادشاہ چونکہ اس فن کا والد و شیدا تھا اس کے دور میں موسیقی کو بڑی ترقی
 حاصل ہوئی اور ملک میں تین باقاعدہ موسیقی داں طبقے پیدا ہو گئے (۱) حضور (۲) درباری
 (۳) شہری حضور وہ لوگ تھے جن کو خاص بادشاہ سے شرف تلمذ حاصل رہا ہو۔ درباری
 حضور یوں سے اکتساب کرتے تھے۔ اس دوسرے طبقے کا فرض تھا۔ (طبقہ درباری کا) کہ عامہ
 نطائق میں اس فن کو ہر دلعزیز بنائے۔ اور جو بھی اس فن کے مشتاق و قدرداں ہوں ان کو
 اس لطیف فن کی تعلیم دیں (لیکن یہ واضح رہے کہ اس میں جبر کا پہلو قطعاً نہیں تھا اور نہ ہو سکتا
 تھا) بادشاہ نے بڑی فیاضی کے ساتھ علم موسیقی کی سرپرستی کی۔ ہر اہل کمال اور اہل فن کو سرکاری
 طور پر مالی امداد ملا کرتی تھی اور باقاعدہ تنخواہیں بھی مقرر تھیں۔

یہ تو پہلے ہی بتلادیا گیا ہے کہ بادشاہ اس فن کا زبردست ماہر تھا بیان کیا جاتا ہے کہ وہ
 فطرتاً نہایت خوش گلو اور خوش آواز تھا اس خدا داد آواز کے ساتھ اس کی محنت اور اس کے
 شوق نے اس کی موسیقی کی خوبیوں کو چار چاند لگا دیئے تھے۔ غرض وہ فن موسیقی کا والد و شیدا
 اس کا ماہر اور اس کا زبردست سرپرست تھا اور خوب دل کھول کر اس نے اس فن لطیف
 کی سرپرستی کی۔

توثیقت کے دور میں کہیں یہ ذکر نہیں آتا کہ بادشاہ کو اس فن کے سکھانے کا کوئی

۱۔ ”نورس“ ایک نایاب کتاب ہے جو ابراہیم سے منسوب کی جاتی ہے۔ ”بساتین

۲۔ ”بساتین السلطین“

خاص انتظام کیا گیا تھا لیکن چونکہ ابراہیم کے زمانہ حکومت ہاتھ میں لینے کے بعد اس کی راگ کی دیکھیوں اور اس کے موسیقی کے مشاغل کا ذکر آتا ہے اس لئے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس زمانے سے ہی وہ اس فن کا اکتساب کر رہا تھا اور کوئی تعجب نہیں کہ متولیان ریاست نے بادشاہ کو ہر وجہ میں مبتلا کر کے خود ہمیشہ حکومت پر قابض رہنے کی غرض سے ابراہیم کو ناچ، گانے کی طرف متوجہ کر دیا ہو۔ مگر بہر حال اس کا کوئی تاریخی ثبوت موجود نہیں کہ یہ دیکھی متولیوں کی پیدا کردہ ہے، لیکن یہ بھی صاف و صریح ہے کہ اسی زمانے سے ابراہیم اس فن کا اکتساب کر رہا تھا خواہ متولیان ریاست نے اس فن کو حاصل کرنے کی ترغیب دی ہو یا اس کو اس سے باز رکھنے کی کوشش کی ہو۔ اس لئے کہ یہ چیزیں ابتدا ہی سے حاصل کی جاتی ہیں۔ جب آواز پختہ ہو جائے تو اس میں کمال پیدا نہیں کیا جاسکتا۔ علاوہ موسیقی کے خطاطی، مصوری اور نقاشی میں بھی بادشاہ کو کامل مہارت حاصل تھی۔ اس کی خوشنویسی کے متعلق "بساتین" کے یہ الفاظ ہیں "اگرچہ درآں زمان خوشنویسان اقالیم جمع آمدہ بودند۔ ولے بادشاہ، بادشاہ قلمہا بود۔ مکتب و نسخ و نستعلیق را بہ آن درجہ حسن و منانت رسانیدہ بود کہ برخطوط خوش قلمان عصر قلم نسخ کشیدہ"۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ کیسا خوشنویس واقع ہوا تھا۔ اس کے ان فنون لطیفہ کی قابلیتوں سے جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اس کی نقاشی و مصوری کے کمال کا بھی کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔ ان فنون لطیفہ کی (جس کا خود وہ ایک زبردست ماہر تھا) اس نے خوب ہی فیاضی کے ساتھ سرپرستی کی مگر یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اس کی فیاضیاں اور سرپرستیاں محض رنگیلے پن کی حد تک ہی تھیں بلکہ وہ دیگر علوم و فنون کا بھی بڑا سرپرست تھا چنانچہ اس کا دربار علما و فضلا اور دیگر باکمال لوگوں کے وجود سے خالی نہ تھا۔ یہاں پر ان تمام کی تفصیلات دینا نہ تو ممکن ہے

اور نہ ضروری (کیونکہ اس باب میں ابراہیم کی قابلیتوں اور اس کے کیرئیر سے بحث کی گئی ہے۔ سرسری طور پر اس کی علمی سرپرستی کا ذکر کیا گیا ہے) صرف چند قابل قدر ہستیوں کے نام گنوائے پر اکتفا کر لیا جاتا ہے۔ مولانا ملک قلی، ملا نھوڑی، رفیع الدین شیرازی، محمد قاسم فرشتہ اور شاہنواز خاں جیسے باکمال لوگ اس کے دربار میں موجود تھے انھوں نے اس بادشاہ کی سرپرستی میں اپنی علمی، ادبی، تاریخی اور فنی خدمات سے ملک کو سیراب کیا نھوڑی جیسا کچھ بھی شاعر تھا اور شعراء میں جو کچھ بھی حیثیت اس کو حاصل ہے محتاج بیان نہیں۔ ملک قلی کا بھی شاعری میں کوئی معمولی درجہ نہیں محمد قاسم فرشتہ اور رفیع الدین شیرازی اس زمانے کے زبردست مورخ ہیں اور انھوں نے جو کچھ بھی تاریخی خدمات انجام دی ہیں وہ ہر حیثیت سے قابل قدر ہیں۔ شاہنواز خاں اس عہد کا ایک وزیر بادشاہ تھا۔ علاوہ اپنی مدبرانہ قابلیتوں کے وہ علوم و فنون کا بڑا مہربانی تھا چنانچہ محمد قاسم فرشتہ نے اپنی تاریخ کی تصنیف و تدوین میں اپنی اس مسنونیت کا اظہار کیا تھا جو اس کو اس شخص سے تھی۔ مزید یہ کہ اس کو تعمیر کاری سے خاص لگاؤ تھا چنانچہ ابراہیم کے عہد میں نورسپور جو بسایا گیا اور جو جلیاں اور بڑے بڑے مکانات بنائے گئے وہ اسی شخص کی دماغی کاوشوں کا نتیجہ تھے۔ ان نامور قابل اور فاضل لوگوں کی اس کے دربار میں موجودگی اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ وہ علم کا بڑا قدرواں تھا اور اس کی فیاضی نے دور دور کے علماء و فضلا کو اس کے دربار میں جمع کر رکھا تھا۔ یہ لوگ اپنی خاموش اور بیش بہا خدمتوں سے جیسا پور کو علمی دولت سے مالا مال کر رہے تھے۔

۱۔ نھوڑی نے اپنی کلیات میں ابراہیم عادل شاہ کی تعریف کے پُل باندھے ہیں۔ جگہ جگہ پر اسکے دیوان میں اس بادشاہ کی مدح سرا کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو (کلیات نھوڑی)۔

۲۔ شاہنواز خاں ابراہیم ثانی کا بادشاہ وزیر تھا۔ نورسپور کی تعمیر رسی کے ہاتھوں پر ہوئی تھی اس نے اپنا مکان اس انداز اور اس طرز کا بنایا تھا کہ لوگ دیکھ کر عجب عجب کرتے تھے جس سے اس کی تعمیر کاری کی قابلیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو بسا تین السلاطین۔

یہاں ان لایق اور فاضل ہستیوں کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ خود ان کی موجودگی اس کے
 کیرکڑ پر ایک نہایت ہی اچھی روشنی ڈالتی ہے۔ وہ یہ کہ ان لوگوں کی سرپرستی سے اس نے بیجا پور کی
 بالواسطہ بڑی زبردست خدمت انجام دی ان کی سرپرستی کرنے کے معنی یہ تھے کہ ملک میں
 علوم و فنون کی روشنی کو عام کیا جائے اور یہ فخر کچھ کم نہیں کہ ملک میں کوئی بادشاہ علم و فن کو یوں پھیلنے
 پھولنے کا موقع دے اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ علمی معاملات میں نہایت سنجیدہ اور اعلیٰ مذاق رکھتا
 تھا جو لوگ اس کے دربار میں تھے وہ یقیناً منتخب اور دنیا سے علم و ادب کا ان کو عطر سمجھنا چاہیے۔

مستولیان ریاست

باب سیم کامل خاں دکنی

کامل خاں دکنی | اس سے پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ جب امراء دولت نے افضل خاں کو بادشاہ کی کئی تکستولی بنانا چاہا تو اس نے صاف انکار کر دیا۔ کیونکہ اس کو یقین تھا کہ بادشاہ کی کم عمری کی وجہ سے ملک میں بیسیوں فتنہ و فساد اٹھ کھڑے ہوں گے اور ان سب کا تدارک اور سد باب کوئی آسان کام نہیں۔ ان وجوہات کی بناء پر اس نے مناسب سمجھا کہ معاملات ہی سے کنارہ کش ہو جائے۔ جب افضل خاں نے اس طرح انکار کر دیا تو اس امر کی ضرورت ہوئی کہ کسی دوسرے معتبر اور سربرآوردہ شخص کو ستولی سلطنت مقرر کیا جائے لہذا سب کی نظریں کامل خاں کی طرف اٹھنے لگیں۔ اس وقت کامل خاں ملک میں ایک نہایت ممتاز حیثیت رکھتا تھا۔ یہ وہی شخص ہے جس نے علی عادل شاہ کو تخت نشین ہونے میں بڑی مدد دی تھی۔ جب شہزادہ علی اپنے باپ کے حکم سے قلعہ مرح میں بعض شبہات کی بناء پر قید کر دیا گیا تو سکندر خاں قلعہ دار اور اس کے داماد کامل خاں دکنی کے (جو تحقیق طور پر شیعہ مذہب سے تعلق رکھتے تھے) حسن سلوک نے شہزادے کا دل موہ لیا اور وہ ان دونوں کے اچھے برتاؤ سے بہت خوش رہا۔ حتیٰ کہ جب ابراہیم قریب مرگ ہو گیا تو انھیں کی کوششوں سے

۱۔ ابراہیم (اول) سنی تھا مگر علی عادل شاہ بچپن ہی سے شیعیت کی طرف مائل تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک روز بادشاہ ایک مجلس میں یہ کہہ رہا تھا کہ خدا نے مجھے نیک و نیک عطا کی اور میں نے اپنے باپ و دادا کا مذہب ترک کر لیا اور حنفی مذہب اختیار کر لیا۔ اتفاق سے شہزادہ علی بھی حاضرین میں تھا نہایت شوخی اور میاکی سے جواب دیا کہ اگر از طریقہ پدر و جد گدشتن روشن محمود و طریق پسندیدہ است فرور شد کہ فرزندان آنحضرت چش گند۔ بادشاہ بہرہم ہو اور پوچھا تو جواب دے کہ چاہاں لائوں مذہب بادشاہ دارم بعد ازین خدائے سبحانہ و تعالیٰ عالم است۔ فرشتہ میں ۳۴ مقالہ سوم روز ۲۷ ص ۲۷ بستانین السلطین

اُمراء و اعیان دولت رفتہ رفتہ علی کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوئے لگے ان تمام کارروائیوں اور کوششوں میں کامل خفا پیش پیش تھا جو اس وقت محض ایک تھانہ دار کی حیثیت رکھتا تھا مگر چونکہ سکندر خاں قلعہ دارمرج کا داماد تھا اس کے اثرات اور اس کی حیثیت کم نہ تھی جب ان وفاداروں کی کوششوں سے علی عادل شاہ اپنے باپ ابراہیم کے انتقال پر خود بادشاہ ہو گیا تو وہ اپنے ان آڑے وقت کے ساتھیوں کو بھول نہیں بلکہ ان کے ساتھ نہایت اچھا سلوک کیا۔ اس سلسلے میں کامل خاں کو زمرہ اُمراء میں داخل کر لیا گیا اور مناسب وجاہت عطا ہوئے۔

لے قلعہ کلہر اس کو جاگیر میں دیا گیا تھا۔ بساتین ص ۱۴۳) اسی سلسلے میں مصنف بساتین المسلمین نے بحوالہ رفیع الدین شیرازی ایک واقعہ لکھا ہے جس سے ایک طرف کامل خاں کے کیکڑ پر روشنی پڑتی ہے تو دوسری طرف علی عادل شاہ کے قتل کے متعلق جو روایتیں اختلاف ہے اس کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ وہ واقعہ حسب پیش کیا جاتا ہے۔ رفیع الدین شیرازی می گوید شہوچین شہد کہ قتل علی عادل شاہ بدشاہ کامل خاں بود بسبب آنچنین بود کہ چون کامل خاں بر منصب کا ملکی قرار گرفت تہ و تکریم بسیار ہم رسانید خود را فی زبیر کار فرمود سیدی بود از سالکان قلعہ کلہر کہ بہ جاگیر کامل خاں مقرر گشتہ متعلقانش بنا بر عرض خود آن سید را معاذرہ کردہ در پانچ گز کشیدہ در محبس داشتند شکایت اس ظلم کر رہے سمع عادل شاہ رسید بود۔ عادل شاہ چہار نوبت بہ کامل خاں فرمود کہ ایڈائے سادات جائز نیست اورا بگذارید۔ یہ سمع قبول نیا و ردہ بر امر سلطانی عمل نہ کرو بہ تعلیل گز زانید۔ تا عادل شاہ روز بہ بجائے ہی رفت و کامل خاں نیز ہمراہ بود۔ ناگاہ پدر پیراں سید محبوب آنجا خود را رسانیدہ فریاد کرد کہ عالم پناہا کامل خاں غلام غلام پر بار کردہ فرزند را از مدت مدید در محبس داشتہ۔ عادل شاہ بہ مجروح شنیدن نالہ پیہ پیہ از جہارت و غضب ہم پیش آوردیک لکدہ بنوری بہ دے حوالہ کرد چنان کہ کامل خاں بر رفیع الدین شیرازی کہ پس پشت او بود بیفتاد۔ باز بادشاہ اگرچہ تدارکات آن بوزنشہ متوجہ نمود و منصب او بحال گذاشت اما وی کہ آن کینہ در دل پرکین ذخیرہ داشت تا بد وقت فرصت بدشاہ قتل بادشاہ نمود۔ اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو علی عادل شاہ کا حقیقی قاتل کامل خاں ٹھہرتا ہے۔ ابراہیم زبیری تو فرشتہ کے بیان کردہ قصہ فوجیوں کے ہاتھ والا قصہ کو غلط سمجھتا ہے اور رفیع الدین کے بیان کو تسلیم کرتے قتل کی اصل وجہ یہی بتلاتا ہے۔ یہاں قتل کی مختلف روایتوں پر تفصیلی بحث ممکن نہیں اور نہ ضروری محض کامل خاں کے کیکڑ پر روشنی ڈالنے کے لئے یہ چیز بیان کی گئی۔

اس طرح وہ علی عادل شاہ کے زمانے میں برابر ترقی کرتا رہا اور اپنا رسوخ بہت بڑھالیا حتیٰ کہ بادشاہ کے انتقال کے وقت وہ سلطنت بیجا پور کے امراء کبار میں شمار ہونے لگا۔ اس اعتبار سے یہ طے پایا کہ کامل خاں کو اپنی ہی کو اب متولی سلطنت مقرر کیا جائے چنانچہ فرشتہ اس کی اس غیر معمولی ترقی کے متعلق یوں رقمطراز ہے ”کامل خاں کو اپنی کداز امراء کباروں دولت خانہ بودچناں کے گذشتہ در قلعہ مرج نسبت بہ شاہ غفران پناہ علی عادل شاہ غایت اقل اس ساختہ از مہمان امور سلطنت گردیدہ بود۔ دریں وقت برہمات امور ملکی و مالی متولی گشتہ متعلقان معتمد خود رادرجالی و خوشی بادشاہ بہ جہت خدمت محافظت بازداشت لے“ غرض جوں ہی کامل خاں اس اہم خدمت پر فائز ہوا اپنے آپ کو زیادہ مستحکم و مقتدر بنانے کی فکر میں رہنے لگا اور اس کے لئے یہ ترکیب نکالی کہ حکومت کے تمام بڑے بڑے عہدوں اور مناصب پر اپنے متعلقین اور معتمدین کو مقرر کیا جائے چنانچہ خاص قلعہ بیجا پور کی قلعہ داری پر اپنے ایک خاص معتمد کو فائز کر دیا تاکہ وہ براہ راست اس کے ماتحت رہے اور بلا چون و چرا اس کے احکام کی تعمیل کرے اور اس کے ساتھ ساتھ اس نے اپنے اقتدار کی توسیع کی غرض سے جاو بیجا حرنیں بھی شروع کر دیں اس پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ خزانہ عامرہ پر بھی قابض ہو گیا متولی ہونے کی حیثیت سے خزانہ اس کے ماتحت تو تھا ہی مگر اس نے یہاں ایسے انتظامات کرنے شروع کر دیے جس سے کہ لوگوں کے دلوں میں اس کے ارادوں کی نسبت شبہ پیدا ہونے لگا۔ بیش قیمت زرد جواہرات کو جو خزانے میں بھرے پڑے تھے بعض مند و قوں میں سے نکال کر دوسرے مند و قوں میں رکھ لیا۔ جب رفیع الدین شیرازی نے جو اس زمانے میں حوالداری خزانہ کے عہدے پر مامور تھا اور جس کی تاریخ خفۃ الملوک اس زمانے کی بہترین ہم عصر تاریخ ہے جس سے اس مقالے کے سلسلے میں بہت کچھ استفادہ کیا گیا ہے ان جواہرات کی فہرست تیار کرنی چاہی تو اسے اس کام سے روک دیا اس سے غالباً اس کا یہی ارادہ تھا کہ ان بیش بہا اشیاء پر خود قابض و متصرف ہو جائے پھر اس پر

مزید طرہ یہ ہو کہ اس نے حرم شاہی کی عورتوں کی تنخواہیں بند کر دیں اور خزانہ دار کو حکم دیا کہ مہنی تنخواہ یا بغور تیس ہوں ان کی ایک فہرست تیار کیجائے اور اس کے حضور میں پیش ہو کہ اجرائی تنخواہ کی منظوری دے اپنی اس کارروائی کو یہاں تک پھیلایا کہ وہ حرم میں جا کر تنخواہیں تقسیم کرنا مکمل کی بیس عورتوں کو مکمل سے نکال دیا اور ان کے رہنے کے لئے دوسری جگہ تجویز کر دی گو یہ حرکتیں بظاہر معمولی تھیں مگر ان کے اثرات اور ان کے نتائج اس کے حق میں بہت مضر ثابت ہوئے۔

شاہی محل میں کامل خاں کے خلاف بہت کچھ احتجاج کیا گیا اور ہر ایک کو اس کی جانب سے نفرت پیدا ہو گئی۔ اور حقیقت بھی یہ ہے کہ کامل خاں کی یہ حرکتیں ایسی نہ تھیں کہ جن سے درگزر کیا جاتا یا جن سے اس کی بدینتی اور فاسد خیالی ظاہر ہوتی ہو! ان انتظامات سے غالباً اس کا مقصد یہ تھا کہ سب کو براہ راست اپنے ماتحت کر کے اپنے اقتدار میں اضافہ کرے اور ملک میں کوئی شخص ایسا نہ ہو جسکی مخالفت کر سکے اور خود تمام سیاہ و سفید کا مالک ہو جائے! براہیم کی طفولیت کی حد تک تو اسکو بحیثیت متولی کے اختیارات کئی حاصل رہیں گے مگر اس وقت کے لئے پیش بندی ضروری تھی جبکہ ابراہیم معاملات سلطنت اپنے ہاتھ میں لینے کے قابل ہو جائے مطلب یہ تھا کہ اسے پہلے ہی سے بیدست و پاکر دیا جائے کہ وہ اس کے ہاتھ میں محض ایک کٹھ پتلی کی حیثیت سے رہے اور خود اس کا اقتدار حسب حال رہے اور معاملات ملکی پر اس وقت بھی اُسی طرح اس کا قبضہ رہے جیسا کہ بادشاہ کی کسبی میں اس کو حاصل تھا! اس کے لئے ضرورت اس امر کی تھی کہ ملک ان تمام بھی خواہان ریاست سے صاف کر دیا جائے جو اس کے مقابلے میں بادشاہ کی حمایت پر کسی وقت بھی تیار ہو سکتے ہیں غرض کامل خاں کی ان کارروائیوں پر جب نظر ڈالی جاتی ہے تو سوائے اس کے اور کوئی نتیجہ اخذ نہیں کیا جاسکتا کہ حکومت کا اس کو ایسا چسکا لگا تھا کہ اس سے جدا ہونا اُسے سخت ناگوار معلوم ہو رہا تھا اور محض اپنی اس حکومت کو برقرار رکھنے کے لئے اور اس کو مزید استحکام بخشنے کی غرض سے اس نے یہ طرز عمل اختیار کیا تھا اگرچہ ہم کو کہیں صاف طور پر اس کا ذکر نہیں ملتا کہ اس نے تاج و تخت ہی کے معقم کرنے کا ارادہ کیا ہو مگر پھر بھی اس کی ان کارروائیوں سے شبہ

ہوتا ہے کہ اس کے ارادے نیک نہ تھے۔ وہ صرف اپنا راستہ صاف کر رہا تھا اور ایسے انتظامات میں مشغول تھا جن سے کہ اس کی طاقت روز افزوں ہونے کی توقع تھی اگر وہ اپنے آپ کو پورے طور پر مقتدر کر لینے میں کامیاب ہو جاتا تو عادل شاہی خاندان کو اس کی جانب سے سخت خطرہ تھا۔

اس زمانے میں مقتدر روز راو و امرا کا تخت و تاج حاصل کر لینا کوئی نئی بات نہ تھی چنانچہ اسماعیل عادل شاہ کی کم عمری میں کمال خاں نے اسی قسم کی کوشش کی تھی گو وہ ناکام رہا مگر اس کی مثال تو کمال خاں دکنی کے سامنے موجود تھی پھر کوئی وجہ نہیں کہ کمال خاں رفتہ رفتہ اپنے آپ کو مقتدر کر کے سلطنت کا مالک نہ بن جائے! اگر ہم یہ بھی مان لیں کہ کمال خاں کے ارادے سلطنت دبا لینے کے نہ تھے تو کم از کم یہ تو صاف ظاہر ہے کہ وہ اپنے تئیں اتنا با اقتدار بنالینا چاہتا تھا کہ براہیم کے سن شعور کو پہنچنے کے بعد اسے با سانی اس کی حاصل کردہ قوت سے علمدہ نہ کر سکے کمال خاں کے غالباً بلکہ یقیناً ہی اغراض تھے در نہ ان انوکھے انتظامات اور کارروائیوں کا کوئی تو نصب العین تھا اور کچھ تو غرض و غایت تھی جس کے لئے یہ کارستانیاں ہو رہی تھیں۔ بہر حال کمال خاں کے خواہ کچھ ہی ارادے کیوں نہ ہوں مگر زیادہ عرصے تک وہ اپنے منصوبوں کو پورا کرنے میں مصروف نہ رہ سکا کیونکہ اس کے غرور اس کی سختیوں اور امر کے ساتھ اس کے برے سلوک نے بہت جلد ملک میں افسے بدنام کر دیا۔ اکثر امرا و اعیان اس کے خلاف ہو گئے اور اس کی بڑھتی ہوئی طاقت کو مشتبہ نگاہوں سے دیکھنے لگے اور محض موقع کے متلاشی تھے کہ اس کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیں۔ یہ موقع بھی بہت جلد انھیں ہاتھ آیا۔ کمال خاں نے اپنی انتہائی نا عاقبت اندیشی سے چاند بی بی کو اپنا دشمن بنالیا جو اس وقت ملک میں ممتاز ترین حیثیت رکھتی تھی اور غیر معمولی طور پر ہر دلعزیز تھی اس کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرنے لگا اور اس کی شان میں کچھ گستاخیاں بھی کیں چنانچہ فرشتہ لکھتا ہے کہ کمال خاں از احتشام شراب استقلال دو روزہ بخود و مغرور گشتہ بنست چاند بی بی در مقام بے ادبی شدہ و آن عقیفہ دوران و معصومہ زماں آتش غضب و انتقام برافروختہ در مدد بتیغ دے گردید۔ جب صورت حال یہ پیدا ہو گئی تو کمال خاں کا اور سلطنت پر زیادہ

عرصے تک حاوی رہنما شکل ہو گیا جو ہی چاند بی بی نے اُمرا کو اشارہ کیا سب کے سب کامل خاں کے مخالف اور اس کی بربادی کے درپے ہو گئے۔ سب سے پہلے چاند بی بی نے حاجی کشور خاں کو اپنی مدد پر طلب کیا۔ یہ شخص کمال خاں کا بیٹا تھا اور ممتاز ترین اُمرا میں شمار ہوتا تھا۔ چاند بی بی نے اسے خفیہ طور پر کہلا بھیجا کہ کمال خاں وکیل السلطنت "نمکرامی پرا مادہ" ہے اس کی سخت گیر یوں اور گستاخیوں سے میں تنگ آگئی ہوں۔ میری خواہش یہ ہے کہ اس کو اس عہدے سے الگ کر کے تجھے فائز کروں۔ لہذا اگر کچھ ہمت مردانہ رکھتا ہے تو کمال خاں کی نمکرامیوں اور بد عنوانیوں سے ملک کو نجات دے ورنہ بہتر یہ ہے کہ زمانہ لباس پہنکر چرخہ اوپونی لیکر خانہ نشین ہو جاؤ۔

کشور خاں کو جب یہ پیام پہنچا تو اس کو خوشی بھی ہوئی اور کچھ شرم بھی آئی اور اس نے فوراً ہتھیار لگ کر کمال خاں کو نائب السلطنتی کے عہدے سے برطرف کر دے، چنانچہ اس نے اپنے ارد گرد چند بھائیوں کو جمع کر لیا جو ہر معاملے میں اس کا ساتھ دینے کو تیار تھے اس خفیہ سازش کی خبر کمال خاں کو بھی پہنچ گئی مگر اس کی آنکھوں پر غفلت کے پردے پڑے ہوئے تھے اور اس کی بربادی کے دن قریب آچکے تھے کہ باوجود اطلاع ہونے کے نہ اس نے اس سازش کے تدارک کے لئے ہی کچھ انتظام کیا اور نہ ہی اپنے طرز عمل میں کسی قسم کی تبدیلی کی۔ اس کا غرور اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ وہ دعویٰ کرنے لگا کہ "سازشی میرا کیا بگاڑ سینگے۔ سلطنت میری ہے اور میں سلطنت کا وارث ہوں وغیرہ۔"

۱۔ بسا تین السلاطین۔

۲۔ بسا تین کے اس کے متعلق یہ افواہیں بچاند بی بی لباس زنانہ و چیمہ چریز پیش حاجی کشور خاں سپہ کمال کشور خاں بزرگ نژادوں سے چنانچہ اسکی تفصیل تاریخ میں یوں درج ہے۔ باوجودیکہ اخبار گوش کمالی رسد اہلاد اپنے اصلاح نیامد بلکہ باز پیر نیال کرد و باجرمان خوش گفت ببنید کہ مردم چہ سان و بنال گرفتہ مرا می ترسانند و خیال کنند کہ من از بس افسانہ ترسان شوم و دست الزکار بردارم این چہ معنی دار و کتمان سان کہ از زل اقوم برائے میراث سرو جان فدا می سازند من چہ گو نہ از بس کار و گدوم و مضائقہ کنم کہ وارث سلطنت منم و این سلطنت میراث من است از بس قسم ہائیں و لیا ت بسیار گفتی بسا تین السلاطین

کامل خاں ان خرافات میں مبتلا تھا کہ کشور خاں نے اس عرصے میں اپنی تدابیر کو عملی جامہ پہنا کر چار سو مسلح سواروں کے ساتھ قلعہ پر آدھکما۔ اس وقت کامل خاں کار و بار سلطنت میں مشغول تھا اور سب محل میں اجلاس کر رہا تھا۔ کشور خاں نے آتے ہی پہلے قلعہ دار کو گرفتار کیا۔ قلعہ کے دروازے بند کر دیئے اور پھر متوئی سلطنت کی تلاش میں سب محل کا رخ کیا۔ اسی اثناء میں کامل خاں کو معلوم ہو گیا کہ کشور خاں اس کی گرفتاری کے لئے چار سو سواروں کے ساتھ قلعہ میں داخل ہو گیا ہے۔ اس نے فوراً حرم سرکا رخ کیا کہ وہاں جا کر پناہ لے اور چاند بی بی سے مدد کی درخواست کرے مگر راستے میں کسی جواب دہ نہ ملنے اسے آگاہ کیا کہ یہ ساری آگ چاند بی بی کی لگائی ہوئی ہے اور وہ تیرے خون کی پیاسی ہے۔ اس کے پاس جانا موت کے منہ میں جانا ہے۔ یہ خبر سننے ہی وہ ہراساں و پریشان قلعہ کی دیوار پھانڈ کر خندق میں کود پڑا جو پانی سے لبریز تھی۔ بدقت تمام وہاں سے پیر کر کنارے پر پہنچا ابھی اس کی زندگی کے چند گھنٹے باقی تھے راستے میں کسی نے اسے پہچانا نہیں وہ چھپتا، چھپتا شہر کے دروازہ امام تک پہنچ گیا۔ مگر بد قسمتی سے دروازہ بند تھا اب باہر جانے کا کوئی راستہ نہ تھا۔ اگر دیوار کا پھانڈنا آسان کام نہیں تھا بڑی مشکلوں سے دیوار پر چڑھ گیا اور وہاں سے اپنی دستار کر بند اور شال سے رستی کا کام لیکر اس کو دیوار کے ایک کنگرہ سے مضبوط باندھ دیا اور اس کے ذریعے نیچے اتر پڑا۔ غرض وہ ان مشکلوں سے اپنی جان بچا کر فی الحال کشور خاں کے سپاہیوں کے نزع سے نکل تو گیا مگر اس کی زندگی کے دن ختم ہو چکے تھے گھر پہنچ کر سات آٹھ سپاہیوں کیساتھ احمد نگر کو فرار ہو رہا تھا اور ابھی چار میل طے کرنے نہ پایا تھا کہ گرفتار ہو گیا اور وہیں اس کو قتل کر دیا گیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے لڑتے ہوئے بہادری سے جان دے دی اس طرح کامل خاں کا زمانہ حکومت اس کی سخت گہریوں اور بد عنوانیوں کی وجہ سے بہت جلد ختم ہو گیا۔ مشکل سے دو مہینے دس روز اس نے حکومت کی ہوگی کہ موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

کامل خاں کا کیرکٹر [کامل خاں کے جو حالات اوپر دئے گئے ہیں ان کے مطالعے سے اس کے کیرکٹر کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ اس نے محض ایک تھانہ دار کی حیثیت سے ترقی کی اس کی ذاتی کوششوں اور

اور محنتوں کی مرہون منت ہے۔ علی عادل شاہ کو اس نے اور اس کے خسر نے بادشاہ ہونے میں کیا مدد دی کہ ان کی قسمت جاگ اٹھی۔ یوں بھی کامل خاں کا خسر مرج کا قلعہ دار ہونے کے اعتبار سے خاصا رسوخ رکھتا تھا اس زمانے میں قلعہ داری کا عہدہ نہایت اہم تصور کیا جاتا تھا قلعہ دار کے ماتحت، قلعہ کی حفاظت کے لئے ہمیشہ تھوڑی بہت فوج رہتی تھی اور وہ قلعہ کی حفاظت کا ذمہ دار تصور کیا جاتا تھا کامل خاں کی خوش قسمتی تھی کہ قدرت نے اسے ایک ایسا موقع عطا کر دیا کہ جس سے فائدہ اٹھا کر اس نے ترقی کی بینی علی عادل شاہ کا زبانتہزادگی میں قید کیا جانا اور وہاں (قلعہ مرج) میں کامل خاں کی موجودگی اس کی اور اس کے خسر کی کوششوں سے علی عادل شاہ کا بادشاہ ہونا یہ ایسی چیزیں تھیں کہ بادشاہ کو اپنے محسن کا بڑا خیال ہو گیا چنانچہ اسی بنا پر اسے اس قدر جلد ترقی عطا کی گئی اور زمرہ امراء میں شامل کر لیا گیا۔ جاگیریں دی گئیں، مناصب عطا ہوئے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ جوں جوں وہ ترقی کرتا گیا اسی اعتبار سے اس میں خشونت و رعونت پیدا ہوتی گئی وہ اپنے ماتحتین کے ساتھ نہایت سخت اور برابرتاؤ کرتا تھا اور اس کی خصوصیت یہ تھی کہ کم لوگوں کو خوش کرتا اور زیادہ سے بڑھکھتا اور ان کو اپنا دشمن بنا لیتا تھا یہی خصوصیات دراصل اس کے زوال کا باعث ہوئیں۔ اپنی جاگیریں بے وجہ ایک سید زادہ کو محبوس کر دینا اور اس کے خاندان پر ظلم و ستم کرنا جس کا ذکر اس سے پہلے کیا گیا ہے، اس کی بد مزاجی و ستم رانی کی دلیل ہے اگر رفیع الدین شیرازی کے بیان کردہ واقعہ کو صحیح تسلیم کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ سخت کینہ پرور بھی تھا اور اپنے باہ شاہ اپنے آقا اور اپنے محسن کا قاتل ٹھہرتا ہے۔ متولی سلطنت ہو جانے کے بعد سے اسکی بد مزاجیوں اور سخت گیریوں میں اور اضافہ ہوتا گیا۔ تمام اعیان و ارکان دولت میں وہ ہر دلعزیز نہ تھا اگرچہ اس کے حوصلے بڑے اور مادے اونچے تھے جن کو عملی جامہ پہنانے میں وہ سخت ناکام رہا۔ اس کی بعض کارروائیوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں سیاست دانی اور تدبیر کا مادہ کم تھا معاملہ فہمی اور موقع شناسی کی خصوصیات ایسے شخص میں قطعاً ضروری ہیں جس کے ہاتھ میں

نظم و نسق سلطنت ہو۔ اور یہ خصوصیات کامل خاں میں مفقود تھیں اس کا بدیہی ثبوت یہ ہے کہ جس وقت اس کو یہ خبر لگی کہ کشور خاں اُس کے مقابلے کے لئے تیار ہو رہا ہے تو بجائے اسکے کہ اُس کی سازش اور اُس کی کوشش کا ابتدائی منازل میں خاتمہ کر دیا جاتا اس نے اپنے دشمن کو اتنا موقع دیدیا کہ وہ اپنے آپ کو مستحکم کر لیں۔ علاوہ ازیں کوئی ہشیار اور باندیر وزیر اس ابتدائی زمانے میں جبکہ اس کے پیرچھی طرح جم نہ سکے ہوں، ایک ہر دلعزیز اور باوقار ملکہ سے بگاڑا اور دشمنی پیدا نہیں کر لیتا مگر کامل خاں کی یہ سراسر حماقت اور انتہائی ناعاقبت اندیشی تھی کہ اس نے چاند بنی بی صبی حیثیت والی ملکہ کو اپنا دشمن بنا لیا قبل اس کے کہ اس کے مقابلے کی تاب اُس میں پیدا ہو جائے۔ غرض بحیثیت مجموعی کامل خاں کے کیرکڑے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ حکومت کا شوقین، دولت کا لالچی، تدبیر سے عاری، موقع شناسی اور معاملہ فہمی کے نازک اصولوں سے ناواقف تھا مگر ان کمزوریوں کے مقابلے میں اُس میں بہادری اور حوصلہ مندی کے جذبات کی کمی نہ تھی۔ گو سخت گیر یوں اور ناعاقبت اندیشیوں کی وجہ سے اس کا کام بگڑ گیا مگر بہادری، حوصلہ مندی اور دیگر ایسی خصوصیات میں وہ اپنے زمانے کے کسی آدمی سے شاید ہی کم ہوگا۔ دراصل بلند حوصلوں اور ذاتی بہادری نے ہی اُسے اُس رتبہ تک پہنچا یا مگر ناعاقبت اندیشی، خستہ نیت، رعونت اور بددماغی نے اُسکی مٹی برباد کی۔

متولیان ریاست

باب چہارم کشور خاں

کشور خاں کا عروج | حاجی کشور خاں کمال کشور خاں کا بیٹا تھا کمال کشور خاں نے علی عادل شاہ کے زمانے میں بڑے کارہائے نمایاں کئے تھے۔ اسی کے صلہ میں بادشاہ نے اسے اسد خاں لاری کے منصب اور قلم سے سرفراز کیا تھا۔ اور اس کی ہر طرح حوصلہ افزائی کی تھی اس طرح سے وہ علی مرتبت اور بلند پایہ اُمراء سلطنت میں شمار ہونے لگا تھا مگر علی عادل شاہ کے زمانے میں ہی مرنغی نظام شاہ کے مقابلے میں قلعہ دہارور میں مارا گیا۔ اب براہیم عادل شاہ ثانی کے زمانے میں اس کے بیٹے حاجی کشور خاں کو عروج نصیب ہوا کیونکہ چاند بی بی نے کامل خاں کو منصب وکیل السلطنت سے عہدہ کرنے کے لئے اس کو اپنی مدد پر طلب کیا تھا۔ اور وہ کامل خاں کو کمال باہر کرنے میں کامیاب بھی ہوا۔

منصب وکالت کے | جب کامل خاں قتل ہو گیا تو منصب وکالت کے بارے میں جھگڑے پیدا ہو گئے۔ اسلئے کہ اس وقت اس مختلف دعویدار منصب کے چار پانچ دعویدار تھے۔ سب سے پہلا دعویدار تو کشور خاں ہی تھا اور بالخصوص اس وجہ سے کہ اسی کی کوششوں سے کامل خاں دکنی کا خاتمہ ہوا تھا اور خود چاند بی بی نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ کامل خاں دکنی کو منصب پیشوائی سے (عموماً بیجا پور میں پیشوائی) اور وکیل السلطنت کے عہدے مترادف سمجھے جاتے تھے یا بالفاظ دیگر ایک ہی عہدے کے یہ دو مختلف نام تھے) معزول کرنے میں کامیاب ہو جائے گا تو اسے خود اس اعلیٰ منصب پر فائز کر دیا جائے گا۔ چنانچہ جو الفاظ چاند بی بی نے اسے کہلا سچولے تھے وہ یہ تھے کامل خاں لایق منصب وکیل القدر وکالت نیست۔

لے۔ کشور خاں ابن کمال کشور خاں بساتین اسلاطین۔

لے۔ یہ وہ اسد خاں لاری ہے جس کی کن میں ایک خاص شخصیت تھی اور براہیم دل کے دور کا ایک بلند پایہ امیر تھا۔

اس میراث پدریت۔ بتو رجوع نمودم برآں متصرف شو۔

چاندنی بی کے ان وعدوں سے کشور خاں کی ہمتیں بڑھ گئیں تھیں۔ اور اس نے اسی امید پر سرگرمی دکھائی تھی کہ وہ کامل خاں کے بعد پیشوائے سلطنت مقرر کیا جائیگا مگر جب یکبارگی کامل خاں نکال دیا گیا اور اس کا قتل عمل میں آیا تو اس عہدے کے لئے نئے دعویدار پیدا ہو گئے۔ اور لطف یہ کہ ان کے ان دعوں سے انغماض اور لاپرواہی اس لئے برتی نہیں جاسکتی تھی کہ وہ طاقتور اور جلیل القدر امراء دولت عادل شاہیہ سے تھے۔ ان کے نام حسب ذیل میں (۱) تفتی خاں آنجو۔ (۲) شاہ قاسم جو تفتی کا بہائی تھا۔ (۳) غالب خاں سرفوت۔ (۴) اور معتبر خاں ان چار پانچ دعویداروں میں رات بھر خوب بحثا بحثی رہی لیکن کچھ نتیجہ نہ نکلا تمام امراء اور اعیان دولت بھی اس میں شاکہ میں شریک تھے۔ ان چار پانچ دعویداروں میں ایسی معاصر جنگیں رقتیں اور دشمنیاں تھیں کہ کچھ بنائے نہیں بن پڑتا تھا۔ اور اس کا تصفیہ نہیں ہو سکتا تھا کہ کس شخص کو کس عہدے اور کس منصب پر فائز کیا جائے۔ غرض ان کچھ بحثوں میں چار پانچ روز گزر گئے مگر ہنوز روز اول کا مضمون تھا کوئی اطمینان بخش تصفیہ کی امید ہی نہ تھی حتیٰ کہ ان میں آپس میں کشت و خون کی فوج پھیلی۔ افضل خاں جو اک نہایت ہی دانا اور ہشیار آدمی تھا اور ان تمام جھگڑوں سے خود کو علیحدہ رکھا تھا مگر بیٹھے سب کی خبر رکھتا تھا جب کشور خاں نے دیکھا کہ معاملات دن بدن ابتری ہوتے جا رہے ہیں اور ان کے سلجھاوے کی کوئی امید نہیں تو خفیہ طور پر اک اندھیری رات افضل خاں کے گھر پہنچا اور التماس کیا کہ میں تربیت یافتہ و لطف پروردہ عالم جناب ہوں۔ مجھے آپ کی شاگردی کا بھی فخر حاصل رہا ہے۔ اور اس وقت میرا بنانا یا کام بگڑا جا رہا ہے۔ آپ ایسے وقت میں میری مدد فرمائیں۔ اور کچھ استادانہ شفقت سے کام لیں کیونکہ اس وقت میرے دوست بھی دشمن ہو چلے ہیں اور میرے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں آپ کے اعزازات اور اثرات ایسے ہیں کہ آپ کی مدد سے میرا کام بن سکتا ہے۔ جب افضل خاں نے ان تمام گزارشات کے

لے۔ فرشتہ و بساتین المسلمین۔ الفاظ بساتین المسلمین کے میں۔

باوجود بھی کوئی توجہ نہیں کی تو کشور خاں نے کہا کہ آپ اس ریاست ابد مدت کے نگینہ قدیم ہیں اور ریاست کے لئے یہ وقت نہایت نازک ہے، کئی مارہائے استین موجود ہیں جو سلطنت کی کشتی ہی اُلت دینا چاہتے ہیں اگر وقت بھی کنہ رکھشی کی جائے تو انتہائی ننگر می ہوگی۔ غرض بڑی دیر سمجھانے کے بعد فضل خاں راضی ہو گیا اور کشور خاں کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا۔ جب دوسرے دن پھر مجلس مشورت منعقد ہوئی تو غالب خاں نے (جو کشور خاں سے مل گیا تھا) تفضی خاں، آنجو اور اس کے بہائی شاہ میہ قاسم کو مجلس سے اٹھا کر ایک طرف کو لے گیا جیسے کوئی راز کی بات کہنی ہو۔ دراصل یہ سازش تھی جو کشور خانیوں نے آپس میں کر لی تھی اور جس کا مقصد یہ تھا کہ مخالفوں کو دھوکہ میں لا کر کسی طرح قید کر لیں اس وقت مخالف فریق کے رہبر تفضی خاں، آنجو اور شاہ قاسم تھے۔ اسی غرض سے غالب خاں نے اپنی سکھائی پڑھائی تدبیر پر عمل کر کے عین مجلس میں یہ طرز عمل اختیار کیا۔ یہ دونوں خالی الذہن تھے اس کے دھوکہ میں آگئے اُن کے ساتھ ہوئے وہاں تو پہلے ہی سے انتظام تھا جیسے ہی ان دونوں نے اس مقام سے قدم باہر رکھا جہاں پر کہ مجلس مشورت منعقد ہو رہی تھی وہ قید کر لئے گئے۔ دہتین دن کے بعد ان کو پابندی کر کے قلعہ روانہ کر دیا گیا جب ان دو زبردست دشمنوں پر قابو پایا گیا تو پھر میدان صاف تھا۔ معتبر خاں اور اس کے بیٹوں کو جلا وطن کر دیا گیا۔ یہ جو یہاں سے فرار ہوا ہے تو پھر اکبر بادشاہ کے ہاں پہنچ کر ہی اس نے پناہ لی اس طریقے سے اس سازش کی بدولت کشور خاں کے مخالفوں کا قلع قمع ہو گیا۔ اور وہ نہایت اطمینان کے ساتھ بیٹھوئی کے عہدے کو اپنے قبضے میں کر کے معاملات ملکی کی طرف متوجہ ہوا۔ چاند بی بی نے بھی اس کی بیٹیوں کو تسلیم کر لیا۔

سازش | منصب و کالت کے بارے میں جو بحث طول کھینچی اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ ان امراء کے خیالات میں سخت اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ مخالف گروہ یہ چاہتا تھا کہ سرے سے نئے انتظام عمل میں آئیں۔ یہ ایک قسم کی سازش تھی جو سکسن بادشاہ برہیم کے خلاف کی جا رہی تھی۔ اس خفیہ سازش کا علم کشور خاں کو ہو گیا تھا اور اس سازش کے مدد و معاون وہی لوگ تھے جن کا اوپر ذکر کیا گیا یعنی تفضی خاں، آنجو، شاہ معتبر خاں وغیرہ۔ ان لوگوں کی خواہش تھی کہ برہیم و اس کی والدہ کو مکہ معظمہ روانہ کر دیا جائے اور برہیم کو معزول کر کے اس کی جگہ پر پسر میان علی جو سنبھیل عادل خاں کا برادر زاوہ تھا تخت نشین کر دیں اور ان ہوا خواہان دولت کو

جو ابراہیم کے ساتھ وابستہ ہیں یا تو ان کو مقتید کیا جائے یا قتل کر دیا جائے چنانچہ ان کا ارادہ تھا کہ شاہ فتح اللہ کو جن کی اس زمانے میں ایک غیر معمولی شخصیت تھی (قلعہ میں محبوس کر دیا جائے) افضل خاں کو قتل کر ڈالیں۔ رفیع الدین شیرازی سے جو خوالداری خزانہ کے عہدے پر مامور تھا خزانہ کے حسابات طلب کریں اور اس کا مواخذہ کریں۔ اور قلعہ خاں ابجو کو پیشوا مقرر کیا جائے۔ شاہ قاسم اور کشور خاں کو وزیر السلطنت مقرر کیا جائے۔ اور باقی مناصب باعتبار حیثیت دوسرے امراء اور ارکان میں تقسیم کر دئے جائیں۔ مگر کشور خاں کو یہ انتظام منظور نہ تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ جب یہ تسلیم ہو جائیں گے تو پھر اسے اس طرح کمال باہر کریں گے جس طرح کمال خاں نکال دیا گیا اور پھر اسے یہ بھی منظور نہ تھا کہ اصلی وارث تخت و تاج کیساتھ یوں نکل کر امی کی جائے جو کفران نعمت کے مثال ہوگی۔ غرض ان کی یہ کشمکشیں کامیاب ثابت نہوئیں کیونکہ افضل خاں اور کشور خاں میں بر وقت اتحاد ہو گیا اور غالب خاں نے اسے نازک موقع پر کشور خاں کا ساتھ دیا کہ مخالفین کی جدوجہد بے سود و بیکار ثابت ہوئی۔ افضل خاں ان اندرونی واقعات سے قطعاً بے خبر تھا لیکن جب کشور خاں افضل خاں کی مدد سے اپنے دشمنوں پر غالب ہو گیا تو اس نے اسے یہ سارا احوال کہ سنایا اور بتلایا کہ ہم وفاداران سلطنت کی موجودگی میں یہ کیونکر ممکن تھا کہ یہ بدخواہ اور بد انجام اپنے ناپاک ارادوں میں کامیاب ہو جائے۔

کشور خاں کا منصب و کالت پرفائز جب اس طرح کشور خاں کے دشمنوں کا خاتمہ ہوا تو وہ بلا خوف و بلا کھجکے ہو کر معاملات ملکی کی طرف توجہ کرنا منصب و کالت پرفائز ہو گیا اور اس کے بعد ہی وہ معاملات ملکی کے سنبھالنے کی طرف متوجہ ہوا اس وقت کاروبار کا سنبھالنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ بڑے بڑے امراء جن سے ایسے نازک وقتوں میں مدد ملتی ہے اور جن کے تحض وجود سے دل کو ڈھارس پہتی ہے ایسی نکل کر امی پر کمر باندھے ہوئے تھے جس کی وجہ سے ان کو معاملات سلطنت سے بیدخل

۱۔ تاریخ قلب شاہی کے الفاظ اس شخص کے متعلق ہیں: "شاہ فتح اللہ شیرازی کہ ترمذ دانشوران روزگار بود" مصنفہ قادر خاں بیدری۔ قلمی نسخہ کتب خانہ اصفیہ۔

کر دیا گیا تھا۔ بکشور خاں کو نہ صرف اندرون ملک میں دشمنوں اور بدخواہوں کو قابو میں رکھنا تھا بلکہ ہمسایہ ریاستوں کی دست درازیوں کی روک تھام بھی کرنی تھی اور تنہا ان تمام امور ہائے سلطنت کی انجام دہی بغیر کسی حامی و مددگار کے سخت مشکل تھی۔ اس وجہ سے پھر کشور خاں نے افضل خاں کو اپنا ہم خیال بنایا اور اُسے مجبور کیا کہ ایسے وقت میں وہ معاملات ملک سے کنارہ کش نہ ہو۔ افضل خاں نے ہر چند بہانہ کیا کہ صحت ٹھیک نہیں، ضعف و اضمحلال پیدا ہو چکا ہے۔ دل و دماغ اس قابل نہیں رہے کہ سلطنت کے اہم کاروبار انجام دے سکوں۔ مگر کشور خاں نے اُس کی ایک نہ سنی۔ اور یہی کہہ گیا کہ اس وقت ملک کو آپ جیسے اشخاص کی سخت ضرورت ہے۔ یا آخر اُسے بھی راضی کر لیا۔ افضل خاں نے کشور خاں کا جو یہ بڑھتا ہوا اصرار دیکھا تو اس نے مناسب رہی سمجھا کہ فی الحال اُس سے اتحاد برقرار و قائم رکھے۔ اور وہ وجہ ضرورت سے زیادہ انکار کر کے اس کو دشمن نہ بنا لیا جائے۔ اور محض اسی مصلحت کی بنا پر اس نے کشور خاں کی بات مان لی اور سلطنت کی اہم اور ذمہ دار خدمات کی انجام دہی کا بیڑا اٹھایا۔

عادل شاہی سرحد پر نظام شاہی قلعہ شاہی حملے۔

یہ روئی دشمن ایسے موقعوں کو غنیمت سمجھ کر اُس سے بیش از بیش فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ جب جیسا پور کی ہمسایہ ریاستوں کو اس کی خبر لگی کہ بادشاہ کی کسنی کی وجہ سے ملک میں سخت بد انتظامی اور اُمراء سلطنت میں نا اتفاقی ہے تو فوراً ہر ایک نے قہوری تھوڑی فوج بھیج کر جیسا پور کے سرحدی علاقوں کو اپنے قبضے میں لانے کا عزم کیا۔ سب سے پہلے قطب شاہ نے دست تصرف دراز کیا اس وقت

لہذا ان قطب شاہیوں کا تاریخ فرشتہ میں ذکر نہیں چونکہ تحفۃ الملوک سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حکومتی ابتداً قطب شاہیوں کی طرف سے ہوئی اس لئے انکی تفصیل تاریخ قطب شاہی مولفہ قادر خاں بیدری قلمی نسخہ سے لگی فرشتہ نے کشور خاں کے عہد میں جو بیرونی حملے ہوئے اُن سے متعلق لکھا ہے کہ پہلے احمد نگر نے جیسا پور کی سرحد پر چڑھائی کی، مگر ان قطب شاہی کوششوں کا قطعاً ذکر نہیں کیا۔

مولاکنڈہ میں ابراہیم قلی مکران تھا۔ یہ چاہتا تھا کہ پرگنہ کاکن، ناکاوسی، کلو رو، کوڑولی کے علاقے جو شہزادہ سجان قلی کے زمانے میں ہاتھ سے نکل گئے تھے اور جن پر عادل شاہی حکومت کا قبضہ ہو گیا تھا از سر نو قلب شاہی عداوتی میں داخل کر لئے جائیں۔ اور ان کی تسخیر عمل میں آئے۔ اس غرض سے اُس نے امیر زنبیل کی سپہ سالاری میں اک بڑی بھاری فوج روانہ کی جس میں عالم خاں، کشنہ خاں اور حیدر خاں جیسے بہادر اور مرد میدان موجود تھے۔ اس وقت ان علاقوں پر بیجا پوری حکومت کی جانب سے میاں بدو و ضیاء دولت خاں کا فرما تھا۔ قلب شاہی افواج کی آمد کی خبر سن کر انہوں نے لڑائی کی تیاریاں کیں اور کچھ مقابلہ بھی کیا مگر شکست کھا کر بھاگ گئے۔ اور اس علاقہ پر امیر زنبیل متصرف ہو گیا۔ مقتومہ علاقوں میں کچھ سرسری انتظامات سے فراغت پا کر وہ اور آگے کی طرف بڑھا اسی اثناء میں اُسے معلوم ہوا کہ ساغر سے ڈیڑھ سو ہاتھی بیجا پور کو لیجائے جا رہے ہیں اُس نے فوراً ساخت کی! اور لیجا کر کے وہاں پہنچا کہ ہاتھیوں کو اڑالائے۔ عادل شاہیوں کو اس کی خبر لگ گئی کہ امیر زنبیل ہاتھیوں کی غرض سے بڑھتا چلا آ رہا ہے تو انہوں نے بھی ہتھیاری کی فوراً ہاتھیوں کو لیکر قلعہ میں محصور ہو گئے۔ سید اشرف نے جو اس قلعہ کا حاکم تھا معہ دو برگی سرداروں اور تین چابدار سواروں کے قلعہ سے باہر نکل کر دشمنوں کا مقابلہ کیا۔ مگر اُس کو شکست ہوئی اور عادل شاہی فوج کو بہت نقصان پہنچا۔ سید اشرف دشمنوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہو گیا۔ قلب شاہیوں نے سید اشرف کو شکست تو دے دی مگر چونکہ ساغر کا قلعہ نہایت مضبوط تھا اُس پر قابض ہو سکے اس ناکامی کا امیر زنبیل نے یوں بدلہ لیا کہ شہر ساغر کو جلا کر خاک کر ڈالا۔ اس کے بعد ملکیہ اور ایٹلیہ کی طرف توجہ کی اور ان کو بھی فتح کر لیا۔ اس طرح قلب شاہیوں کا ان تمام علاقوں پر قبضہ ہو گیا جو شہزادہ سجان قلی کے زمانے میں ہاتھ سے نکل گئے تھے۔ ان فتوحات کی اطلاع امیر زنبیل نے اپنے بادشاہ ابراہیم قلب شاہ کو دی۔ بادشاہ اُس کی کامیابیوں سے بہت خوش ہوا۔ اور صحر امیر زنبیل تو اپنے بادشاہ کی خوشنودی کی غرض سے یہ کامیابیاں حاصل کر رہا تھا اور بیجا پور کی حالت ان جملوں کی وجہ سے خطرناک ہوتی جا رہی تھی جب کشور خاں نے دیکھا کہ سرحد خطہ میں ہے اور دشمن ملک کی افرائی سے فائدہ اٹھا کر مقبوضات عادل شاہی پر قبضہ جا رہے ہیں تو فوراً اُس نے فضل خاں کی

سرکردگی میں ایک بڑی بھاری فوج روانہ کی کہ ان حملہ آوروں کی سرکوبی کی جائے۔ افضل خاں سب سے پہلے قطب شاہیوں کی طرف متوجہ ہوا۔ فوجیں مقابل میں آکر پڑی ہوئی تھیں چند روز تک کوئی جنگ نہیں ہوئی۔ البتہ بعض مقامات پر اتفاقی طور پر جھڑپ ہو جاتی تھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ افضل خاں قصد جنگ کو نال رہا تھا کیونکہ اسے امدادی فوج کا انتظار تھا بغرض جب تک عین الملک آنکس خاں اور امرائے محض جس سے اخلاص خاں حمید خاں اور دلاور خاں نہیں آگئے باقاعدہ طور پر جنگ کا سلسلہ شروع نہیں ہوا۔ جب یہ لوگ اپنی فوجوں کے ساتھ افضل خاں سے آئے تو عادل شاہی فوج لڑائی کیلئے تیار ہو گئی۔ دھڑ سے قطب شاہیوں نے بھی پیش قدمی کرنی شروع کی۔ دونوں فوجوں کا خوب زبردست مقابلہ ہوا۔ افضل خاں کی دانائی و ہشیاری سے میدان بیجا پوریوں کے ہاتھ رہا۔ اور قطب شاہی فوج ایسی سرسبیلگی کے عالم میں میدان چھوڑ کر بھاگی ہے کہ اسے اپنے مال و اسباب کی تک فکر نہ رہی۔ یہ سب مال و اسباب بہت سارے ہاتھی، گھوڑے، اونٹ، اس لشکرِ ظفر یکیر کے قبضے میں آ گئے، جب افضل خاں کو ان قطب شاہیوں سے فرصت ملی تو وہ فوراً دیگر امراء و عہدہ دارین کی رائے سے

۱۔ تحفۃ الملوک۔

۲۔ بسا تین سلطانین تاریخ قرشتہ میں ان حملوں کے سلسلہ میں افضل خاں کا ذکر نہیں آتا۔

۳۔ اس شکست کا حال تاریخ قطب شاہی میں درج نہیں بلکہ اس زمانہ میں قطب شاہیوں کی جانب سے بیجا پور پر جو حملے ہوئے ہیں ان کی تفصیل کچھ اور طریقے سے ہی دی گئی ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ امیر زنبیل اپنی ان کامیابیوں کے بعد جن کا ذکر کیا گیا ابراہیم کے حکم سے اس فوج سے ملحق ہو گیا جو اس وقت خاص بیجا پور پر حملہ آور ہو رہی تھی۔ اس کے مطابق اس وقت بیجا پور کا محاصرہ کیا جا رہا تھا۔ اور نظام شاہی فوج بھی قطب شاہیوں کی مدد کے لئے موجود تھی۔ لیکن یہ واقعات بہت بعد کے ہیں جو دراصل اخلاص خاں کے عہد حکومت سے تعلق رکھتے ہیں۔ صاحب تاریخ قطب شاہی نے ان سب کو یکجا جمع کر دیا ہے۔ ملاحظہ ہو تاریخ قطب شاہی ص (۲۷۵-۲۷۶) قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ۔

نظام شاہی فوج کی طرف متوجہ ہوا۔ اس لئے کہ احمد نگر کی جانب سے پندرہ ہزار کی فوج بہڑاد الملک کی سرکردگی میں بیجا پور کی طرف آرہی تھی۔ اس وقت احمد نگر میں مرتضیٰ نظام شاہ حکمران تھا۔ اس کو ایک نہایت ہی دانا اور قابل وزیر صلابت خاں مل گیا تھا جس کے تدبیر اور حسن انتظام نے ملک کو بہت فائدہ پہنچایا۔ جب صلابت خاں نے دیکھا کہ بیجا پور اپنی اندرونی الجھنوں میں اس قدر حیران و پریشان ہے کہ اگر اس وقت اس پر کوئی بیرونی آفت نازل ہو تو اس میں مقابلہ کی تاب نہوگی۔ اور نہایت آسانی سے اکثر علاقوں کو اپنے قبضہ میں لایا جاسکتا ہے تو اس نے اپنے بادشاہ کو سمجھایا کہ اس موقع کو خدا کی دین سمجھنا چاہیے، اور اپنے قدیم حریت سلطنت سے اگر بدلہ لینے کا کوئی وقت ہو سکتا ہے تو وہ یہی ہے۔ اور خاص طور پر یہ بھی یاد دلایا کہ علی عادل شاہ نے احمد نگر کے خلاف علی بریدی کی مدد کی تھی۔

۴۔ بہانہ اثر سے واضح ہوتا ہے کہ نظام شاہی اور قطب شاہی حملوں کی ابتدا قریب قریب ایک وقت میں ہی ہوتی ہے، اور حملہ وروں کا ارادہ یہ تھا کہ پہلے دونوں فوجیں ملتی ہو جائیں، اس کے بعد جنگ کا آغاز ہو مگر عادتاً شاہیوں نے قبل اسکے کہ یہ دونوں فوجیں ملتی ہوتیں قطب شاہیوں کا راستہ روک لیا اور انکو شکست دی جس کا اوپر ذکر کیا گیا۔ اس کے بعد نظام شاہیوں کی طرف متوجہ ہوئے۔

۵۔ مرتضیٰ نے بید کو فتح کرنے کی غرض سے اس چھوٹی سی ریاست پر حملہ کر دیا اور قطب شاہیوں سے مدد بھی لی۔ علی برید نے علی عادل شاہ سے مدد طلب کی۔ عادل شاہ نے علی برید کو مدد نہ دی مگر اس شرط پر کہ وہ دو حسین خواجہ سرا جو اس کے پاس موجود ہیں بیجا پور روانہ کر دے جائیں۔ ان شرائط کی تکمیل کے بعد بیجا پور سی فوج بید کا محاصرہ اٹھانے کی غرض سے اس طرف روانہ ہوئی مگر اسی اثناء میں علی عادل شاہ کا قتل عمل میں آیا اور یہ فوج واپس ہو گئی۔ مگر جب بیجا پور کے حالات ٹھیک ہو گئے تو بید کی مدد کے لئے پھر بیجا پور سے فوج آئی۔ اس طرح مرتضیٰ نظام شاہ کے بید سے جو منصوبے تھے وہ پورے نہو سکے۔ صلابت خاں نے اس وقت یہی چیز یاد دلائی۔

تاریخ قطب شاہی۔

اُس کی کمک کی وجہ سے بیدر پر احمد نگر می منصوبے کا میاب نہ ہو سکے۔ مرتضیٰ نظام شاہ بھلا کب ایسی باتوں سے چوکنے والا تھا! اُس نے اپنے وزیر کو اجازت دے دی کہ ایک فوج بیجا پور روانہ کر دی جائے چنانچہ بہزاد الملک نے مصلابت خاں کے حکم سے پندرہ ہزار فوج کے ساتھ بیجا پور پر چڑھائی کی۔ ادھر سے بیجا پور کی ایک زبردست فوج بھی اس حملے کی مدافعت کے لئے آ پہنچی۔ بہزاد الملک ایک نوجوان نا تجربہ کار اور مغرور جنرل تھا! اُس نے غالباً ایک چکرستہ غلام کی حیثیت سے ترقی کی تھی مگر یہی غلام شاہیوں نے نشوونما پور کا رخ کیا۔ اور راستہ میں تاخت و تاراج اور لوٹ گھسوٹ کے سلسلہ کو جاری رکھا۔ جس کی وجہ سے عادل شاہی علاقوں میں سخت پریشانی پھیلی ہوئی تھی۔ غرض یہ صورت حال تھی کہ نظام شاہی اور عادل شاہی فوجوں کی مڈبھیڑ ہو گئی۔ مگر قبل اس کے کہ اس جنگ کے حالات بیان بیان کئے جائیں، بہزاد الملک کے کیرکڑ اور اُس کی پوزیشن پر روشنی ڈالنی ضروری ہے۔

مصلابت خاں نے اپنی اُس ذاتی دشمنی کی بناء پر جو اُسے سید مرتضیٰ امیر الامراء کے برابر سے تھی (جو اس وقت احمد نگر کا ایک نہایت ہی زبردست جنرل تھا) بہزاد الملک کو اُس کی بجائے سپہ سالار فوج بنایا تھا، یہ ایک کم عمر نوجوان تھا! اس لئے دوسرے تجربہ کار اور بوڑھے سردار اسکی سرداری کو اچھی نگاہ سے نہ دیکھتے تھے۔ جب یہ صورت حال پیدا ہو گئی تو مصلابت خاں کو اس امر کا احساس

۱۔ برہان مآثر کے مصنف نے لکھا ہے کہ حملے سے پہلے مرتضیٰ نظام شاہ نے ایک سیفر گو لکھنڈہ روانہ کیا تاکہ اس ریاست سے اتحاد ہو جائے اور پھر دونوں کی متحدہ اور متفقہ کوششوں سے بیجا پوری علاقوں کی تسخیر مل میں لائی جائے۔

۲۔ برہان مآثر سے معلوم ہوتا ہے کہ کشور خاں نے ۲۰ ہزار سوار افضل خاں کے ماتحت مدافعت کے لئے روانہ کئے اور ان دس ہزار سواروں سے ملحق ہونے کا حکم دیا جو بیدر کا محاصرہ اٹھانے کے لئے گئے ہوئے تھے۔

۳۔ فرشتہ۔ مگر برہان مآثر کے مصنف نے اسے ایک ترک غلام لکھا ہے۔

ہوا کہ ہنزا الملک کی سپہ سالاری میں یہ مہم کامیاب نہ ہو سکے گی اس لئے اس نے اپنے پہلے احکام کو منسوخ کر کے سید مرتضیٰ کو ہی سپہ سالار بنایا اور متعاقب روانہ کیا۔ ادھر ہنزا الملک کو احکام روانہ کئے گئے کہ سید مرتضیٰ کی آمد کا انتظار کر لے لیکن اس نے ان احکام کی پروا نہ کی اور بلا سوچے سمجھے جوانی کے نشہ و غرور میں چور ہو کر چاہا کہ بغیر سید مرتضیٰ کی مدد کے ہی دشمنوں کا خاتمہ کر دیا جائے اور کامیابی کا سہرا اپنے ہی سر رہے۔ لہذا اس نے جنگ چھیڑنے میں نہایت تعجیل کی اور اس طرف سید مرتضیٰ نہ ہوا، اس کے ابتداؤ سپہ سالار بنائے جانے پر سخت بد دل ہو چکا تھا۔ وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے تحت رہ کر کام کرے۔ غرض اس آپس کی رقابت نے احمد نگری فوج کا بنا بنایا کام بگاڑ دیا ایک طرف ہنزا الملک کی مہلت دوسری طرف سید مرتضیٰ کی عمدت و تقویٰ و تاخیر بالآخر احمد نگری افواج کی شکست کی صورت میں ظاہر ہوئی۔

سید مرتضیٰ کی تقویٰ سے عادل شاہیوں کو غیر معمولی فائدہ ہوا وہ یہ کہ وہ فوج جو اس وقت بیدر پر ناظر و مشدہ تھی نہایت تیزی اور سرعت کے ساتھ نظام شاہیوں کے مقابلہ کے لئے یہاں آئی۔ اس سے عادل شاہیوں کے دست و بازو اور بھی مضبوط ہو گئے بغرض دونوں فوجوں کا

۱۔ برہان مآثر ہنزا الملک نے اس حکم کی یہاں تک تعمیل کی کہ ایک منزل پیچھے ہٹ گیا اور اس سے زیادہ پیچھے ہٹنا خلاف شان سمجھا۔ اور عین دشمن کے مقابلے میں عیش پرستیوں اور لہو و لعب میں مبتلا ہو گیا۔

۲۔ فرشتہ نہیں بیان کرتا ہے کہ صلابت خاں نے بعد میں سید مرتضیٰ کو سپہ سالار بنا دیا۔ بلکہ اس کے بیان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آخر وقت تک ہنزا الملک ہی سپہ سالار رہا اور اس وجہ سے سید مرتضیٰ سخت ناراض رہا۔ مگر برہان مآثر سے معلوم ہوتا ہے کہ سید مرتضیٰ کو بعد میں سپہ سالار بنایا گیا۔ اور ہنزا الملک کی حماقت کی وجہ سے نظام شاہیوں کو شکست ہوئی۔ (ملاحظہ ہو برہان مآثر و تاریخ و فرشتہ)۔

۳۔ اس واقعہ کی مدد تک برہان مآثر و فرشتہ میں کوئی اختلاف نہیں۔

مقابلہ حوالی شاہ درگ موقع داراسن میں ہوا جو ملہ رگ اور شولا پور کے درمیان واقع ہے عادل شاہی فوج کو اس کا علم ہو چکا تھا کہ سید مفتی بد دل ہے اور عمدتاً خیر کر رہا ہے۔ لہذا انھوں نے موقع کو غنیمت جان کر یکایک احمد گری فوج پر حملہ کر دیا۔ نظام شاہی فوج کے پیراگھر گئے اور اس بُری طرح شکست ہوئی کہ بہزاد الملک کو اتنی فرصت نہ ہو سکی کہ اسلحہ زیب تن کر سکے! اس پریشانی اور بدحواسی کے عالم میں اپنی جان بچا کر وہ میدان جنگ سے فرار ہو گیا، اور فوج تتر بتر ہو گئی۔ بہزاد الملک میدان جنگ سے بوجھا گا ہے تو اس نے پھر سید مفتی کی فوج سے ملحق ہو کر ہی اطمینان کا سانس لیا۔ عادل شاہی اُمرا کو جو یہ غیر متوقع طور پر کامیابی حاصل ہوئی تو ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی! انھوں نے شکست خوردہ لشکر کا تھوڑی دور تک تعاقب کیا۔ اور ان کا بہت سا رمال و اسباب لوٹ لیا اور بکثرت جنگی ہاتھی، گھوڑے اور بہت کچھ سامان حرب ان کے ہاتھ آیا۔ ان لوگوں نے اس کامیابی سے جو فرصت پائی تو بیدار کا رخ کیا۔ بیدار میں نظام شاہی فوجیں محاصرہ کئے پڑی تھیں، علی بریدنگ ہوا جا رہا تھا۔ اس کی مدد کو تھوڑی سی فوج بیجا پور سے روانہ کی گئی تھی مگر جب خود بیجا پور پر حملہ کا اندیشہ ہوا تو یہ لوگ افضل خاں اور اُمراءے حبش سے آئے تھے جس کا ابھی تذکرہ کیا گیا۔ اس لئے اب اس طرف سے مطمئن ہو کر دوبارہ بیدار کی طرف متوجہ ہوئے کہ نظام شامیوں کا محاصرہ بیدار پر سے اٹھا دیں جیسے ہی یہ فوجیاب لشکر بیدار کی طرف پلٹا ہے نظام شاہی فوج میں مکملی ہڑکئی اُن کو اس کی خبر ہو گئی تھی کہ بہزاد الملک کو بیجا پوریوں کے مقابلہ میں شکست فاش، ٹھانی پڑی، اس سے ان کی ہمتیں پست ہو گئی تھیں! اور انھوں نے اس کو مناسب سمجھا کہ محاصرہ اُنھیں اور سید مفتی کے لشکر سے چھوٹ ہو جائے! اس طرح بیجا پور کی فوج کی آمد سے پہلے ہی بیدار کا محاصرہ اٹھ گیا اور علی برید کو خلاصی نصیب ہوئی۔

اب شکست خوردہ اور متہزم لشکر نظام شاہیہ قلعہ دھاردریں پناہ گزین ہوا! افضل خاں کی خواہش تھی کہ اگر مگر می میں اس بد دل و پست ہمت اور خکی مانہ بی فوج کا تعاقب کیا جائے! اس کو ایک ایسی آخری شکست دی جائے کہ اس کا بالکل خاتمہ ہی ہو۔ مگر بیجا پور کو احمد گری آفت ہے پوری پوری نجات ملے۔

گر افضل خاں کی اس رائے سے دیگر افسران فوج کو اختلاف تھا، وہ چاہتے تھے کہ اس کاروائی کو ہمیں ختم کر دیں اور پہلے گھر کے معاملات کی طرف متوجہ ہوں کیونکہ دار السلطنت سے متوحش اور پریشان کن خبریں آرہی تھیں اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ پھر اتفاق بجا پور پر کچھ کالی کالی گھسائیں چھا رہی ہیں جو آئیو اے طوفان کا پتہ دے رہی تھیں۔

ہند نے پاپا کفی اسکاں شاہ درگ کے قلعہ میں پناہ گزین ہو جائیں جہاں فوجوں کو سستائے کا موقع بھی مل جائیگا اور ان کی نئی ترتیب و تنظیم بھی عمل میں آسکے گی اس عرصے میں کچھ مزید تازہ دم فوج بھی اپنی مدد کیلئے بیجا پور سے آسکتی ہے جس کے لئے درخواست کیگئی تھی لہذا پھر تازہ دم ہو کر از سر نو دشمن کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے اس میں مزید فائدہ یہ تھا کہ دار السلطنت کے متغیر حالات کا کبھی کبھہ اندازہ ہو سکتا ہے اور اسے بعد یہ طے کرنا ممکن ہو گا کہ کیا طر عمل اختیار کیا جائے غرض ان مصیبتوں کی بنا پر بیجا پور کی یہ فوج قلعہ شاہ درگ میں پناہ گزین ہو گئی۔

کشور خاں کا نیا طر عمل انعام دین | کشور خاں کو جب پے درپے ان کامیابیوں کی خبریں آئیں تو وہ بہت خوش اور اُمرا کے ساتھ بدسلوکیاں ہو گیا اور رفتہ رفتہ اُس کی خوشی غور سے متبدل ہونے لگی اب وہ پوری پوری طرح معاملات ملکی پر حاوی ہو چکا تھا تمام کاروبار سلطنت اُس کے ہاتھ میں تھے۔ بادشاہ کسٹھا ملک کے بڑے بڑے اُمرا اور سپہ سالار اُس کے حکم سے مشغول کار تھے اور ان جنگوں میں انھیں کامیابیاں بھی ہو رہی تھیں ملک میں اس وقت کوئی شخص ایسا نہ تھا جو اُس کی مخالفت پر کمر باندھ سکتا اس لئے ہر طریقے سے وہ مقتدر و مستحکم ہو چکا تھا۔ قاعدے کی بات ہے جیسے جیسے انسان ترقی کرتا ہے اور اُس کی عزت و وقار میں اضافہ ہوتا ہے اُسی قدر اُس کی ہوس بھی بڑھتی جاتی ہے۔ قدرت نے انسان کی فطرت ہی کچھ ایسی بنائی ہے کہ جس قدر اُس کی امیدیں اور آرزوئیں پوری ہوتی جاتی ہیں اُسی قدر اُن میں اضافہ بھی ہوتا ہے چنانچہ جوں جوں کشور خاں کے اقتدار میں ترقی ہوتی گئی اُسی قدر وہ مزید طاقت حاصل کر نیکا نوا ہشمندہ ہوا، متولی اور مختار سلطنت ہو جانا ہی کوئی معمولی ترقی نہ تھی۔ یہ ایک ایسا عہدہ ہے کہ اسکے بعد ترقی کا اگر کوئی زینہ ہے تو وہ بادشاہت کا ہی ہے کشور خاں انیشو اے سلطنت تو تھا ہی پورے پورے اختیارات اُس کے ہاتھ میں تھے کوئی اُس کا مخالف نہ تھا اب اپنے اقتدار و استحکام میں مزید توسیع کے

و معنی ہو سکتے ہیں یا تو یہ کہ اس کے بعد ترقی کا جو زینہ ہے وہ حاصل ہو جائے یا ایسے حکم و مضبوط طریقے سے اس کے پیر گڑھ جائیں کہ کوئی اسے اس منصب سے جدا نہ کر سکے خواہ وہ بادشاہ ہی کیوں نہ ہو۔ کامل خاں نے بھی یہی کیا تھا مگر اس کو ناکامی ہو چکی تھی۔ اب کشور خاں بھی اس کے نقش قدم پر چل رہا تھا اور اس کی پیروی کر رہا تھا چونکہ دونوں کا مقصد ایک تھا لہذا اس مشترکہ مقصد کے حصول کے لئے دونوں نے جو طرز عمل اختیار کیا اس کا بھی ایک ہونا لازمی تھا چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ کشور خاں نے بھی بڑے بڑے عہدوں اور مناصب بلبلہ پر اپنے آدمی بھرنے شروع کئے۔ بڑی بڑی قلعہ داریاں اپنے ہوا خواہوں میں تقسیم کر دیں۔ قدیم وفادار اور جان نثاران ریاست آہستہ آہستہ علیحدہ کئے جانے لگے اور ان کی جگہ پر کشور خاں نے اپنے رشتہ داروں اور متعلقین کو فائز کرنا شروع کیا۔ غرض یہ ایسا طرز عمل تھا جس سے ہر بھی خواہ سلطنت کو تشویش ہونی لازمی تھی۔ اس نے چاند بی بی جیسی با اقتدار اور با اثر ملکہ کو بھی بے دست و پا کر دیا۔ اور یہاں تک نوبت پہنچ چکی تھی کہ بغیر کشور خاں کے حکم کے چاند بی بی کی ایک نہایتی تھی منجھڑ یہ کہ اس نے اپنے آپ کو ہر طرح محکم کر لیا اور مزید استحکامی تدابیر میں مشغول تھا۔ اس پالیسی کی وجہ سے کئی اہل دیار و ممالک اس سے ناراض ہو رہے تھے۔ اور اس کی ان کارروائیوں کو مشتتبہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ مینولی کا یہی وہ طرز عمل تھا جس کی بنا پر سرداران فوج نے اپنی جنگی کارروائیوں کو ملتوی کر دیا تھا اور اس فکر میں تھے کہ دیکھئے اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔

کشور خاں کا یہ غلط طرز عمل ہیں تک پہنچ کر رک جاتا تو شاید ایسی زیادہ خرابی پیدا نہ ہوتی مگر اس نے کہیں اس سے بھی زیادہ پیر بھیلانے اور خصوصیت کے ساتھ وہاں حرکتیں اس نے ایسی کیں جو خود اس کی بربادی کا پیش خیمہ بن گئیں۔

جب نظام شاہی فوج پر بیجا پوریوں کی فتح کی خبر دار السلطنت آئی تو چاند بی بی کے حکم تین روز شہر میں شادیاں بچتے رہے اور ہر قسم کی خوشی منائی گئی۔ مغز اُرد اور ذمی وقار ارکان دولت کو اور ان سرداروں کو جنہوں نے اس جنگ کو کامیاب بنانے میں کوششیں کی تھی کشور خاں نے چاند بی بی کے حکم سے خلعت بائے فاخرہ سے سرفراز کیا۔ مرصع تلواریں اس پر ہائے تازی معزین و بکام بھی عطا کئے گئے۔

غرض ہر طریقے سے تین روز تک تمام شہر میں غوثی کا سامان کیا گیا اور ملک کے ہر طبقہ کو خوش کرنے کی تدبیریں میں لائی گئیں۔ اور دیکھا ہر توجہ و شیشیاں منافی جاری تھیں مگر اندرونی طور پر سخت اختلافات پیدا ہو رہے تھے۔ اور وہ مواد پکرا رہا تھا جو بالآخر دشواریوں کے زوال کا باعث ہوا چاند بی بی اور متولی سلطنت کی سیاسی تعلقات اب خوشگوار نہ رہے تھے اور اندرونی طور پر دونوں میں مخالفتیں برپا ہوتی جا رہی تھیں۔ دشواریاں یہ چاہتا تھا کہ کسی معاملے میں بھی وہ چاند بی بی سے استصواب رائے کرنے پر مجبور نہ ہو لیکن چاند بی بی کا اثر و اقتدار اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ ہر قدم پر اسے اس کی مرضی کے آگے سر تسلیم خم کرنا پڑتا تھا۔ یہی وہ چیز تھی جو دشواریوں کو سخت ناگوار کرتی تھی اور اب وہ کوشش کر رہا تھا کہ جہاں تک ہو سکے چاند بی بی کے اثر سے باہر ہو کر کاروبار حکومت چلائے۔ چنانچہ سب سے پہلی کارروائی جو چاند بی بی کی مشورے کے بغیر انجام پائی وہ چند باتوں سے متعلق تھی اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ دشواریوں نے سرداران فوج کو لکھا کہ وہ نظام شاہی ہاتھی جو حال ہی فوج کے سلسلہ میں بطور مال غنیمت ہاتھ آئے ہیں فوراً دار السلطنت روانہ کر دئے جائیں۔ امرائے ان کے روانہ کرنے میں تساہل کیا اور انھوں نے یہ محسوس کیا کہ دشواریوں کی یہ حرکت امراد و سرداران فوج کے لئے باعث تذلیل و تحقیر ہے۔ لہذا اکثر لوگ اس کے مخالف ہو گئے اور اس کے خلاف میں کارروائی کرنے لگے بغیر بطور پر ملک چاند بی بی سے یہ درخواست کی گئی کہ دشواریوں کے اتنا برے ہیں وہ دن بدن زیادہ مغرور و فخریہ ہو جا رہا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ دشواریوں کو اس منصب سے علیحدہ کر دیا جائے۔ قبل اس کے کہ وہ کامل فوج کو کچی کا پورا پورا رنگ اختیار کرے اور اس کیلئے انھوں نے یہ تدبیر بتائی کہ مصطفیٰ خاں کو بکا پور سے طلب کیا جائے اور دشواریوں کی جگہ اسے متولی سلطنت بنایا جائے۔ مصطفیٰ خاں حریت سے اس عہدہ کا مستحق بھی ہے اور موزوں بھی ایک قدیم وفادار اور جاں نثار سلطنت ہے اور اس نے بہت سارے کارہائے نمایاں بھی کئے ہیں اس اعتبار سے اسے وکیل السلطنت کا عہدہ دینا ملک کی فلاح و بہبودی کا سامان کرنا ہے۔ یہ رائے اپنی حد تک نہایت بہتر اور صائب تو تھی لیکن مشکل یہ آن پڑی کہ پورے امراد و سردار اس رائے سے متفق نہ تھے ایک جماعت ایسی بھی تھی جس کا خیال تھا کہ عین اس وقت پر جبکہ بہزاد الملک کی شکست کا بدلہ لینے کے لئے سید مرفعی کی سرکردگی میں ایک زبردست احمد نگر فوج کے آئینا

اندیشہ ہے دار السلطنت کے اندرونی انتظامات میں کوئی غیر معمولی تغیر یا تبدیلی نقصان سے خالی نہ ہوگی۔ کیونکہ اگر فوج کو گھر کے معاملات کے درست کرنے میں مشغول ہو جانا پڑے تو باہر کے دشمن کا جو اس وقت آدھکے کون مقابلہ کریگا۔ لہذا جب تک سرحد پر سے دشمن کو نہ نکال دیا جائے اس وقت تک ان اہم معاملات کی طرف توجہ نہیں کی جانی چاہیے اور جب یکساں نظام شاہیوں کی جانب سے کامل الطمینان ہو جائے تو پھر آسانی سے دار السلطنت پیکر چاند بی بی کی مشورت سے مناسب انتظام کیا جاسکتا ہے۔

غرض اس نا اتفاقی سے فی الحال یہ معاملہ معرض التوا میں پڑ گیا۔ اور ادھر کشور خاں کو بھی اس کا علم ہو گیا کہ اس کے خلاف کیا کیا کاروائیاں ہو رہی ہیں اس نے فوراً اپنے بچاؤ کے انتظام کی طرف توجہ کی۔ وہ یہ خوب سمجھتا تھا کہ اگر پہلے ہی سے اپنی سلامتی کا انتظام نہ کر لیا جائے تو یقیناً یہ تمام اُمراء جو اس سے بدظن اور بیزار ہو گئے ہیں اسے قابو میں لا کر پھانسی لیں گے اور اس کی دہی درگت بنائی جائیگی جو اس نے کامل خاں کی بنائی تھی۔ قتل المودی قتل الاید کے اصول پر عمل کر کے اس نے سوچا کہ سب سے آسان ترکیب یہ ہے کہ ان لوگوں کا ہی خاتمہ کر دیا جائے جو اس کی نظریں اس کے لئے موزنی ثابت ہو سکتے تھے۔ اس وقت اسے سب سے زیادہ ڈر مصطفیٰ خاں اردستانی سے تھا اس شخص کی عظمت کا سکھ ہر دل پر بیٹھا ہوا تھا اس کے مقابلے میں کشور خاں کا کوئی ساتھ دینے کے لئے ہرگز تیار نہ ہوتا تھا۔ اس لئے اس نے خیال کیا کہ جب تک مصطفیٰ خاں زندہ ہے اس کا اقتدار مکمل نہ ہوگا اور بالخصوص اس وجہ سے کہ سب کی نظریں اُسی پر پڑ رہی تھیں اور اُمراء و اعیان دولت کی تنہا امید اُسی سے وابستہ تھی گویا اگر مصطفیٰ خاں کا خاتمہ کر دیا جائے تو مخالفین کا اصلی رہبر و رہنما ہی باقی نہیں رہتا۔ اور یہ مصطفیٰ خاں کے قتل سے اس کی ایسی دہشت اور ایسا رعب لوگوں کے دلوں پر چھا جائیگا کہ کسی کی اتنی بہت نہ ہوگی کہ اس کے مقابلے کا خیال بھی دل میں لاسکے۔ اس غرض سے اس نے ٹھان لی کہ کسی نہ کسی طرح مصطفیٰ خاں کو قتل کروا دیا جائے۔ یہاں پر مصطفیٰ خاں کے قتل کی تفصیل سے پہلے مناسب معلوم ہونا ہے کہ کچھ اس کے حالات وئے جائیں تاکہ اس کی با عظمت شخصیت اور اس کی اہمیت کا کچھ اندازہ ہو۔

مصطفیٰ خاں کے حالات | مصطفیٰ خاں کا اصلی نام سید کمال الدین بن ہے اردستانی خاندان سادات سے

اس کا تعلق تھا اعلیٰ تعلیم و تربیت کے حاصل کرنے کے بعد وہ تلاش معاش میں ہندوستان چلا آیا سب سے پہلے وہ گولکنڈہ میں قطب شاہ کے پاس ملازم ہو گیا۔ بادشاہ نے اس کی غیر معمولی قابلیت دیکھی تو اسے بہت جلد ترقی دی رفتہ رفتہ وہ وکیل السلطنت کے عہدے تک پہنچ گیا پھر سے ہی عرصے میں اسے مصطفیٰ خاں کے خطاب سے سرفراز کیا گیا۔ مصطفیٰ خاں نے اس خوبی سے ملک و مملکت کا انتظام کیا کہ تمام ملک میں خوشحالی پیدا ہو گئی۔ مسکنات کا انتظام ٹھیک ہوا۔ فوج کی از سر نو ترتیب و تنظیم عمل میں آئی۔ رعایا کے آرام و آسائش کے سامان بہم پہنچائے گئے۔ غرض ہر طریقہ سے سلطنت کو گولکنڈہ اس کے سنی انتظام سے سنبھلنے اور سدھر نے لگی ابتداً تو قطب شاہ کو اپنے اس لائق وزیر پر کامل اعتماد تھا اور اس نے تمام کار و بار سلطنت اس کے ہاتھ میں رکھ چھوڑے تھے۔ مگر بعد میں قطب شاہ نے اس کو مناسب نہیں سمجھا کہ پورے پورے اختیارات ایک وزیر کے ہاتھ میں دیدے جائیں لہذا اب وہ خود بنفس نفیس انتظامات مملکت میں مشغول ہونے لگا۔ اور بہت سارے اختیارات بھی مصطفیٰ خاں کو دیے تھے۔ ان میں کمی کر دی۔ مصطفیٰ خاں کو یہ بات سخت ناگوار گزری اس وجہ سے کہ اس سے یہ مترشح ہو رہا تھا کہ بادشاہ کو اب اپنے وزیر پر پہلا سا اعتماد نہیں ہے۔ وہ اس سے بدگمان ہو گیا ہے یا کسی قسم کا اندیشہ رکھتا ہے۔ مصطفیٰ خاں اک نہایت ہی دیانتدار اور راستباز آدمی تھا جب اس نے دیکھا کہ بادشاہ کی نظر میں اس کی وہ پہلی سی وقعت ہے اور نہ وہ اعتبار تو اس کو یہی مناسب معلوم ہوا کہ کوئی موقع نکال کر اس عہدے سے ہی مستعفی ہو جائے اور اپنے کو قطب شاہی عہداری سے الگ کر لے۔

اسی اثنا میں رام راج کی سرکوبی کا مسئلہ چھڑا۔ قطب شاہ نے مصطفیٰ خاں کو سفیر بنا کر عادل شاہی اور نظام شاہی دربار کو روانہ کیا کہ وہ اتحاد کی بابت ان سلاطین سے گفت و شنید کرے۔ مصطفیٰ خاں اپنی اس سفارت پر روانہ تو ہو گیا مگر جلد ہی وقت بادشاہ سے اس کا وعدہ لے لیا کہ اسے اس خدمت کے صلے میں حرمین شرفین جانی اجازت دیدی جائے گی۔ قطب شاہ چار و ناچار راضی ہو گیا اور مصطفیٰ خاں اپنی سفارت پر روانہ ہوا جب مصطفیٰ خاں کی کوششوں سے احمد نگر، گولکنڈہ اور بیجا پور کے درمیان اتحاد قائم ہو گیا اور متحدین کی کوششوں سے رام راج کا فائدہ ہو گیا تو مصطفیٰ خاں نے قطب شاہ کو اس کا وعدہ یاد دلایا اور اور زحمت کی اجازت چاہی مگر قطب شاہ مصطفیٰ خاں کو اجازت دینے کے لئے تیار نہ تھا اور مختلف طریقوں سے

اُسے ماننا چاہا جب اُس نے یہ رنگ دیکھا بہت پریشان ہوا اور اپنی غلامی کے لئے کشور خاں پیشوائے عادل شاہ اور مولانا عنایت اللہ پیشوائے نظام شاہ کے ذریعہ قطب شاہ پر اثرات ڈالے لیکن قطب شاہ کی مرنی یہ تھی کہ مصطفیٰ خاں کو گو لکنڈہ لیجا کر اس کی خوب جیسی طرح تادیب کرے۔ مے مصطفیٰ خاں اس کو خوب جیسی طرح سمجھتا تھا اور گو لکنڈہ جانے میں اپنی جان کی خیر نہ دیکھتا تھا۔ لہذا اس نے کشور خاں اور عنایت اللہ پیشوایان ریاست ہائے نظام شاہ و عادل شاہ کو اپنا کر لیا تھا۔ اور اُن کے ذریعہ قطب شاہ پر دباؤ ڈال رہا تھا کہ وہ اُس کو روانگی کی اجازت دیدے جب قطب شاہ نے دیکھا کہ کشور خاں اور عنایت اللہ کسی طرح اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے ہیں تو بالآخر اُس کو روانگی کی اجازت دی مگر مشکل یہ تھی کہ مصطفیٰ خاں کے اہل و عیال اور اس کا مال و اسباب گو لکنڈہ میں تھا اور اندیشہ تھا کہ قطب شاہ اپنی اس نافرمانی اور غصہ میں ان پر مظالم نہ کر بیٹھے پھر اس کے حضور میں درخواست پیش کی گئی کہ اُس کے اہل و عیال کو بھی بلا ضرر اس کے ساتھ روانگی کی اجازت دے دیجائے قطب شاہ ان پیشواؤں کی پے درپے کوششوں سے بالآخر اس امر پر مجبور ہو گیا کہ مصطفیٰ خاں اور اس کے اہل و عیال کو روانگی کی اجازت دیدے۔ مصطفیٰ خاں و عیال گھر سے اجازت لیکر جو نکلا ہے تو پھر گلبرگہ جی آکر دم لیا اور بیوی بچوں کے آنے تک وہیں قیام پذیر رہا۔

مصطفیٰ خاں نے قطب شاہ کی ملازمت کے زمانے میں بہت کچھ دولت حاصل کر لی تھی اور بیان کیا جاتا ہے کہ میں لاکھ ہون سے زیادہ قیمت کی جنس و نفائس علاوہ زر نقد کے اس کے پاس موجود تھے۔ اور اس کا یہ سب کثیر مال و اسباب گو لکنڈہ سے گلبرگہ کو آٹھ ہزار بیلوں اور بارہ ہزار آدمیوں پر لے کر آیا تھا۔ اور اس کا مبلغ اتنا وسیع اور ایسا پر شکوہ تھا کہ بادشاہوں کے ملے بھی شاید ہی ایسے ہونگے۔

۱۔۔ بسائین اسلاطین صفحہ ۱۳۴۔

۲۔۔ قطب شاہ مصطفیٰ خاں سے اس واسطے ناراض ہو گیا تھا کہ مصطفیٰ خاں نے بغیر بادشاہ کی اجازت کے مد گل اور رانچور فتح شدہ قلعوں کی کنجیاں عادل شاہ کے حوالے کر دیں اس پر بادشاہ بہت برہم ہوا اور اسی بنا پر چاہتا تھا کہ اُسے گو لکنڈہ لیجا کر جیسی طرح سزا دے۔ تاریخ قطب شاہی۔ (دقلمی نسخہ) کتب خانہ آصفیہ۔

مصطفیٰ خاں کا اس قدر کثیر مال و دولت کے ساتھ یوں ہاتھ سے نکل جانا قلب شاہ کو بہت شاق گذرا۔ اور اس نے غصہ و برہمی میں اس کا گھر ٹھونڈنے کا حکم دیدیا۔

جب مصطفیٰ خاں کو اس طرح نجات مل گئی تو اس نے عادل شاہ کی ملازمت اختیار کر لی۔ علی عادل شاہ نے بخوشی ایسے باندہ شخص کو زمرہ اُمراء میں داخل کر لیا اور بائیس ہزار سوار کا افسر مقرر کر دیا۔ اس کے بعد مصطفیٰ خاں ہر بار ترقی کرتا رہا۔ ورنہ بدن علی عادل شاہ کا اعتماد اس پر بڑھتا جاتا تھا اور اپنے حُسنِ خدمت سے اپنے قفا کو اس نے ایسا گرویدہ کر لیا کہ ترقی کی سب راہیں اس کے لئے کھل گئیں۔ یوں بھی وہ لائقِ شخصِ تعجب طرح مجلسِ مشورت میں وہ ایک بہترین وزیرِ باندہ کا کام دے سکتا تھا۔ اسی طرح میدانِ رزم میں اپنے زمانے کا ایک کامیاب سپہ سالار بھی تھا۔ چنانچہ قلعہ بنکا پور کی فتح جو علی عادل شاہ کے عہد کا اک زarin کا رنامہ ہے اسی کے ہاتھوں ہوئی تھی۔ غرض یہ کہ ہر منیبت سے مصطفیٰ خاں ترقی کے قابل تھا۔ اور اسے ترقی ملی۔ رفتہ رفتہ کشتور خاں کے قتل کے بعد علی عادل شاہ کے عہد میں وکیلِ سلطنت یا عہدِ پیشوائی پر وہ فائز ہو چکا تھا۔ اس زمانے میں اس کا انوارِ رشوخ اس قدر ٹرہ گیا تھا کہ علی عادل شاہ نے اسے اپنی مٹھر خاص دے رکھی تھی جس کو کبھی وہ اپنے سے جدا نہ کرتا تھا۔ مگر مصطفیٰ خاں پر اس کو اتنا غیر معمولی اعتبار تھا کہ وہ بلا کھینکے شاہی مٹھر اس کے حوالے کر ہی اور اس کو اجازت تھی کہ بغیر استعراجِ شاہی کے بھی اس مٹھر کو استعمال کرے۔ یوں تو وزارت کے عہدے پر اکثر لوگ مامور ہوا کئے ہیں مگر جو غیر معمولی اثر و رسوخ مصطفیٰ خاں نے حاصل کر لیا تھا شاید ہی وہ کسی کو نصیب ہوا ہو۔ عادل شاہ کی ملازمت میں اس نے اس سے بھی کہیں زیادہ دولت حاصل کر لی جو قطب شاہی ملازمت کے دوران میں اسے حاصل ہوئی تھی۔ اس کی دولت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ تقریباً اس کے ایک سو اسی (یکصد و ہشتاد) جہاز دریائے گجرات سے لیکر دریائے بنگال تک تجارت کرتے تھے۔ مال و دولت کے اعتبار سے وہ اپنے ہم عصر بادشاہوں کا مقابلہ کر سکتا تھا۔ غیر ممالک کے بادشاہوں سے اس کے تعلقات نہایت خوشگوار تھے اور یہ ہمیشہ ان کے پاس بیش قیمت تحائف بھیج کر مانتا تھا اور دوسرے خلعت ہائے فاخرہ اور دیگر نفائس عطا کئے جاتے تھے۔ بالخصوص سلطانِ سلیمان نے شاہِ طہا سب ایران اور اکبر بادشاہ ہند سے اس کی اسی طرح خط و کتابت ہو کر تھی جیسے ہم عصر اور

ہم رتبہ لوگوں کے درمیان ہوتی ہے۔

جنگ تالیکوٹ کے بعد جو سلسلہ فتوحات علاقہ کرناٹک میں عادل شاہی افواج کا شروع ہوا وہ زیادہ تر مصطفیٰ خاں کی سپہ سالاری میں تکمیل پایا اور اس زمانے میں اس نے بہت سارے قلعوں اور مختلف علاقوں کو جواب تک دشمنوں کے قبضے میں تھے فتح کر لیا۔ اور اس فتح شدہ کرناٹک کے وسیع حصہ ہائے ملک کو قلمرو عادل شاہیہ میں داخل کر دیا۔ اور پھر فتوحات کے بعد اس علاقے کا ایسا عمدہ انتظام کیا کہ کسی باغی یا مترو راہ کو اتنی اہمیت ہوتی تھی کہ اس کے خلاف سر اٹھائے۔ چونکہ علی عادل شاہ نے اس تمام فتح شدہ ملک کو سہ علاقہ بکا پور، مصطفیٰ خاں جاگیر میں دے رکھا تھا اسلئے اس نے یہاں کا انتظام عمدہ طریقے پر کیا اور اس وسیع علاقے سے اسے اتنا کثیر خراج وصول ہوتا تھا کہ اس کی اپنی یہ ایک چھوٹی سی ریاست تھی جو نیا علاقہ فتح کرتا تھا اس کو وہاں کے راجہ پر اسی صورت میں بحال رکھتا کہ وہ سالانہ پیشکش بخوشی ادا کرے۔ اس طریقے سے کئی جاگیرداروں زمینداروں اور چھوٹے چھوٹے راجاؤں کے گرد و گرد اس کی ماتحتی میں تھے۔ غرض یہ سب اس کی کاردانی اور صائبانہ تدبیر تھی جس نے اسے ترقی کے اس زمین پر پہنچایا۔ حالانکہ جب اس نے ابتداء ہندوستان کی سرزمین پر قدم رکھا ہے تو بالکل بے یار و مددگار اور بے خانماں مگر رفتہ رفتہ وہ اب اس درجہ پر پہنچ چکا تھا کہ بادشاہوں کا بھی مقابلہ کر سکتا تھا۔ حقیقت میں مصطفیٰ خاں کی طاقت و قوت اور اس کا اثر اتنا زبردست تھا کہ بجائے ایک کشور خاں کے دس کشور خاں بھی اس کے مخالف ہو جاتے تو اس کا کچھ نہ بگاڑ سکتے کیونکہ وہ اپنی جاگیر ہی سے بے حد مستحکم اور طاقتور ہو چکا تھا اور بڑی زبردست قوت حاصل کر لی تھی مگر بد قسمتی یہ ہوئی کہ اس کو اس کا علم نہ ہو سکا کہ وہ شطرنج کی کس چال کا شکار ہو گیا ہے، اور محض دھوکہ میں آکر مارا گیا اور ساتھ ہی یہ بھی کھدینا ضروری ہو گا کہ باوجود اتنی طاقت اور ایسی کثیر دولت کے کبھی اپنے بادشاہ یا ملک کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی۔ نیکر امی اس کی سرشت میں ہی نہ تھی، ورنہ

ایک ایسے ذرائع اور اثرات والے شخص کے لئے یہ کچھ مشکل نہ تھا کہ ذاتی فائدے کے لئے براہیم کی کسی میں جبکہ دارالسلطنت میں اُمراء کے درمیان ایسے اختلافات پیدا ہو چلے تھے، ملک میں اک شورش یا ہنگامہ برپا کر دے۔ وہ ہمیشہ ملک کی فلاح و بہبود کا ہی خواہاں رہا کرتا تھا۔ اور اس مقصد کے حاصل کرنے کیلئے اس نے اپنی جان سے تک دریغ نہ کیا۔ غرض مصطفیٰ خاں مختلف خوبیوں کا حامل تھا۔ اور حقیقت میں مصطفیٰ خاں کو برسرِ کار آئیکہ موقع ملتا تو وہ ملک کا ایسا ٹھیک انتظام کرتا کہ دو سارے جھگڑے اور نا اتفاقیوں جو اس دوران میں مختلف متولیان ریاست کے درمیان پیدا ہو چلی تھیں وہ جو دیئے جاسکتے۔ اور ملک اس کی دیرینہ کاری اور تجربہ کاری سے بہت کچھ فائدہ حاصل کرتا۔

جہاں مصطفیٰ خاں کی ان خاموشیوں کا ذکر کیا گیا ہے اُس کی چند کمزوریوں کا ذکر کر دینا بھی لازمی ہے۔ کمزوریاں بشریت کا جزو لا ینفک ہیں۔ کیونکہ انسان صرف خوبیوں کا ہی حامل نہیں ہو سکتا۔ ایسی ہستی جو خطا و قصور سے بالکل معز ہو وہ انسانی ہستی نہیں کہلائی جائے گی، بلکہ اس کو مافوقی انسان ہستی کہنا مناسب ہوگا۔ غرض اُس کی کمزوریوں اور خامیوں کا جائزہ لینے کے بعد زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ مصطفیٰ خاں اک انسان تھا کوئی فرشتہ نہ تھا، اس کی ان کمزوریوں میں زیادہ تر قابل ذکر اُس کی تند خوئی اور سخت گیری ہے۔ اپنے ماتحتین کے ساتھ نہایت سختی کا برتاؤ کرتا تھا، اور اُن کے معمولی سے معمولی قصور سے درگزر نہ کرتا تھا گو فراغِ حوصلہ تھا اور سلوک کے معاملے میں پیچھے نہ ہٹتا تھا، مگر اُس کی سختی اور تند خوئی نے اُسے بہت بدنام کر رکھا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اُس کا اک حکیم انتقالِ مومیائی کہیں رکھ کر بھول گیا، چند روز کے بعد معلوم ہوا کہ فراموش اور نوکروں نے اُس مومیائی کو پاکر آپس میں تقسیم کر لیا ہے اور چٹ کر گئے ہیں۔ اس کی تحقیق کی گئی تو بڑا میاں دیو کا جرم ثابت ہوا، مصطفیٰ خاں بہت برہم ہوا اور حکم دیا کہ ان سبھوں کو خوب جیسی طرح سزا دی جائے۔ اُن کو اتنی زد و کوب کی گئی کہ وہ تاب نہ لا کر مر گئے، اُس کے ماتحتین کو اُس کا اتنا خوت تھا کہ کوئی کام اُس کے خلاف مضمی نہ کر سکتے تھے۔ بسائین کے مصنف کا بیان ہے کہ تقریباً ساٹھ سال وہ دکن میں مقیم رہا اور اس طویل عرصے میں اُس کے مطبع کا ایک مینی کا برتن ٹوٹنے یا ضائع ہونے نہ پایا، اور اگر سوائے اتفاق سے کوئی برتن ضائع بھی ہو جاتا تو جس کسی کے ہاتھ یہ نقصان ہوتا وہ اپنے پاس سے اُس کی قیمت ادا کر دیتا تھا یا ویسا ہی

برتن مول دیتا۔ اُس کی تہذیبی اور سخت گیری سے بڑھ کر اُس کا غرور و تکبر تھا۔ اپنے اس تکبر و غرور کی بنا پر ہی اُسے قلعہ شاہی عمارت سے نکلنا پڑا۔ قلعہ شاہ کی ناراضی کے وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ بہت زیادہ مغرور و متکبر ہو گیا تھا۔ غرض اُس کی سیرت کی یہ دو کمزوریاں اُس کے دامن شہرت و کمال پر ایک بدنامی بنیں۔ مصطفیٰ خاں کو اصلی عدو خاں میں پیش کرنے اور اُس کی کھلی خدمات و انتظامات کے اعادہ اور اعتراض کے بعد اُس کے قتل کے واقعہ کی طرف توجہ کی جاتی ہے۔ اُس کی کھلی تاریخ سے واقف ہونے اور اُس کی سیرت کی خوبیاں کا اندازہ کرنے کے بعد اُس کے قتل کی اہمیت اور اُس کے اثرات کو بھی طرح سمجھا جاسکتا ہے۔ اور اسی غرض سے یہ تفصیلی حالات دئے گئے ہیں۔

مصطفیٰ خاں کا قتل | جب کشور خاں کی کارروائیوں سے ہر شخص بدظن و خائف ہونے لگا تو کشور خاں کو بھی اپنی جان کی پڑی۔ کسی نہ کسی طرح اُس کے کانوں تک یہ بات پہنچ گئی تھی کہ امرا اور اعیان سلطنت میں سے اکثر کی رائے ہے کہ کشور خاں کو معزول کر کے مصطفیٰ خاں کو اُس کی جگہ بنیاد و متولی بنایا جائے۔ اور اس قسم کی ایک درخواست بھی ملکہ چاند سلطانہ کے پاس گزرائی گئی ہے کہ کشور خاں نے جب یہ گن سن سنی تو اُس نے اپنے بچاؤ کی یہ تدبیر نکالی کہ مصطفیٰ خاں کو ہی قتل کر دیا جائے تاکہ معزولی کا کھٹکا ہی باقی نہ رہے۔ اس غرض سے اُس نے مصطفیٰ خاں کے خلاف ایک زبردست سازش کی اور اس میں کامیاب رہا۔ اُس کی تفصیل یہ ہے۔

کشور خاں نے محمد امین نامی شخص کو جو ایک غریب زادہ تھا، نور الدین محمد کے پاس ایک فرمان کے ساتھ روانہ کیا جس پر شاہی مہر لگی ہوئی تھی جو نور الدین محمد کی سلطنت ہونے کے اعتبار سے ہمیشہ کشور خاں کے پاس رہتی تھی لہذا اُس نے باسانی ایک فرمان مصطفیٰ خاں کے قتل کی بابت لکھا، اور ملکہ چاند بی بی کی اطلاع کے بغیر اُس پر شاہی مہر لگا دی، اور اس فرمان کو شخص مذکور یعنی نور الدین کے پاس روانہ کیا۔ نور الدین اتفاق سے ایسی سرشت کا آدمی تھا کہ عجمی اُس پر ختم معلوم ہوتی ہے۔ شخص مشہد کار ہونے والا تھا اور سید بھی تھا۔ مصطفیٰ خاں نے اس کی بڑی مدد کی تھی حوالی بنگا پور میں اُسے جاگیر دے رکھی تھی۔ غرض مصطفیٰ خاں کے اس شخص پر بہت احسانات تھے۔ وہ اپنی ساری ترقی کے لئے

اگر کسی کا مسنون تھا تو وہ مصطفیٰ خاں تھا۔ مگر دنیا کے لالچ کے آگے اس بدنفس شخص نے اپنے محسن کے تمام امانات بھلا دیں، اور مصطفیٰ خاں کے قتل کے معاملہ میں وہ کشور خاں کا بھتیجا ہو گیا۔ محض اس امید پر کہ اس کام کے صلے میں اسے بہت سی جاگیراں وغیرہ مل جائیں گی جب اس نے دیکھا کہ مصطفیٰ خاں کی تمام جاگیراں اس پر بحال کئے جائیں گی وہ وعدہ کیا گیا ہے تو اس کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اور اس نے ٹکڑی پر پیکر باندھ لی بغرض وہ محمد امین کو ہر طرح مدد دینے کے لئے تیار ہو گیا۔ فوراً وہاں کے زمینداروں اور نالکوں کو ملانے لگا۔ طرح طرح کے جھوٹے افسانے مصطفیٰ خاں کے خلاف لکھ کر ان کو برا بھلا کہنے لگا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی جتلیا کہ اگر پہلے سے ہی تم لوگ اس کا خاتمہ نہ کرو تو وہ تم سب کو تین بیخ کر دیگا۔ غرض اسی قسم کا جھوٹ سچ بک کر اس نے اہل قلعہ اور اطراف و اکناف کے نالکوں کو اس کا سخت مخالف بنا دیا اور اپنا راستہ ہموار کر لیا۔ ساتھ ہی ان سے اطمینان کے وعدے کئے گئے۔ اس طریقے سے جب اس کا راستہ صاف ہو گیا تو محمد امین کو اس نے قلعہ کے اندر بھیج دیا جہاں مصطفیٰ خاں رہتا تھا۔ محمد امین سرشام قلعہ پہنچا اور مصطفیٰ خاں کو پیام دیا کہ وہ اس کے نام اک شاہی فرمان لایا ہے۔ مصطفیٰ خاں نے یہ سنا کہ اس کا خیر مقدم کیا اور خوب آؤ بھگت کی شب بصری کے لئے مناسب انتظام کر دیا۔ محمد امین نے مصطفیٰ خاں سے کہہ دیا تھا کہ اب رات زیادہ ہو گئی ہے اس لئے صبح ہی کو وہ فرمان اس کے حوالہ کر دیا جائیگا۔ مصطفیٰ خاں بالکل خالی الذہن تھا اس لئے اس کو کچھ شبہ نہ گزرا۔

جب رات کو سب سو رہے تو محمد امین کو موقع ملا کہ قلعہ کے چند اور نالکوں کو ہمارا کر لے ان کو ہزار کروڑ حیلہ مصطفیٰ خاں کے قتل پر راضی کر لیا۔ علی الصبح مصطفیٰ خاں نماز فجر کی ادائی میں مشغول تھا کہ یہ موزی بھیکے سے وہاں جا نکلا۔ اور اسی بے خبری کے عالم میں مصطفیٰ خاں پر حملہ کر کے اس کا وہیں کام تمام کر دیا۔ مصطفیٰ خاں نے تڑپ تڑپ کر جان دی اس طرح وہ ان مفسدین کی مکاریوں اور حیلہ بازیوں کا شکار ہوا۔

مصطفیٰ خاں کے قتل کی نسبت فرشتے نے جو قصہ بیان کیا ہے اسے اوپر قلمبند کیا گیا۔ مگر بسا تین کے مصنف نے اس واقعہ کو بالکل دوسرے طور پر بیان کیا ہے۔ بظاہر اس اختلاف کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی

کیونکہ عموماً بسائین کا مصنف فرشتے کے بیانات کی تصدیق و توثیق کرتا ہے چونکہ یہ ایک اہم اختلاف ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کو بھی درج کر دیا جائے کیونکہ خاں نے مصطفیٰ خاں کے قتل کے لئے اپنے ہم خیال پانچ چھ امیروں کو ایک فوج دے کر ضلع لمبارو روانہ کیا کہ وہ مصطفیٰ خاں کے استیصال کی فکر کریں اور اسے قتل کر ڈالیں۔

جب مصطفیٰ خاں کو اس کی خبر ہوئی تو وہ بھی مقابلہ کی تیاریاں کرنے لگے۔ دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا مصطفیٰ خاں کو شکست ہوئی اور وہ فرار ہو گیا۔ اتفاق سے ایک قلعہ کے پاس پہنچا جس پر کوئی ہندو زمیندار قابض و متصرف تھا۔ مصطفیٰ خاں اس قلعہ میں پناہ لینا چاہتا تھا چنانچہ اس نے اس ہندو زمیندار سے درخواست کی کہ کچھ مدد کرے۔ یہ زمیندار مصطفیٰ خاں کی مدد کے لئے تیار تو تھا مگر چونکہ کشور خاں کی فوج بہت قریب تھی اس لئے قلعہ کا دروازہ کھولنا مناسب نہیں سمجھا کہ کہیں مصطفیٰ خاں کے ساتھ وہ فوج بھی اندر گھس آئے۔ لہذا قلعہ کی فصیل سے ایک رسی چھوڑی گئی جس کی مدد سے مصطفیٰ خاں کو اوپر لینا منظور تھا۔ مصطفیٰ خاں رسی کی مدد سے آدھی دیوار تک چڑھ گیا تھا کہ کشور خاں کے فوجی آپہنچے اور انھوں نے تیزی کے ساتھ آگے بڑھ کر مصطفیٰ خاں کو اس کا ایک پاؤں پکڑ کر کھینچ لیا۔ مصطفیٰ خاں نہایت بُری طرح نیچے آ رہا اس کو گرفتار کر لیا گیا۔ فی الحال اسے قلعہ بنکا پور میں محبوس کر دیا گیا۔ تھوڑے عرصے کے بعد کشور خاں کے اشارے سے مصطفیٰ خاں کا اسی قلعہ میں خاتمہ کر دیا گیا۔ اس طرح اس نیک نفس، شریف اور خوش سیرت انسان کا نہایت بیدردمی کے ساتھ ان ظالموں کے ہاتھوں قتل عمل میں آیا۔

علاوہ اسکی سیرت کی خوبیوں کے وہ ایسے پایہ کا امیر تھا کہ اس کے قتل سے پوری ریاست میں ایک بے مینی اور ناراضی کی لہر دوڑ گئی۔ وہ عمارت سلطنت کا سب سے زبردست سب سے قدیم اور سب سے زیادہ اہم ستون تھا۔ ایسے ستون کا منہدم کرنا گویا عمارت کے انہدام کی ابتدا کرنا تھا اسلئے مصطفیٰ خاں کا قتل محض ایک شخصی واقعہ ہی نہیں رہا، بلکہ انتہا درجہ کی اس کو سیاسی اہمیت حاصل ہو گئی اور خصوصاً جو شخص

مصطفیٰ خاں کے قتل کا باعث ہوا تھا۔ محض مصطفیٰ خاں کا دشمن نہیں بلکہ پورے ملک اور پوری ریاست کا دشمن سمجھا گیا کیونکہ کوئی شخص ہی خواہ سلطنت و قباداران ریاست کا دشمن نہیں ہو سکتا۔ یہی خواہاں ریاست اور ہوا خواہاں دولت عادل شاہید کی بربادی کا درپے ہونا صاف اس امر کی دلیل تھی کہ سلطنت بیجا پور کی بربادی کا بیڑا اٹھایا جا رہا ہے۔ غرض مصطفیٰ خاں کے قتل کی خیرج بہر ہوئی تو تمام ملک میں ایک سنسنی سی پیدا ہو گئی۔ کیا امیر اور کیا غریب سب محسوس کرنے لگے کہ کشور خاں کے طور ٹھیک نہیں اور اس کے انداز بتا رہے ہیں کہ وہ ریاست کا دشمن ہے۔ قاعدے کی بات ہے کہ جب بڑے سے بڑے آدمی پر بھی برا وقت آتا ہے تو دنیا اس کی برائیاں بھول جاتی ہے۔ اور عوام کی ہمدردیاں اس سے وابستہ ہو جاتی ہیں۔ قتل کیا جانا تو بہت بری بات ہے۔ موت اور خصوصاً حسرتناک موت انسان کو بھی پس مردن بری حد تک ہولناک کر دیتی ہے۔ اور لوگ ایسے شخص کو مظلوم شہید اور بزرگ سمجھنے لگتے ہیں۔ تاریخ میں اس کی بیسیوں مثالیں ہیں۔ اک نہایت دلچسپ مثال تاریخ انگلستان میں ملتی ہے۔ چارلس اول جب تک زندہ رہا کہ ملعون اور غیر مرد دل عزیز بادشاہ تھا جب کیا رگی اسے نا انصافی کے ساتھ قتل کر دیا گیا تو پورے ملک میں اک کہرام مچ گیا اور تمام قوم کے جذبات اس کی موافقت میں ایسے ابھرے کہ وہ اسے شہید اور بزرگ تصور کرنے لگی چنانچہ جب وہ قتل ہوا ہے تو اس کے خون میں اکثر لوگوں نے بطور اظہار سعادت اپنی دستیاں اور کپڑے لٹکائے۔ غرض یہ دنیا کا قاعدہ ہی ہے مطلب یہ ہے کہ برا آدمی بھی اگر بیدردی سے قتل کیا جائے تو اکثر لوگوں کی ہمدردی اس کے ساتھ وابستہ ہو جاتی ہے۔ مصطفیٰ خاں کے بزرگان اپنے زمانے کا بہترین آدمی تھا۔ اور باوجود اپنی دوچار کمزوریوں کے وہ ملک میں بہت عزت اور وقعت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ اور ملک کا قدیمی غیر خواہ اور محسن تصور کیا جاتا تھا۔ بلا خوف تردد یہ کہا جاسکتا ہے کہ محمود گکواں کو بیدردی اور جنگی خاں کو احمد نگر میں جو ہر اعزیزی حاصل تھی اگر اس سے زیادہ نہیں تو تقریباً اتنی ہی اسے اپنی ریاست میں حاصل تھی۔ خاندان شاہی کو اس پر بڑا اعتماد تھا۔ اور اسے ایک ایسا شخص تصور کرتے تھے جس سے اڑے وقت ہر طرح کی مدد طلب کی جاسکتی ہے۔ اس طریقے سے مصطفیٰ خاں سیاسی طور پر ذاتی طور پر دشمنیوں کی بنا پر ملک میں اک باوقار شخص تھا۔ اور پھر وہ سادات سے بھی تھا۔ عموماً سادات کو عزت کی نگاہوں سے دیکھا

جاتا ہے اور ان کی تنظیم و توثیق کی جاتی ہے۔ ان کا خون بہانہ ان کے فعل شنیدنیہ یا کیا جاتا ہے یہ پرائے احساسات خیالات ازمنہ و سلی کی زندگی میں اک زندہ اہمیت رکھتے تھے۔ اس طریقے سے عوام کی نظروں میں جن کی نظر سے اس قتل کی سیاسی اہمیت پوشیدہ تھی یہ فعل اس نقطہ نظر سے بہت زیادہ قابلِ غور اور لائقِ ملاحظہ تھا۔ سید کا خون بہانے والے کو وہ نینید اور نینید زاد سمجھتے تھے اور جو مقتول سید سے ذاتی طور پر واقف تھے وہ اُس کی خوبیوں کو یاد کر کے روتے تھے۔ ایسے نیک نفس آدمی کا قتل ان کے نزدیک صرف اُسی سے ہو سکتا تھا جو شیطان بصورت انسان ہو یا جس میں ابلیسیت سرایت کر گئی ہو۔

امراء اور اعیان دولت سب سے زیادہ اس حرکت سے فائدہ ہوئے۔ کیونکہ جو شخص مصطفیٰ خاں جیسے شخص کے خون سے اپنے ہاتھوں کو رنگنے سے نہ چو کھا جو جو فاداروں اور سہی خواہوں کا اس طرح شکن ہو گیا ہو اُس سے اور کیا توقع کی جاسکتی ہے سوائے اس کے کہ آہستہ آہستہ وہ باقیماندہ امراء و اعیان پر بھی ہاتھ ماف کرنا شروع کرے جو اُس کا ساتھ دینے کے لئے تیار نہ ہوں۔

غرض ملک کا کوئی طبقہ ایسا نہ تھا جو اس فعل سے سخت ناراض نہ ہو اور شاہی خاندان سے لیکر طبقہ عوام تک ہر شخص اس ماتم میں شریک ہوا، اور اس قتل کا باقی پورے ملک کا ملعون و معتوب ہوا۔ حقیقت میں کشور خاں نے یہ حرکت ایسی کی تھی جو اصول تدبیر سے بہت بعید تھی۔

اس نتیجہ پر بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اُس میں سیاست دانی اور زمانہ فہمی کی قابلیت قطعاً نہیں تھی صریح محمود گادال کے قتل پر تمام امراء اور عوام محمد شاہ سے بیزار اور ناراض ہو گئے اور جس طرح محمود گادال کا قتل اس کے قاتل یعنی بادشاہ اور اُس کے خاندان کی حکومت کے لئے ہلک ثابت ہوا اسی طرح مصطفیٰ خاں کے قتل سے تمام ملک کشور خاں سے ناراض ہو گیا۔ اور اُس کا یہ فعل خود اس کی بربادی کا موجب ہوا۔ چاند بی بی کا مجبور کیا جانا | اس کا پہلے ہی ذکر کر دیا گیا ہے کہ مصطفیٰ خاں کے قتل کا فرمان چاند بی بی کے استمراج کے بغیر نکالا گیا تھا، اس لئے اندرونی کارروائی سے چاند بی بی قطعاً بے خبر تھیں، جب یہ خبر عام ہوئی کہ مصطفیٰ خاں اس بیدردی کے ساتھ ہلاک کر دیا گیا ہے تو چاند بی بی کو حیرت بھی ہوئی اور غصہ بھی آیا۔ اُس نے کشور خاں کو اس کے اس طرز عمل پر بہت برا بھلا کہا اور سختی سے پیش آئی۔ اس کا اثر

تو چاند بی بی کے حق میں بہت مضر ہوا۔ کیونکہ کشور خاں نے اب چاند بی بی کے خلاف کارروائی شروع کر دی۔
 کشور خاں کے دل میں یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ چاند بی بی ایک تو مصطفیٰ خان کے قتل کی وجہ سے اس سے
 سخت ناراض ہو گئی ہے اور اس کو سخت مسرت کلمات سنا چکی ہے اور دوسری طرف اُمرا بھی براہم تھے۔
 اب ایسے وقت میں کام اچھوڑنا دشمن کو نیم جان کر کے ہاتھ کھینچ لینا ہے۔ سوئے ہوئے فتنوں کو جگا کر انھیں پوری طرح
 فتنہ کرنا انتہا درجہ کی حماقت ہے۔ یا تو اس کارروائی کی طرف قدم اٹھایا ہی نہ جاتا یا اب تو پہلے زین پر قدم
 رکھ دیا گیا ہے تو اس کو مکمل کر کے چھوڑنے ہی میں خیریت ہے۔ درجہ مصطفیٰ خاں کے قتل سے ہی پورا ملک اتنا بگڑا بیٹھا
 ہے کہ اگر ذرا سی غفلت کی جائے اور اُمرا کو چاند بی بی سے ایک اتحاد کرنے کی جھلک دی جائے تو پھر جان کی خبریں
 اس لئے اب جو مصطفیٰ خاں کو قتل کر دیا گیا تو ساتھ ہی چاند بی بی کو بھی مقید کر کے دشمن کو بے دست و پا کر دینا چاہیے
 تاکہ بادشاہ بالکل اختیار میں آجائے اور اُمرا کو چاند بی بی کی طرف سے کسی قسم کی ہمت نہ رہے اس انتظام کے بعد
 بھی جو اُمرا سر اٹھائیں گے ان سے سمجھ لیا جائے گا کہ کشور خاں کے غالبیابی خیالات تھے اسی بنا پر اس نے ہتھیار
 کر لیا کہ فی الحال چاند بی بی کو قید کر دیا جائے۔ علاوہ انہیں وہ چاند بی بی کی طبیعت سے بھی خوب واقف تھا۔ وہ
 جانتا تھا کہ چاند بی بی ان مردانہ ہمت رکھنے والی عورت ہے۔ اس کو حکومت کرنے کا چسکہ لگ گیا ہے۔ وہ حکومت میں
 کسی کو اپنا شریک نہیں رکھنا چاہتی بہت ممکن ہے کہ اس کی یہ مرضی ہو کہ براہیم کے پردے میں خود حکومت کرے
 اور متولیان ریاست محض اس کے احکام کی تعمیل کے لئے اس خدمت پر فائز رہیں۔ یہ اندیشہ اس وجہ سے اور بھی
 بڑھ گیا کہ اس وقت احمد نگر میں بھی صورت حال تھی۔ نوزاد ہمایوں سلطان اپنے بیٹے قاضی نظام شاہ کی کسمپرسی
 فائدہ اٹھا کر خود حکومت کر رہی تھی۔ اور اس کا یہ مقصد تھا کہ نام تو مرتضیٰ کار ہے لیکن حقیقی حکومت کر نیوالی وہی ہو۔
 کشور خاں ڈر رہا تھا کہ کہیں چاند بی بی اسی صورت کی عورت نہ ہو۔ اگر صورت حال ایسی پیدا ہو جائے تو حکومت کے
 دو دو عویدار ہو جاتے ہیں ایک تو خود کشور خاں جس کے ہاتھ میں اس وقت اقتدار تھا۔ دوسرے چاند بی بی۔
 جہاں قوت و طاقت کے دو عویدار ہوں اختلافات کا پیدا ہونا لازمی ہے۔ اسی بنا پر ہم دیکھتے ہیں کہ کچھ تو
 واقعات کے رنگ ڈھنگ کی بناء اور کچھ غلط فہمیوں کی وجہ سے چاند بی بی اور کشور خاں کے درمیان مخالفت
 پیدا ہو جاتی ہے۔

ان اختلافات اور ان اندیشوں کی بناء پر کشور خاں نے یہ ٹھان لیا کہ قبل اس کے کہ چاند بی بی دوسرے امر سے لکڑے کھانے کی تدبیر کرے (جیسے کہ اُس نے کامل خاں کو خود اُس کے ہاتھوں کھلویا تھا) اُس کا زور توڑ دینا چاہیے اور اُس زور کے توڑنے کی نہایت آسان ترکیب یہ تھی کہ کچھ عرصے کے لئے اُسے حکومت سے بے دخل کر کے نظر بند یا محبوس کر دیا جائے۔ اس طرح اُس کا رہا سہا دشمن جو اُس کے لئے مارا ستیں ہے وہ بھی بیدست و پا ہو جاتا ہے اور جب وہ بیکارگی چاند بی بی پر قابو پائے تو ملک و رملک والوں کی کیا مجال کہ اُس کا مقابلہ کر سکیں۔ مگر یہاں کشور خاں نے پھر غلطی کی جس طرح اُس کا خیال تھا کہ مصطفیٰ خاں کے قتل سے اُس کے نام کی دہشت لوگوں کے دلوں پر ایسی بیٹھ جائے گی کہ کسی کو اُس کے مقابلے کی تاب نہ رہے گی اسی طرح اب وہ سمجھتا تھا کہ چاند بی بی کو قید کرنے سے وہ اپنی تدبیر کی کڑیوں کی تکمیل کر رہا ہے حالانکہ حرکت ایسی تھی جو اہل ملک کے صبر کے پیالہ کو لبریز کر دینے والی ثابت ہوئی کشور خاں کو اپنے نزدیک سمجھ رہا تھا کہ اس کا رروائی سے وہ اپنے آپ کو مستحکم کر رہا ہے لیکن حقیقت میں اُس کے اقتدار کی جڑیں اندر سے کھوکھلی ہوتی جا رہی تھیں اور خود یہ حرکتیں اُس کے زوال کا باعث ہوئی والی تھیں۔

غرض مصطفیٰ خاں کے قتل کے بعد کشور خاں کا دوسرا اہم کام چاند بی بی کا قید کرنا تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اپنی اس غلط پالیسی میں (جس کو وہ اپنی استحکامی پالیسی سمجھا ہوا تھا) اتنی دور نگاہ چکا تھا کہ اُس کو بدلنا یا اُس میں تبدیلی کرنا قطعاً ناممکن تھا۔ صرف ناممکن ہی نہیں بلکہ یہ چیز خود اُس کے لئے مہلک ثابت ہوئی۔ اگر کشور خاں سمجھتا بھی کہ اُسکی اختیار کردہ پالیسی کو قائم رکھنے اور آگے بڑھانے سے خود اس کا نقصان ہوگا تو ساتھ ہی وہ یہ بھی محسوس کر لیتا کہ اُس کا اس پالیسی کو اس زمین پر ترک کر دینا بھی باعث ہلاکت ہوگا۔ کیونکہ مصطفیٰ خاں کے قتل اور اُس کی عام پالیسی سے ملک اس قدر ناراض ہے کہ یہی اسباب اُس کی بربادی کے لئے بہت کافی ثابت ہوں گے۔ اگر چاند بی بی کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو اس سے کشور خاں کے حق میں کچھ اچھے نتائج برآمد ہوتے۔ اور وہ اپنی گزشتہ کارروائیوں کی منزا بھٹکتے بغیر رہتا۔ بلکہ اُس کی بربادی بہت جلد عمل میں آتی۔ امر اور چاند بی بی متحد ہو جاتے اور اُس کی ان سب غلط کارروائیوں کا مواخذہ کرتے۔ اسلئے اس لئے اُس کے نزدیک یہ بھی ہو تو فی تھی کہ یہاں تک پہنچ کر اب عین وقت پر دشمنوں کو موقع دیدیا جائے کہ

اُس کے خلاف جو چاہیں کریں اس خیال کی ملک کشور خاں کا اندازہ ٹھیک تھا چاند بی بی کو اگر کشور خاں قید نہ کرتا تو خود چاند بی بی اُس کو اس طرح مفلکودیتی جیسے کہ کامل خاں کو اُس نے بھکھوایا تھا۔ اُمراؤ محض اُس کے اشارے کے منتظر ہی تھے۔ اگر ذرا اشارہ پاتے تو وہ کشور خاں پر بھوکے شیروں کی مانند ٹوٹ پڑتے۔ لہذا کشور خاں نے چاند بی بی کو جو قید کیا تھا ایک طریقے سے اپنی حفاظت کے لئے تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ فی الحال دشمن کو قابو میں تو کر لیا جائے اُس کے بعد جو کچھ الٹ پڑے اُس کا تصفیہ کر لیا جائے گا۔ غرض چاند بی بی کا قید کیا جانا کشور خاں کی اختیار کردہ پالیسی کے لازمی نتائج میں سے تھا۔ وہ اگر اُس کو مائلنا بھی چاہتا تو اُس وقت تک نہ مائل سکتا جب تک کہ اُس کی مرضی یہ نہ ہو کہ خود اپنے ہاتھوں وہ اپنے مخالفین کے پنجے میں پھنس جائے۔

اب چاند بی بی کے قید کرنے کے لئے کسی بہانہ کی ضرورت تھی بیشل مشہور ہے کہ حلیہ جو راہبانا بسیار اُس نے چاند بی بی کے سر پر اتھام لگایا کہ وہ اپنے بہائی نظام شاہ سے خفیہ مراسلت کرتی ہے اور بیجا پور کے حالات سے اُسے آگاہ رکھتی ہے۔ اُس کا مقصد یہ ہے کہ بیجا پوری سلطنت نظام شامیوں کے زیر اثر آجائے۔ غرض اس طرح جھوٹی باتیں شہور کر کے اس امر کی کوشش کی گئی کہ چاند سلطانہ کو خدا اور ملک فروش ثابت کیا جائے۔ یہ محض عوام کے جذبات کو بھڑکانے کی ترکیب تھی اور غایت یہ تھی کہ ملک چاند سلطانہ کا مخالف بن جائے اور اُس کے قید کرنے کو اس حق بجانب فعل تصور کرے۔ مگر ملک کشور خاں سے خوب واقف ہو گیا تھا۔ وہ اُس کی ان دھوکہ بازیوں کے سننے کے لئے تیار نہ تھا جب کشور خاں نے چاند بی بی پر یہ اتھام لگایا اور ساتھ ہی حکم دیا کہ اُس کو قید کر کے قلعہ ستارہ بھیج دیا جائے تو پورے ملک میں اک کہرام مچ گیا کیونکہ جبرکت بالکل ایسی تھی کہ جس کی مثال عادل شاہی خاندان کی تاریخ میں ملنی مشکل تھی بجمال خاں نے یقیناً بغاوت کی ٹھانی تھی۔ اسماعیل (عادل شاہ) اور اُس کی والدہ بوبو جی خانم کو عملی طور پر تھوڑے عرصے کے لئے ایک مدت تک نظر بند کر رکھا تھا۔ مگر اُس کی غذا محض اُس کے خیال تک رہی مکمل عملی جامہ پہننے نہ پائی تھی کہ اُس کا خاتمہ ہو گیا۔ اسی طرح کامل خاں نے چاند بی بی کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کی تھی مگر اب تک کسی کی ہمت نہ تھی کہ خاندان شاہی کے کسی بچے کی بھی یوں عزت ریزی کرے اور اُس کے ساتھ ایسا ذلیل سلوک کرے۔ حرم شاہی کے لونڈیوں کی بھی عزت کی جاتی تھی۔ یہ تو ملکہ ہوئی اور ملکہ بھی ایسی با عظمت و با وقار

کہ اُس کی سلطنت و شوکت کا سکہ صرف اہل دکن کے دلوں پر چمکا ہوا تھا بلکہ اُس کی شہرت کے آواز سے شمالی ہند میں اکبر کے دربار تک پہنچ چکے تھے۔ علاوہ بریں اُس کی ہر دلعزیزی کا یہ عالم تھا کہ وفادار اور ہاں بخواران سلطنت جہاں اُس کا پسینہ پئے ہو ہوا سنے کے لئے تیار تھے۔ اُس کی یہ ہر دلعزیزی کچھ بے غرضی بھی نہ تھی اُس نے اپنی پوری زندگی کو اپنے ملک اور اپنی سلطنت کی خدمت کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ اُس کے ان گنت احسانات ملک اور اہل ملک پر تھے۔ اُسکی کے سائے عاطفت میں اس ریاست کا اک ہونہار بادشاہ پرورش پا رہا تھا۔ غرض یہ وہ عورت تھی جس کی شجاعت، فراست، تدبیر اور دانائی نے پورے ملک کے دل کو موہ لیا تھا اور جو حقیقت میں ریاست بیجا پور کی اک بڑی محسن تھی۔ کشور خاں نے اپنی انتہائی بیوقوفی کا ثبوت دیا کہ اک ایسی باغی ت اور ہر دلعزیزی ملک کی گرفتاری اور جس کا حکم دیا یہ وہ سری کلھائی تھی غالباً پہلے سے تیز تر جو اُس نے اپنے پیروں پر مار لی۔

جب محل کے خواجہ سراؤں کو حکم ملا کہ چاند سلطانہ کو محل میں گرفتار کر کے ستارہ روانہ کیا جائے تو بھلا خواجہ سراؤں اور اوفیٰ ملازموں کی کیا جہت کہ ایسی ملکہ کو گرفتار کر سکتے۔

جب کشور خاں نے دیکھا کہ کام یوں آسانی سے نکلتا نظر نہیں آتا تو اُس نے اپنے خاص ملازمین روانہ کئے کہ محل سے چاند سلطانہ کو نکال کر باہر لائیں۔ یہ نیاں ملکہ کو کشاں کشاں بعد از وقت و رسموائی محرم شاہی کے دروازے تک لائے اور یہاں سے وہ کشور خاں کے حکم سے ستارہ روانہ کر دی گئی۔ اور پھر اس پر طرہ یہ ہوا۔ اُس نے محرم سرا کی کینڑوں اور بونڈیوں کو بھی نکال دیا۔ اور یہ عورتیں ملکہ چاند بی بی کی پالکی کے ساتھ بھہرہ ہر بہمن یا بہال نیاہ

لے۔ فرشتہ اس واقعہ کی بابت یوں رقمطراز ہے کہ ”در حق چاند سلطانہ تہمتی و افتراءئی اندیشیدہ گفت ہمیشہ اخبار این طرف را بہر اور خود نظام شاہ نوشتہ بر ستونہ مالک عدالت پناہ تحریریں و ترفیب کی لایہ صوابا گشت کہ اور چند گاہ در قلعہ ستارہ نگاہ داریم و بعد از قرائت اندہم مطلقاً نظام شاہ باز بہ شہر و آوریم و چون چاند سلطانہ در بیرون آمدن از محرم سرا متکاہل و زربہ کشور خاں خواجہ سرایان و عورات خاصہ نمود و بہرون فرستادہ کشاں کشاں اس مہمہ علیہ را بہرون آوردند و در پالکی نشانیہ روانہ قلعہ ستارہ گردانیدند“

سایح فرشتہ ص ۱۰۷۔

گر یہ وزاری کرتی اور کشور خاں کو برا بھلا کہتی جاتی تھیں۔ دن کے وقت شہر کے گلی کوچوں میں نازنینان حرم کو اس طرح کھال باہر کرنا اور انھیں مجبوس کرنے کے لئے ستارہ روانہ کرنا یہ ایک ایسی حرکت تھی جس سے شہر والے دل ہل گئے۔ ان عورتوں کی بیکسی اور بے بسی کا یہ ایک ایسا عبرتناک منظر تھا کہ دیکھنے والوں کی آنکھوں میں خون اتر آیا ہوگا۔ سنگدل سے سنگدل شخص بھی ان عورتوں کی گریم وزاری کے ساتھ اپنی آنکھوں کو تر کئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا حقیقت یہ ہے کہ یہ عورتیں انہیں رو رہی تھیں بلکہ ان کے ساتھ پورا ملک رو رہا تھا۔ مگر چونکہ طاقت اُن کے ہاتھ میں نہ تھی لہذا خون کے گھونٹ پی کر خاموش تھے اور محض موقع کے متلاشی تھے کہ ان ستم خیزوں کا بدلہ لیا جائے۔ صاحبِ بسا تین نے سچ کہا ہے کہ اُس روز در شہر مصیبتی بود کہ از مصیبت روز علی عادل شاہ بدتر پورا ملک اک ماتم کہ بنا ہوا تھا اس ظلم کا نتیجہ یہ ہوا کہ کشور خاں ملک میں سخت بدنام ہو گیا اور لوگ اُس سے نفرت کرنے لگے مصطفیٰ خاں کا قتل اور چاند بی بی کا قید کیا جانا ہی کسی ایک شخص کو جو ان افعال کا باعث ہوا ہو غیر ہر لغزینہ بنانے کے لئے بہت کافی تھا مگر کشور خاں نے ان بیہودگیوں کو یہیں ختم نہیں کیا بلکہ اپنی بعد کی بعض حرکات سے اپنے کو اور بھی زیادہ قابلِ نفرت ثابت کر دیا۔

چاند بی بی کے نکالے جانے کے بعد اُس نے یہ حکم صادر کیا کہ محل میں متبنی عورتیں ہیں (جو علی عادل شاہ کے زمانے میں بغرض عیاشی جمع کی گئی تھیں) اُن کے عقد ثانی کر دئے جائیں حرمِ شاهی کی بعض کنیزوں اور خدمتگاروں کو اپنے متعلقین کے سپرد کر دیا۔ فی الواقع اگر دیکھا جائے تو یہ فعل اُس کا اتنا برا نہ تھا بلکہ ایک حد تک جائز اور شرعی انصاف کا حقون کئے بغیر یہ ناممکن ہے کہ کشور خاں کے اس فعل پر کسی قسم کا اعتراض کیا جائے یا اُس کی اس حرکت پر اُسے مجرم قرار دیا جاسکے خواہ اخلاقی اور اصولی نقطہ نظر سے کشور خاں کی یہ حرکت کتنی ہی حق بجانب کیوں نہ ہو لیکن اُس کے لئے یہ بھی مضر ثابت ہوئی۔ فی نفسہ بعض افعال نہایت اچھے ہوتے ہیں لیکن سیاسی اعتبار سے اُن کے نتائج مُفسرِ سترتب ہوتے ہیں چنانچہ یہاں بھی یہی ہوا کشور خاں کی اس حرکت کو اہل ملک نے اس پر محمول کیا کہ مائدانِ شاهی کو وہ ذلیل کرنا چاہتا ہے۔ عوام الناس کے نزدیک یہ ایک

ایسا فعل تھا کہ جس کی نظیر ملنی مشکل تھی! انھوں نے اپنے بادشاہ کے خاندان کی اس میں تحقیر و کجی کی شاہی حرم کی عورتیں معمولی عورتوں کی طرح یوں غیروں کے حوالے کر لئے جائیں۔ یوں بھی کشور خاں بدنام ہو چکا تھا اس کا یہ فعل اس کی بدنامی کے لئے سونے پر سہاگہ ہو گیا! انھی واقعات کے ضمن میں کشور خاں سے وہ کہنا سزا زدہ ہوئی جس کا باب دوم میں تفصیلاً تذکرہ کیا گیا جو اہرات والا قلعہ بھی اپنے اثرات پیدا کئے بغیر نہیں رہ سکا اور اس واقعہ سے بھی لوگوں کو خیال پیدا ہو گیا کہ کشید خاں کو ادب شاہی کچھ ملخوٹا نہیں رہا ہے۔ غرض یہ چھوٹی چھوٹی حرکتیں جو بجائے خود کوئی اہمیت نہیں رکھتیں ان واقعات کے ساتھ ملکر جن سے ملک سخت ناراض ہو چکا تھا کشور خاں کی بدنامی اور اشی کی بربادی کا باعث ہوئیں اس کا اندازہ لگانے کے لئے کہ ملک کشور خاں سے اس وقت کس درجہ نفرت تھی یہ بیان کر دینا کافی ہو گا کہ جب شہر میں کشور خاں بادشاہ کے ہمراہ نکلتا تو عورتیں اس کو سر باز کرکھتی، گالیاں دیتی، اور لعنت و ملامت کرتی تھیں، اور یہ علانیہ کبھی تھیں کہ یہ وہی موذی ظالم اور زید ہے جس نے کہ شاہی خاندان پر ایسے مظالم توڑے۔ چاند بنی، بی جیسی خیر خواہ سلطنت عورت کو جھوٹا الزام لگا کر قید کیا اور مصطفیٰ خاں صیبہ بزرگ اور نیک نفس سید کو قتل کیا اور اب ملک کی بربادی کا درپے ہے۔ غرض کشور خاں کے ظالمانہ طرز عمل کی بنا پر ملک کا ہر شخص اس کا مخالفت ہو گیا تھا۔

فوج کو قابو میں لاسنے کی تدابیر

ملک میں غیر ہر دلعزیزی کا تو یہ عالم تھا، لیکن کشور خاں اپنی دانست میں یہ سمجھے ہوئے تھا کہ وہ اپنی استحکامی کارروائیوں میں مصروف ہے اور انھیں بڑی کامیابی کے ساتھ تکمیل کو پہنچا رہا ہے کیونکہ جن لوگوں کی جانب سے اسے خطرہ تھا ان سے میدان صاف ہو گیا تھا۔ اب پورا اقتدار اس کے ہاتھ میں تھا۔ کوئی ہستی ایسی نہ تھی جس کی طرف سے کسی قسم کا اندیشہ ہو۔ مصطفیٰ خاں اور چاند بنی ہی دو بڑے دشمن تھے ان میں ایک کو نوگوشہ لحد میں سلا دیا گیا، دوسرے کو جیل خانہ کی

نہ۔ ملاحظہ ہو باب دوم مقالہ ہذا۔ کشور خاں کا والدہ ابراہیم کے پاس معمولی جواہرات کا سیخنا اور ان کی خفگی۔

ہوا کھلائی گئی۔ اب رہ گئے امراء اور وہ سرداران فوج جو اس وقت شاہ درگ میں اپنی فوجیں لئے ہوئے پڑے تھے اور دارالسلطنت کے ان واقعات کا خاموشی کے ساتھ مطالعہ کر رہے تھے۔ یہ لوگ محض اس فکر میں تھے کہ دیکھئے اونٹ کس کر دھڑ مٹھتا ہے اور کشور خاں کی یہ نیزنگیاں بالآخر کیا رنگ لاتی ہیں۔

اب اس وقت ضرورت اس امر کی تھی کہ ان امراء کو راضی کر لیا جائے۔ کیوں کہ جب فوج قبضہ میں آجائے گی تو پھر کشور خاں کا ہی راج ملک میں رہے گا۔ بادشاہ تو کس سے ہے جن امراء سے مخالفت کا اندیشہ ہے انہیں قتل کر دیا جاسکتا ہے اور جو ساتھ دینے پر آمادہ ہوں ان کی مزید تالیف قلوب کی جائیگی اور ان کے ساتھ نہایت اچھا سلوک کیا جاسکتا ہے، پھر تو کشور خاں من مانے حکومت کر سکتا ہے اور اپنا راج مناسکتا ہے۔ کوئی ایسی چیز رہ جاتی ہے جس کے لئے وہ بے چین و بے قرار رہے کشور خاں کی یہ پالیسی تھی، چونکہ اب اسے محض فوج کی جانب سے کھٹکا تھا وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ یہ ضرور جانتا تھا کہ یہ امراء اور سردار پہلے سے ہی بگڑے بیٹھے ہیں۔ اور انہی میں سے بعضوں نے چاند سلطانہ کو یہ صلاح دی تھی کہ مصطفیٰ خاں کو طلب کر کے کشور خاں کی جگہ اسے فائز کروایا جائے۔ اب انہیں لوگوں سے سابقہ تھا جو اس کے نمون کے پیادے تھے۔ فوج کو قابو میں لانے کی جو تدابیر اس نے اختیار کیں وہ یقیناً شادمانہ نظر سے دانشمندانہ تھیں مگر کشور خاں کی یہ پالیسی تھی کہ اس کا تیرنشاہ پر نہ لگا۔

اس کا تو پہلے ذکر کر دیا گیا ہے کہ کشور خاں کے اقتدار کے ابتدائی زمانے میں بیجا پور کی سرحد پر نظام شاہی اور قطب شاہی حملے ہو رہے تھے۔ ان کی روک تھام کے لئے ایک فوج روانہ کی گئی جس میں افضل خان عین الملک، آکس خان، اخلاص خان، حمید خان اور دلاور خان جیسے پایہ کے امراء موجود تھے۔ ان لوگوں نے غنیم کا مقابلہ کیا اور شکست بھی دی۔ اور شاہ درگ کے قلعہ میں سستانے کی غرض سے فوجیں بے پڑے تھے۔ اور ساتھ ہی پانچویں کشور خاں نے جو اوجھم چار کھی تھی اس کا بھی بغور مطالعہ کر رہے تھے اور اس پس پیش میں تھے کہ کیا کیا جائے یا پہلے بیجا پور کی طرف متوجہ ہو کر کشور خاں کے اختیارات سلب کر لئے جائیں اور اسے مغرور کر دیا جائے یا پہلے پورے طور پر غنیم کو آخری شکست دیکر پایہ تخت کی طرف توجہ کریں۔ اگر ان کو سید مرتضیٰ سر لشکر برار کے حملے کا اندیشہ نہ ہوتا تو غالباً پہلے وہ بیجا پور کی طرف توجہ کرتے۔ مگر بارہا ان کو خبریں پہنچ چکی تھیں کہ اک زبردست فوج کے ساتھ بہزاد الملک کی شکست کا بدلہ لینے کے لئے سید مرتضیٰ بیجا پور کی طرف قدم اٹھانے والا ہے۔ اسی فوج کی آمد کے

انظاریں وہ شاہ درگ میں شیرے ہوئے تھے۔ اسی عرصہ میں دارالسلطنت بیجا پور میں وہ تغیرات اور تبدیلیاں ہو رہی تھیں جن کا پچھلے صفحوں میں ذکر کیا گیا۔ ان متوحش خبروں کو سنکر یہ امراء اور بھی پریشان اور سراسیمہ ہو رہے تھے۔ انکی سبجہ میں نہ آتا تھا کہ کیا طر عمل اختیار کیا جائے۔ یہ بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ مین اس وقت پر جبکہ غنیم کے اک زبردست حملہ کا اندیشہ ہو سرحد کو غیر محفوظ چھوڑ کر پایہ تخت کے حالات درست کرنے کی غرض سے چل کھڑے ہوں۔ اگر وہ ایسا کرتے تو ان کو کشور خاں سے باقاعدہ مقابلہ کرنا پڑتا اور یہ بھی یقینی ہے کہ بغیر تلوار آزمائی کے کشور خاں کبھی ہار نہ مانتا۔ اس طرح اک خانہ جنگی کی صورت پیدا ہو جاتی۔ اگر اس خانہ جنگی کے وقت نظام شاہی فوج بیجا پور میں آچکے تو اندرونی فساد اور بیرونی حملے سے ریاست کی جوگت مٹی اس کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں اور پھر یہ بھی اندیشہ تھا کہ اگر ایسی صورت حال پیدا ہو جائے تو کشور خاں چاروں طرف سے مایوس ہو کر ممکن ہے خود سید مرتضیٰ سے مل جائے۔ اگر کشور خاں حملہ آور دشمن سے مل گیا تو کیا کیا آفتیں ملک پر نازل ہوں، مثل مشہور ہے ”گھر کا بھیدی لگا ڈھائے“ اس طرح یہ دونوں دشمن مل کر بیجا پور کی فوج کا چند گھنٹوں میں اگر فائر کر دیں تو کوئی تعجب کا مقام نہیں۔ غرض ان اندیشوں کی بناء پر امراء اور سرداران فوج نے مناسب نہ سمجھا کہ شاہ درگ سے باہر قدم رکھیں۔ حالانکہ متوحش سے متوحش خبریں پایہ تخت سے چلی آرہی تھیں مصطفیٰ خاں کے قتل کی خبر انھوں نے سنی، چاند بی بی کے قید کئے جانے کا حال معلوم کیا، کمزیران حرم کے ساتھ جو سلوک کیا گیا اس کی بھی کیفیت انھیں مل گئی غرض دارالخلافہ کی رتی رتی کی خبر سے وہ آگاہ تھے۔ لیکن پھر بھی کچھ کرتے دھرتے بن نہ پڑتی تھی کوئی ایسا موقع ہاتھ نہ آتا تھا کہ جس سے فائدہ اٹھا کر اس بگڑی ہوئی صورت حال کو اپنے قابو میں کر لیں۔ بالآخر ان کو یہ موقع مل گیا کیونکہ کشور خاں کو چاند بی بی سے فراغت حاصل ہو گئی تو اس نے فوج کی طرف اپنی توجہ منقطع کی۔ اس کی تدبیر یہ تھی کہ کسی طرح فوج کو اپنے قابو میں کر لے۔ اور آسانی سے قابو پا نا ممکن نہ تھا اس لئے اس نے اک شاطرانہ چال اختیار کی کہ ان سرداران فوج کو گر قمار کر لے جو اس وقت اس کے مخالف ہو چکے تھے۔

کُشور خاں کی شاطرانہ چال | کشور خاں نے اپنے اک ہوا خواہ امیر کو جس کا نام میاں بدوکنی تھا سپہ سالار فوج بنا کر شاہ روہتکیا، افسر فوج کو بدھنے کا مقصد یہ تھا کہ جو سردار امراء اس کے خلاف ہو گئے ہیں یا بغاوت پر

آمدہ ہیں نئے سپہ سالار کی ماتحتی میں اپنا رنگ اور اپنا طرز بدل ڈالیں جب سر لشکر مایہ سپہ سالار ایسے شخص کو مقرر کر دیا جائے کہ جس کی وفاداری پر اُسے کامل اطمینان ہو تو پھر دوسرے سرداروں کی اتنی ہمت نہو گی کہ اپنے افسر کے احکام کے خلاف اُس سے مخالفت کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ جو سرداران فوج اُس کے مخالف ہو گئے ہیں، بھلا اُس کے مقرر کردہ سر لشکر کو تسلیم ہی کیوں کریں گے۔ اس کا نتیجہ اگر کچھ ہو سکتا تھا تو یہی کہ فوج اُس کی اور مخالفت ہو جائے۔ چنانچہ جب میاں بدواک بڑی فوج کے ساتھ اس سرحدی فوج کو قابو میں لانے کے لئے چل کھڑا ہوا تو ادھر وہ سرداران لشکر بھی ہتھیار ہو گئے جو شاہ درگ میں تھے۔ بظاہر میاں بدواک کو روٹنگ اس غرض سے تھی کہ سرحدی فوج کو مدد پہنچائی جائے لیکن اُس کا اصلی مقصد یہ تھا کہ مختلف طریقوں سے وہاں کے سرداروں کو ہنسنا اور ہتھیال بنالیا جائے۔ اور انھیں کشور خاں کی حکومت سے راضی کر لے جو امرا اور سردار بالکل مخالفت پر کمر بستہ نظر آئیں انھیں کسی نہ کسی حیلے قید کر لیا جائے۔ میاں بدواک کو کشور خاں کی طرف سے یہ سخت تاکید تھی کہ مشنئی امرا کو قابو میں لانے کے لئے کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا جائے کیونکہ اس وقت ان کی جانب سے اُس کو سخت خطرہ تھا، اور وہ آمادہ فساد معلوم ہوتے تھے۔ ان کا اس وقت فوج پر اثر و رسوخ بھی بہت بڑھ گیا تھا۔

غرض جب میاں بدواک اپنی فوج اور اپنی سر لشکری کے فرمان کے ساتھ شاہ درگ پہنچا تو سرداروں نے اُس کا جملہ سپاہیوں سے استقبال کیا بہت ممکن ہے اُس وقت تک ان سرداروں کو میاں بدواک کے روئے نہ کئے جانے کی اصلی غرض و غایت سے واقفیت نہ ہو، اور وہ یہ سمجھتے ہوں کہ یہ فوج امداد دینا ہی آئی ہے۔ اب رہا میاں بدواک سر لشکر مقرر کیا جا کا سومر گوی حکومت کو امتیاز کامل ہے کہ جس کو چاہے سپہ سالار اور سر لشکر مقرر کر دے عموماً جنگ کے زمانے میں ایسے انتظامات غیر معمولی نہیں سمجھے جاتے، یا اگر ان سرداران لشکر کو میاں بدواک کی جانب سے کچھ شبہ بھی ہوتا تو یہ بات دانائی اور حکمتندی سے دور تھی کہ بجائے اس کے استقبال کے اُس کی مخالفت پر وہیں کمر بستہ ہو جائیں جسوماً ایسی صورت میں جبکہ غنیمت کچھ دور نہ ہو ان وجوہات کی بناء پر میاں بدواک

نے اخلاص خاں، حمید خاں، کولادر خاں جو بعد میں اتحاد لائے قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

فی الحال کچھ مخالفت نہ کی گئی بلکہ اس کی غوب آؤ بھگت کی گئی۔

میاں بدو نے شاہ درگ پہنچ کر اپنی اصلی کارروائی شروع کر دی۔ مختلف سرداروں کو کشور خاں کے موافق بنانے لگا جو اس کے مخالفت ہو گئے تھے۔ بڑی حد تک اس کو ان کوششوں میں کامیابی بھی ہوئی، عین الملک اور انگلس خاں بالکل اس کے جمعیال ہو گئے۔ اور اس کی مدد پر بھی آمادہ تھے۔ اُمراءِ حبشی اب باقی رہ گئے تھے۔ ان کو اپنا موافق کرنا یا قابو میں لالینا کوئی آسان کام نہ تھا۔ میاں بدو کو توقع نہ تھی کہ اس کا ساتھ دینے پر وہ تیار ہو جائیں گے۔ اسی اثنا میں کشور خاں نے ایک شاہی فرمان میاں بدو کے نام روانہ کیا کہ حبشی اُمراء کو کسی نہ کسی بہانہ گرفتار کر کے شاہ درگ میں جمبوس کر دیا جائے کیونکہ یہ لوگ شاہی فرامین کی تعمیل سے انکار کر رہے ہیں اور احکام کے مطابق نظام شاہی فوج پر حملہ کرنے میں متامل کر رہے ہیں۔ جب یہ مزید احکام میاں بدو کے پاس پہنچے تو وہ اور سرگرمیوں کے ساتھ اپنی کارروائی میں مشغول ہو گیا اور اسی فکر میں تھا کہ کسی طرح ان حبشیوں کو گرفتار کرنے کے بہانے پھیلے دیر نہیں لگتی۔ اُمراءِ حبشی کو بھی اس کا علم ہو گیا کہ میاں بدو انھیں قید کر کے کشور خاں کے حوالے کرنا چاہتا ہے۔ اس نیت سے آگاہ ہوتے ہی حبشی اُمراء نے ایک ایسی چال چلی کہ جس سے شکاری خود شکار ہو گیا، اور اُن نے میاں بدو ان کے قبضہ میں آگیا۔ اُمراءِ حبشی کی تدبیر اور میاں بدو کا قید ہونا۔

اگر لکھ پیدا ہوا ہے اس غوشی میں اس نے اک حش تر تیب دیا جس میں تمام افراں فوج کو

دعوت دی گئی تھی۔

میاں بدو کو بطور خاص مدعو کیا گیا تھا۔ اس نے نہایت سادہ لوحی اور سادگی کے ساتھ اخلاص خاں کی دعوت قبول کر لی اور حبشیوں کے دھوکے میں آگیا اور شریکِ مجلس ہوا۔ یہ محفل عیش کا ہے کونسی اچھی غامی سازش تھی۔ پہلے سے ہی پورے اختلافات کر دئے گئے تھے۔ اور کسی کو کان کان خبر نہ تھی۔ صبح چند ساتھیوں اور مقربوں کے ساتھ جب میاں بدو اخلاص خاں کے دیرے میں پہنچے تو اس نے نہایت آسانی سے اُن کو اور اُن کے ساتھیوں کو وہیں گرفتار کر لیا اور پھر اُن کو شاہ درگ میں قید کر دیا۔ جب اصل مھو اس طرح اُن کے قبضہ میں آگیا تو پھر شرطی کی پوری پوری بازی اُن کے ہاتھ تھی۔ میاں بدو سے فراغت حاصل کر کے حبشی اُمراء نے اُن سرداروں کی طرف توجہ کی جو کشور خاں کے عزیز یا موافق تھے۔ چنانچہ کشور خاں کے بیٹے کمال خاں سرنوبت اور مغل خاں

بر اور کشور خاں کو جو سرخیلی کے عہدہ پر مامور تھا قید کر دیا گیا۔ اس کے بعد افلاص خاں نے اپنے ساتھیوں اور فوج کے بیجا پور کی طرف روانہ ہوا۔

میاں بدو کے قید ہو جانے اور مغل خاں اور کمال خاں کی گرفتاری کے معنی یہ تھے کہ کشور خاں کے عروج کا زمانہ ختم ہو گیا۔ اور اس کا اقتدار اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اب اس اقتدار کا محور و مرکز وہ شخص ہو گیا جس کے ہاتھ میں فوج تھی۔ اسی وقت سے حبشیوں کا عروج شروع ہوتا ہے۔ چونکہ افلاص خاں اس وقت ان حبشی امراء میں زیادہ سربرآوردہ اور ذی اقتدار تھا اسی لئے وہ کشور خاں کو بالآخر معزول کر کے حکومت کے سب سے بڑے عہدہ پر قابض ہو جانے میں کامیاب ہوا۔ انرض افلاص خاں نے اب یہاں سے کوچ کر دیا، ورنہ یہ منزل نہایت سرعت کے ساتھ عازم بیجا پور ہوا۔ جب یہ فوج کوچ کر کے بیجا پور کی طرف چلی تو وہ امراء جو میاں بدو کی سازشوں سے کشور خاں کے موافق ہوئے تھے جن میں عین الملک اور نکس خاں قابل ذکر ہیں چپکے سے مسلح فوجوں سے غلہ ہو کر اپنی اپنی جاگیروں کو چلے گئے۔

ادھر تو یہ کارروائی ہوئی اور اس طرف کشور خاں کو ان حالات کا علم ہو گیا۔ اسے معلوم ہو گیا کہ اس نے فوج کو قابو میں لانے کی جو تدبیر کی تھی وہ ناکام ثابت ہوئی۔ اور وہ امراء جن کی طرف سے اسے ابتداء سے ہی خون تھا بالآخر اس کے مقابلے میں کامیاب نکلے ہیں اور اب ایک بڑی فوج کے ساتھ اسے معزول کرنے کے لئے بیجا پور آ رہے ہیں۔ یہ خبر بھی اس کے لئے کچھ کم متوحش نہ تھی کہ اس کا بیٹا اور بھائی دشمنوں کے پیچھے ہیں گئے ہیں اور ان کی جان کی کچھ خیر نہیں۔ ان حالات سے پریشان ہو کر وہ مقابلے کی تیاریاں کرنے لگا۔ لیکن یہ جانتا تھا کہ ایسے حالات میں جبکہ پورا شہر بلکہ کہنا چاہیے کہ پورا ملک اس کے خلاف ہو رہا ہے بھلا افلاص خاں اور حبشی امراء کا وہ کیا مقابلہ کر سکے گا۔ جب اور کچھ بن نہ پڑی تو اس نے اپنے مقربین اور جو افواہوں کی ایک مشورتی مجلس طلب کی۔ اور یہ رائے لی کہ ایسی صورت میں کیا کارروائی کرنی چاہیے اور کیا طرز عمل اختیار کیا جائے کہ اس بلائے ناگہانی سے نجات ملے۔ اس کے مشیروں میں سے بعض لوگوں نے رائے دی کہ یہ کام کارروائی جو شاہ درگ میں اس کے خلاف کی گئی ہے فضل خاں کی مرضی کے بغیر نہیں کی گئی۔ اور یقیناً فضل خاں کا بھی اس میں بہت کچھ ہاتھ ہے۔

چونکہ وہ میاں بد کے روانہ کئے جائے سے پہلے فوج کا سپہ سالار تھا اس لیے فوج پر اس کے بہت کچھ اثرات ہیں۔ ساتھ ہی یہ بات بھی صاف و صریح ہے کہ کوئی فوج یا فوج کے سردار اپنے افسر اعلیٰ کی مرضی کے بغیر کوئی کارروائی انجام نہیں دے سکتے، لہذا یہ اندازہ کرنا دشوار نہیں کہ اس تمام کارروائی میں افضل خاں کس حد تک شریک ہے ایسی صورت میں کوئی ایسی تدبیر کرنی چاہیے کہ افضل خاں جو شمشیر یا مجبوری کشور خاں کا ساتھ دینے پر راضی ہو جائے اس سے کمال خاں اور افضل خاں کی رہائی کی بھی صورت پیدا ہو سکتی ہے اور اس پوری کارروائی کو بھی کالعدم کیا جاسکتا ہے۔ اب افضل خاں پر اثرات ڈالنے کی صرف ایک شکل تھی۔ وہ یہ کہ افضل خاں کے چچا زاد بھائی میر رفیع الدین شیرازی کو جو اس وقت بیجا پور میں خزانہ داری کے عہدہ پر مامور تھا قید کر لیا جائے اور اس کو سخت سزا میں دی جائے تاکہ افضل خاں اپنے بھائی کی مصیبت دیکھ کر اس کو دشمنوں کے پنجے سے کھالنے کے لیے کمال خاں اور مغل خاں کو رہا کرنے پر راضی ہو جائے لیکن دوسروں نے سمجھا یا کہ یہ وقت سخت گریزوں اور سزاؤں کا نہیں ہے۔ یوں بھی سب لوگ بھوک بھٹھے میں یکا یک بے گناہ و بے قصور رفیع الدین جیسے متدین شخص کو گرفتار کرنا گویا آگ پر تیل چھڑکنا ہے اور اس حرکت سے معاملات سلجھنے کی بجائے اور انھیں پیدا ہو جائے گی، افضل خاں اپنے بھائی کے مفید ہونے کی خبر سنکر اور بھی غصہ آلود ہو جائے گا اور پہلے سے زیادہ منجی پر اتر آگیا لہذا مناسب یہ ہے کہ رفیع الدین شیرازی کو نرمی کے ساتھ اپنا بنا لیا جائے اور اس سے مدد طلب کی جائے کہ ایسے برے وقت وہ کام آئے کشور خاں نے اس رائے کو صائب جان کر رفیع الدین شیرازی کو طلب کیا اور اپنے تمام معاملات سے اسے آگاہ کیا۔ اس کے بعد نہایت منت و زاری کے ساتھ اس سے مدد طلب کی اور درخواست کی کہ افضل خاں سے سفارش کر کے کمال خاں اور مغل خاں کی رہائی کی کوئی صورت پیدا کرے کشور خاں کی اس سبکی پر رفیع الدین کو رحم آیا اور اس نے وعدہ کیا کہ اس معاملہ میں وہ حتی المقدور کوشش کرے گا۔

لیکن ظاہر ہے کہ کشور خاں کی یہ ساری کوششیں بالکل بے معنی ہے سود اور بیکار تھیں اگر بفرص محال رفیع الدین شیرازی کے کہنے سے ایک افضل خاں کشور خاں کے ساتھ نرم سلوک اور اچھا برتاؤ کرنے پر راضی بھی ہو جاتا تو دوسرے امراء اور بالخصوص حبشی امیر بھلا کس طرح کشور خاں کے موافق ہو جاتے۔ اور پورا ملک یکا یک کشور خاں کے ان مظالم کو اس طرح آن کی آن میں مٹھا دیتا جو اس نے زمانہ اقتدار میں

ملک پر ڈھائے تھے یہ کشور خاں محسوس کرتا تھا لیکن پھر بھی کوشش کیے جا رہا تھا کہ وہ نہ کہ یہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ مایوس کن سے مایوس کن حالت میں بھی انسان کو کوئی نیکوئی امید ضرور بندھی رہتی ہے۔ یہ اسی دھوکہ باز امید کی کار فرمایاں تھیں جس نے کشور خاں کو رفیع الدین سے مدد طلب کرنے پر مجبور کیا اس کو ایک ڈوبتے آدمی کی آخری کوشش سمجھنا چاہیے کہ جس کو ننگے کا سہارا بھی غنیمت معلوم ہوتا ہے غرض کشور خاں اپنے اور اپنے عزیزوں کے بچاؤ کے لیے برابر ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ دھڑک دھڑک کشور خاں کی کوششیں جاری تھیں اور اس طرف خطاں کی سرگردگی میں سرحد سے وہ فوج چلی آ رہی تھی جو کچھ عرصہ پہلے شاہ درگ سے چلی تھی۔

جوں جوں یہ فوج قریب ہوتی جاتی تھی کشور خاں کی وحشت میں اضافہ ہو رہا تھا اس کے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے اس کو کچھ کرتے دھرتے بن نہ پڑتی تھی جب کہ کشور خاں کو اس کا علم ہوا کہ یہ فوج بالکل قریب آگئی ہے تو اس کی سیڑگی میں اضافہ ہو گیا۔ بظاہر وہ مقابلہ کی تیاریاں کر رہا تھا مگر اندر سے اس کا دل مٹیھا جا رہا تھا وہ یہ خوب سمجھتا تھا کہ یہ کوششیں بالکل بے سود اور بیکار ہیں اس لیے وہ اندرونی طور پر اپنے فرار ہونے کی تدابیر بھی سوچ رہا تھا۔

کشور خاں کی فراری اور اس کا قتل | اسی عرصہ میں کشور خاں نے بادشاہ کی ایک بہت بڑی دعوت کی پیش ہوا و گراں قیمت تالاف اس کی خدمت میں پیش کیے۔ اس جن عظیم میں اکثر اکابرین سلطنت کو بھی جمع کیا گیا تھا اس سے کشور خاں کی غایت یہ تھی کہ عوام اور ملک کے جذبات جو اس کے خلاف اس قدر ابھرتے ہوئے ہیں ٹھنڈے پڑ جائیں اور لوگوں پر یہ ظاہر ہو جائے کہ اب بھی وہ اپنے بادشاہ کا ایسا ہی فرمانبردار تابع حکم اور اطاعت گزار رہا ہے جیسا کہ پہلے تھا مگر اب وہ وقت گزر چکا تھا جبکہ ان تدابیر سے پھر وہ اعتماد اور اعتبار حاصل کر لیا جاسکتا جس کو وہ کھو چکا تھا غرض یہ تدبیر بھی اس کی بے سود ثابت ہوئی اسی اثناء میں یہ خبر پھیلی کہ حبشیوں کا لشکر بجا پور سے صرف ایک منزل کے فاصلہ پر پہنچ گیا ہے کشور خاں نے خبر سننے ہی بادشاہ کو شکار کے بہانے شہر کے باہر لے گیا، اب یہ شکایوں کی جماعت کلاغ باغ پہنچی تو وہاں کشور خاں نے چندے توقف کیا اور کچھ سوچنے کے بعد بادشاہ سے اس نے عرض کی کہ آفتاب کی تمازت بجتی جاتی ہے لیکن ہے کہ والا حضرت کو اس حدت کی وجہ سے کچھ نقصان پہنچا یا صحت پر اثر پڑے اس لیے مناسب یہ ہے کہ شاہی سواری شہر واپس چلی جائے اور فی الحال شکار موافق رکھا جائے۔ بادشاہ کو لوگوں کی حیلے سے شہر واپس کر دیا اور خود یہ کہہ کر لے گیا کہ شاہ پوس کے باغات کی سیر کے بعد فردوسی حاضر خدمت ہوتا ہے اور بادشاہ داخل شہر ہوا اس طرف کشور خاں چار سو سواروں کی معیت میں بجا پور کو

ہمیشہ کے لیے خیر باد کہا اور فرار ہو گیا۔ چلتے چلتے کشمور خاں نے بہت کچھ مال و دولت بھی اپنے ساتھ لے لیا۔ بے شمار ہیرے جواہر اور مختلف قیمتی اشیاء اُس نے اپنے ہاتھ کر لیے اور صرف ایک تسبیح ایسی لی جو مراد علی تھی جس کی قیمت کم از کم دو لاکھ روپے بتائی جاتی ہے یہ تسبیح دراصل کامل خاں دکنی سابق و توئی سلطنت کی ملک تھی لیکن جب کامل خاں کشمور خاں کے ہاتھوں تباہ و تاراج ہوا تو اُس کی ساری پونجی اس کے ہاتھ لگی۔ اسی طرح مصطفیٰ خاں اردستانی کے ماسے جانے کے بعد اُس کی بے شمار ملک و جائیداد اور قیمتی جواہرات کشمور خاں کے ہاتھ لگے۔ جبکہ وہ فرار ہوا ہے اُس نے یہ سارا مال اور ساری دولت اپنے ساتھ لے لی۔ صرف دو تین صندوق اُس کے ساتھ ایسے تھے جو محض قیمتی جواہرات سے پر تھے اُس سے اُس دولت کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے جو چلتے وقت اُس کے پاس تھی۔

کشمور خاں کی فراری کے واقعات کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ پہلے سے ہی اپنے فرار ہونے کا پورا انعام کر چکا تھا۔

جب وہ بادشاہ کو لیکر شکار کے بجائے سے نکلا تو اُسی وقت بلک اُس سے پہلے سے ہی اُس کا اصلی مقصد یہ تھا کہ موقع ملے ہی فرار ہو جائے کیونکہ اُس نے میرے اور جواہرات کے صندوق اپنے ساتھ پہلے سے ہی رکھ لیے تھے جن کی شکاریں کچھ ضرورت نہ تھی۔ درجہ سواروں کو بھی پہلے سے ہی مقرر کر رکھا تھا لیکن سوال یہ ہے کہ بادشاہ کو وہ تھوڑی دور تک اپنے ہمراہ کیوں لے گیا؟ غالباً پہلے اُس کا خیال تھا کہ جب تک ہو سکے بادشاہ کو اپنے قبضہ میں رکھا جائے اگر بادشاہ قبضہ میں رہے اور کوئی اچانک اور نئی آفت سر پہ بھی آئے یا دشمن موقع پا کر اُس پر فوج بھی پائیں تو اُس کا کچھ بگاڑ نہ سکے گا۔ بادشاہ کو قبضہ میں رکھ کر وہ منہ بولے شرایط پر مسلح کر سکتا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ تدبیر اگر کوئی ایسی تدبیر اُس کے ذہن میں تھی، بالکل بے معنی اور بے سود تھی۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ خود کشمور خاں نے بھی اس کو بعد میں محسوس کر لیا اور اس بنا پر اُس نے بادشاہ کو روانہ کر دیا۔

یاد دوسری قرین قیاس وجہ کشمور خاں کی اس حرکت کی یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ وہ اپنے فرار ہونے کے فعل کو بالکل پوشیدہ رکھنا چاہتا تھا تاکہ اُس کی فراری اک امر یقینی ہو جائے اور کوئی شخص قتل نہ ہو سکے۔ اہل شہر کو دھوکے میں رکھنے کے لیے اُس نے یہ تدبیر نکالی تھی اور شکار کا ہانا بنایا تھا اگر وہ ہتاشکار کے ہانا نہ سے نکلتا تو اندیشہ تھا کہ لوگ اُس کے اصلی مقصد کو تاثر کر اُس کے فرار ہونے میں رکاوٹ پیدا کرتے۔ اس لیے اُس نے اپنے ساتھ

بادشاہ کو بھی لے لیا جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ فی الواقعہ کشور خاں بادشاہ کے ساتھ شکار کو جا رہا ہے جب وہ کھارگی اُن حد و سے باہر ہو گیا جہاں تک اُسے پکڑے جانے کا اندیشہ تھا تو فوراً بادشاہ کو واپس ہونے کی رائے دے کر خود فرار ہو گیا۔

کشور خاں نے تین چاروں سے فرار ہو کر سیدھے احمد نگر کا رخ کیا۔ نین احمد نگر کی فضا، اُس نے اپنے موافق نہ دیکھی، اس لیے اُنے پاؤں کو لکندہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ حقیقت بھی یہ ہے کہ وہ احمد نگر میں کسی حال پناہ گزین نہ ہو سکتا تھا۔ کیا احمد نگر والوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ اُن کی ہر دلعزیز تہذیبی چاند سلطان کے ساتھ اُس نے کیا سلوک کیا اور اُس کو کس طرح بیدردی کے ساتھ محل سے نکلوا کر قید کر دیا تھا۔ چاند سلطان نے مغل شاہ کی بہن ہی تو تھی۔ مغل شاہ نے اُسے نظام شاہ بھلا کس طرح گوارا کرنا کا ایک ایسا شخص اُس کے ملک میں پناہ گزین ہو جس نے اُسے مغل شاہ پر ایسے مظالم توڑے ہوں بغرض وہ احمد نگر میں ٹھہرنا مناسب نہ جانکر سیدھے گو لکندہ کی طرف چلے آیا۔

وہ گو لکندہ پہنچ تو گیا مگر ہنوز اُسے بادشاہ یا حکومت کی جانب سے کوئی امان نہ ملی تھی کہ اُس کی آمد کی خبر شہر میں مشہور ہو گئی۔ وہاں پر کسی اردستانی نے جو غالباً مصطفیٰ خاں اردستانی کا کوئی عزیز یا ہوا خواہ تھا اُس سے مصطفیٰ خاں کے خون کا بدلہ اپنے خراج بردار سے لیا۔ اس طرح کشور خاں کا خاتمہ مرید اللہی کے عالم میں نہایت بے بسی و بکیسی کی حالت میں ہوا۔

یہ لیکن برہان ناثر نے لکھا ہے کہ کشور خاں تین چاروں سے فرار ہو کر احمد نگر آیا اور اُسے یہاں پناہ ملی نہ صرف پناہ ملی بلکہ وہ مغل شاہ کا ایک مقرب مشیر ہو گیا اور اُس کی بہت عزت افزائی کی گئی۔ اس کے بعد اک فوج کا افسر بنا کر اُسے تین چاروں پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا گیا (جس کا ذکر آئندہ باب میں آئیگا) لیکن یہ بیان قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا۔ فرشتہ اور ہستین اور تحفۃ الملوک کے بیانات ٹھیک معلوم ہوتے ہیں جن کی تفصیل اوپر دی گئی یعنی وہ احمد نگر میں پناہ گزین نہیں ہوا بلکہ گو لکندہ چلا گیا یا اخلہ ہو برہان ناثر۔ تاریخ فرشتہ۔ ہستین اسلاہین۔ تحفۃ الملوک۔

کشور خاں دور پر ایک جماعتی نظر کشور خاں کی حکومت اسی وقت سے ختم ہو جاتی ہے جبکہ وہ بیجا پور سے فرار ہوا۔
اور کشور خاں کا کیکر گڑ۔

اُس نے ملک میں وہ اودھم مچائی کہ الامان و الحفیظہ کامل خاں کا طرز عمل جب ناقابل برداشت ہو گیا تھا تو حکومت
نے کشور خاں کو اس امید پر طلب کیا کہ شاید وفاداری اور ملک ملامی سے ملک کی بگڑی ہوئی حالت کو درست کرے گا۔
مگر جب یکبارگی اس کے ہاتھ میں قوت آگئی تو اُس نے کامل خاں سے بھی زیادہ پیر پھسیلا تاثر دیا اس میں
کوئی شک نہیں کہ ابتدائی انتظامات اُس نے ایسے کیے جن سے یہی مترشح ہوتا تھا کہ وہ حقیقت میں ملک کی فلاح و بہبود کو
مد نظر کر کے کام کر رہا ہے اور خصوصاً کامل خاں کے بچائے جانے کے بعد اُس نے سلطنت میں پیشہ الہی کی نسبت جو جھگڑا
پیدا ہوا اور جو اختلاف خصال اور چھینکوں میں اوج بن سے سلطنت کی ناؤ کے ہیٹلٹ جانے کا اندیشہ اس وقت
کشور خاں نے نہایت وفاداری کے ساتھ اپنے بادشاہ کی خدمت کی ان لوگوں کو نکال باہر کیا جو ابراہیم کو معزول
کرنے کے درپے تھے غرض کامل خاں کی طرح اس نے بھی ابتداءً ملک کے لیے مفید کام کیے اور اس سے یہ توقع رکھی
جاسکتی تھی کہ آئندہ اس کا وجود بیجا پور کے لیے مفید ثابت ہو گا مگر دولت و حکومت کا نشیب بہت تیز ہوتا ہے انسان کی
غلطی کا سچا اندازہ اسی وقت ہوتا ہے جبکہ وہ ترقی کے اعلیٰ رتبوں پر پہنچ جائے اور پھر بھی اپنے ہوش و حواس کو
تقائم رکھے نیز دوسرے اشارے ہو جائے کسی نے بالکل سچ کہا ہے کہ عروج و بدولت برسی است ز گردی مردی۔
اور اس معیار کے مد نظر کشور خاں نے اپنی کم ظرفی کا ثبوت دیا اقتدار کے ہاتھ میں آنے اور حکومت کی لذت سے
واقف ہونے کے بعد اُس کے لیے یہ امر بالکل ناگوار ہو گیا کہ اس اقتدار اور حکومت میں اُس کا کوئی شریک بھی ہو۔
چاند بنی بی کا معاملات ملکی سے علحدہ کیا جانا اور اُس کو قید کر دینا اسی غرض سے تھا کہ وہ من مائے حکومت کرے اور
کوئی اُس کے اختیارات و اقتدارات میں کسی قسم کی کمی نہ کرنے پائے۔ چاند بنی بی کی موجودگی اُسے اک غار کی طرح
کھٹک رہی تھی کیونکہ جب تک وہ معاملات سلطنت میں حصہ لیتی رہی اُس کا اثر کشور خاں کی ساری اہمیت کو
زائل کیے دے رہا تھا اور بالعموم ایسا ہوتا تھا کہ آخری فیصلہ کشور خاں کا نہیں بلکہ چاند بنی بی کا ہوتا جب یہ
صورت حال ہو تو تصادم لازمی تھا جب یکبارگی یہ تصادم ہو گیا تو کشور خاں اس امر پر مجبور ہو گیا کہ سخت سے سخت
طرز عمل اختیار کرے کیونکہ دھوری بخوبی مکمل بخوبی سے کہیں زیادہ نقصان رساں ثابت ہوتی ہے غرض کشور خاں کو

جب چاند بنی بنی سے خطر پیدا ہو گیا تو پہلے ان لوگوں پر ہاتھ ڈالا جن کے ذریعہ سے وہ اپنے اقتدار کو منوا سکتی تھی ان میں سے مصطفیٰ خاں سب سے زیادہ اہم تھا۔ مصطفیٰ خاں کا قتل اور چاند بنی کی قید کیا جانا دراصل ایک ہی پالیسی کی تکمیل کے دو مختلف زینے ہیں اگر اس کو مان بھی لیا جائے کہ کشور خاں کی یہ پالیسی حفاظت خود احتیاجی پر مبنی تھی تو پھر بھی اس کی یہ دو کاروائیاں اس کے دامن شہرت پر دوز بردست داغ ہیں کہ جن کو مٹایا نہیں جاسکتا اگر یہ کہا جائے کہ مصطفیٰ خاں کا قتل اور چاند بنی کی قید کیا جانا ملک کی ایک سیاسی ضرورت تھی اور ان کے بغیر کوئی چارہ کار ہی نہ تھا تو قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کہاں تک یہ طرز عمل ملک کے لیے مفید ثابت ہو سکتا تھا اگر واقعی اس سے مفید نتائج برآمد ہو سکتے تھے اور بالآخر ملک اس سے فائدہ اٹھا سکتا تھا تو یقیناً کشور خاں کو ان حرکتوں کے لیے نہ صرن معاف کیا جاسکتا ہے بلکہ اس کی تعریف بھی کی جاسکتی ہے۔ ہماری ہمدردی اس کے ساتھ وابستہ ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے اس نیک اور بہتر طرز عمل کو پورا کرنے بھی نہ پایا تھا کہ دست اہل نے اسے جھپٹ لیا اگر جب حقیقت میں نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے تو یہ جتنا ہے کہ ایسی با عظمت اور ملک کی جان نثار شخصیتوں کے ساتھ ایسا سلوک کسی طرح ملک کے لیے مفید نہ تھا بلکہ نہایت درجہ نقصان رساں۔ اگر بھی خواہاں۔ یا ست کا قید کیا جانا اور قتل کیا جانا ملکی اور سیاسی ضرورت ہے تو پھر ملک اور قوم کی ترقی معلوم جب یہ واضح ہو جائے کہ کسی طرز اس طرز عمل سے ملک فائدہ نہیں اٹھا سکتا تھا تو پھر اس کی ایک وجہ ہو سکتی ہے وہ یہ کہ اپنے اقتدار کی حفاظت کی شکل پیدا کی جائے۔ اس طرح اس کا یہ طرز عمل غرض اور اور ذاتی منفعت پر مبنی معلوم ہوتا ہے جو شخص محض ذاتی منفعت کی خاطر ایسے حرکات کرے جس سے ملک میں ہیجان پیدا ہو وہ یقیناً اس قابل نہیں کہ تاریخ میں اس کا نام روشن ہو بلکہ وہ زمانے میں ایک مظلون حیثیت رکھے گا اگر کشور خاں کی نیت نیک تھی تو جب وہ ملک کو اپنے خلاف دیکھے لگا تھا اور جب وہ محسوس کرنے لگا تھا کہ رائے عامہ اس کے خلاف ہے اور مردان فوج اس سے بیزار ہیں اور وہ انصاف و وفاداری کا خون کیسے بغیر عمدگی سے حکومت نہیں کر سکتا ہے تو اسے چاہیے تھا کہ اسی وقت اپنے عہدہ فہم سے مستعفی ہو جانا لیکن چونکہ اس نے ایسا نہیں کیا اس لیے اس کی ساری کارروائیاں حرص و آز کا نتیجہ معلوم ہوتی ہیں اور اس کی سیاسیات کامرکز کی نقطہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اقتدار قائم رہے خواہ اس کے قایم رکھنے میں ملک اور قوم کا کتنا ہی زبردست نقصان کیوں نہ ہو جس شخص کا یہ نقطہ نظر ہو کہ کسی طرح تعریف کا مستحق نہیں اور کسی حال اس کو اس کے ان افعال پر معاف نہیں کیا جاسکتا اگر کشور خاں میں متذکرہ بالا کرداریاں نہ ہوتیں تو ملک کو اس سے بہت کچھ فائدہ پہنچتا کیونکہ کیا با اعتبار بہادری اور کیا با اعتبار حسن انتظام وہ

اپنے زمانے کا بہترین آدمی تھا جس وقت ملک کے انتظامات اُس کے ہاتھ میں آئے ہیں ملک بیرونی حملوں اور اندرونی
 پریشانیوں سے سخت الجھن میں تھا لیکن کشتہ بختان نے بیرونی حملوں کی ممانعت کا نہایت خوبئی سے انتظام کیا اور ایک
 جزا فروج بہادر اور کارواں سپہ سالاروں کے ماتحت ان حملوں کی روک تھام کے لیے روانہ کی اور اُس کی یہ کوششیں
 نہایت کامیاب رہیں کہ دشمنوں کو اُس کے ورگی حد تک زیادہ دست درازیوں کا موقع نہیں ملا۔
 خوبی انتظام کے لیے دشمنوں کو بتنا سزا جائے بجا ہے مگر بعد کی کاروائیوں سے اُس سے بالکل بدظن ہو گئے اور
 بالآخر وہی لوگ اُس کی تباہی اور بربادی کا باعث ہو گئے۔

متولیان ریاست

باب پنجم

اخلاص خاں

اخلاص خاں کا منصب و کالت پر جب کشور خاں کی فراری کی خبر اخلاص خاں اور دیگر حبشیوں کو ہوئی تو وہ نہایت خاطر بھی فائز ہوا۔

اور ان میں سے ہر ایک خلعت فائزہ اور مناصب عالیہ سے سرفراز کیا گیا۔ اخلاص خاں قدرتی طور پر منصب و کالت پر فائز ہو گیا۔ اس نے بادشاہ سے عرض کیا کہ کشور خاں کے زمانے میں اُس کے عزیز متعلقین اور اُس کے خاص لوگ جو بڑے بڑے عہدوں پر فائز کئے گئے تھے انھیں اب دائرہ ملازمت سے خارج کر دینا چاہیے تاکہ نظم و نسق حکومت کی برائی دور ہو جائے۔ بادشاہ نے باوجود اپنی کم عمری کہ یہ جواب دیا کہ جو کچھ کرنا ہو رفیع الدین شیرازی کی رائے سے کیا جائے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بادشاہ کو اپنے اس مقاب پکتانہ پر دست اعتماد تھا۔ اور ہمیشہ مصلحت وقت کو پیش نظر رکھا جائے۔ اُسی روز اک فرمان شاہی کے ذریعے چاند بی کو قلعہ ستارہ سے بصد نشان و شوکت دوبارہ بیجا پور کو بلالیا گیا۔ جب چاند بی بی بیجا پور آئیں تو حسب سابق اخلاص خاں نے بادشاہ کی محافظت اور تربیت کا کام اُس کے سپرد کر دیا۔ اس طرح ان ضروری انتظامات سے فارغ ہو کر اخلاص خاں نے عام الکی انتظام کی طرف توجہ کی۔

شاہی مہر اعمو گوجیٹ یا وکیل السلطنت ہوتا اُس کے پاس شاہی مہر راکر تھی اُس لحاظ سے کہ وہ ریاست کا سب سے بڑا عہدہ دار اور بادشاہ کا نائب ہوتا ہے۔ یہی شاہی مہر دراصل اُس کے اقتدار کی جان بوا کرتی تھی جبکہ کشور خاں بیجا پور سے بھاگا ہے تو اُس نے اپنے ساتھ وہ شاہی مہر بھی رکھ لی تھی جو کہ اُس کے اقتدار کے زمانے میں اسے بادشاہ کی جانب سے سپرد کی گئی تھی۔ اب بغیر شاہی مہر کے کاروبار سلطنت انجام پانے، دشوار تھے اخلاص خاں کو اس کی بڑی تشویش تھی کہ کیا کیا جائے۔ رفیع الدین شیرازی سے رائے لی گئی۔ رفیع الدین نے ایک دوسری مہر پیش کی جو علی عادل شاہ کے ہیٹھ ریب انگشت راکر تھی۔ اور اس سے کبھی کبھی بادشاہ کاروبار سلطنت کی انجام دہی کے سلسلے میں کام لیتا تھا۔ یہ مہر نہایت قیمتی تھی جو عین عین سے بنائی

گئی تھی اس پر اسدائے الغالب ابن ابی طالبؑ لکھدہ تھا علی عادل شاہ کے قتل کے وقت یہ اُس کے ہاتھ میں تھی اس کے بعد سے یہ عفاقت تمام خزانہ عامر میں رکھ دی گئی تھی۔ اب جبکہ اصلی مٹھ غائب تھی تو کام چلانے کی غرض سے رفیع الدین نے اس کو پیش کر دیا اور اس مٹھ سے اُس وقت تک کام لیا گیا جب تک کہ اصلی مٹھ کشور خاں کے گو لکندہ میں مارے جانے کے بعد بیجا پور آگئی (جب کشور خاں مارا گیا تو اُس کا ایک خاص غلام اس مٹھ کو لیکر بیجا پور چلا آیا)۔

افلاس خاں کی کشور خاں کے | ان اینٹھامات کے بعد افلاس خاں روزانہ حضور شاہی میں ۱۳۱۳ء و معاملات ریاست کو انجام دیتا تھا پرائے عہدہ داروں کو جو کشور خاں کے امورہ تھے عہدوں اور خدمات سے مراد دیا گیا

اور اُن کی جگہ پر اپنے مندرجہ کو فائز کر کے لگا بخشی غلاموں، اپنے ہوا خواہوں اور اپنے ساتھیوں میں تمام مناصب عالیہ تقسیم کر دیئے اور اپنے آپ کو روز بروز طاقتور کر کے دیکھا بقول بساتین السلاطین کے چونکہ یہ شخص فطرتاً و غیور و مند مزاج و بدو و بد نفس بود و شروع و راز و متعلقان کشور خاں نمود اُس نے اب دست ستم دیا اور انکیا کہ جس کو کبھی ذرا کچھ تعلق کشور خاں سے نہ ہوا

وہ گویا اُس کی ستم آرائیوں کے لیے وقف ہو گیا تھا چنانچہ با قوت نامی کشور خاں کا ایک بخشی غلام تھا جس کو اُس نے بہت کچھ ترقی دی تھی اور بادشاہ کے حضور میں تک اُسے پہنچا دیا تھا افلاس خاں کے حکم سے اس کو قتل کر دیا گیا، اور وہ بھی اس

برے طریقے سے کہ اُس کو پارہ پارہ کیا گیا اور ہر ایک پارہ کو شہر کے مختلف دروازوں پر لٹکانے کا حکم دیا گیا۔ یا قوت کا قصور محض یہ تھا کہ وہ کشور خاں کا غلام تھا اگر اس کی طرف سے افلاس خاں کو کچھ خوف یا اندیشہ تھا تو اُسے اُس کے عہدے سے

معزول کرو دینا زیادہ سے زیادہ اُسے نظر بند کرو دینا بہت کافی تھا مگر اس طرح اُسے جید روی سے قتل کرنا اور جانوروں کی طرح اسے ذبح کر کے پارہ پارہ کرنا افلاس خاں کی خونخواری اور اُس کی بربریت پر دال ہے اُس کا دست ظلم و ستم ہمیں تک دراز

ہو کر نہیں رہ گیا۔ غلام کا قتل کیا جانا تو ایک معمولی بات تھی اس سے بڑھ کر اس نے یہ کیا کہ کشور خاں کی عورتوں بچوں اور عزیزوں پر ظلم و ستم تو نے شروع کیئے اور ظلم بھی ایسا کہ جس کے سننے سے انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں کشور خاں نے بھی

برائیاں کی تھیں، مگر اس نے اپنے عہد حکومت میں جو کچھ کیا اسے محض سیاسی نقطہ نظر سے برا کہا جاسکتا ہے اور اُس برائی کی اُس نے مزہ بھی پائی، مگر بالآخر بیجا پور چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہوا اگر کسی طرح اُس نے بادشاہ اور مملکت کا قصور کیا تھا تو

اُس کی اُس نے کافی سزا بھی جگت لی تھی ایک سیاسی مجرم کو اُس کے جرم کی پاداش میں یقیناً سزا دی جاسکتی ہے اور دیکھانی چاہیئے، مگر اُس کے سیاسی جرائم کی بنا پر اُس کے بیگناہ معصوم بچوں اور عورتوں کو سزا دینا اور اُن پر منظم ڈھانا

انصاف سے بعید ہے کوئی دنیا کا قانون ایسا نہیں جو ایک ایسے قابل نفیس فعل کی اعازت دے۔ اب افلاس نے جو طرز عمل اختیار کیا وہ نرالا تھا۔ اُس کے ان خالانہ افعال سے کشور خاں کے ساتھ ذاتی مخالفت کی بُرائی ہوئی ہے۔ اور اُس کی ان بیداریوں کا خلاصہ یہ ہے کہ اُس نے ہتھیار لیا کہ کشور خاں کے اہل و عیال کو یا تو قتل کر ڈالے یا ان کو انتہائی عزت ریزی کے ساتھ کناسوں اور چرم و دوزوں کے حوالے کر دے۔ بھلان گھر کی بیٹھنے والی شریف خدیجیوں نے اس کا کیا بگاڑا تھا۔ مگر وہ کشور خاں پر اتنا جلا بیٹھا تھا کہ غصے میں اُسے کچھ سوچہ نہ رہا تھا۔ اور ہم ارادہ کر چکا تھا کہ کشور خاں کے خاندان کی اس طرح عزت ریزی کی جائے۔ اپنے اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے اُس نے یہ احکامات بھی صادر کر دیئے تھے کہ کناسوں اور چرم و دوزوں کو مامور کیا جائے اور کشور خاں کے اہل و عیال بھی اُس کے حضور میں پیش ہوں۔

رفیع الدین کی کوششیں | اس وقت افلاس خاں کی قوت اور اُس کا اقتدار اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ کسی کی مجال نہ تھی کہ اُس کے مقابل میں پچھلے پچھلے کر سکے۔

افلاس خاں کے ہاتھ میں اس وقت قوت و اقتدار نہ تھا بلکہ ایک ظالم و خونخوار کے ہاتھ میں ایک ننگی تلوار تھی۔ آدمی کم ظرف معلوم ہوتا ہے کہ اقتدار کے ہاتھ میں آتے ہی اُس کا دماغ پھر گیا اور اچھے بُرے کی تمیز مطلق نہ رہی۔ دولت و شہمت، طاقت و قوت کا نشہ اُسے ایسا چڑھا کہ وہ بالکل بدست ہو گیا اور اسی بدستی کے عالم میں وہ مظالم پر اتر آیا۔ کسی کی ہمت نہ ہوتی تھی کہ اس بھوکے شیر اور اُس کے بیگناہ شکار کے درمیان حائل ہو۔ یہیں تک کہ اُس وقت بھی بڑے بڑے امراء اور مذہبی مرتبت سردار موجود تھے مگر کسی میں اتنی اخلاقی جرأت نہ تھی کہ افلاس خاں کو اس مذموم فعل سے باز رکھتا۔ یہ یقیناً رفیع الدین شیرازی کی عظیم الشان شخصیت اور اُس کے غیر معمولی اثر و برہان ہے کہ اُس نے اپنی جان جو کھوں میں ڈال کر اس امر کی حتی الامکان کوشش کی کہ کشور خاں کے اہل و عیال کو اس ظلم ناروا سے محفوظ رکھے۔ اور پھر کچھ اس وجہ سے نہیں کہ کشور خاں اور رفیع الدین شیرازی میں کوئی بہت گاڑی دوستی تھی، بلکہ اس کے برخلاف سیاسی نقطہ نظر سے دونوں اپنے زمانے میں ایک دوسرے کے مقابل اور حریف رہے جس وقت افلاس خاں کے سامنے یہ مسئلہ پیش تھا اور باقی تمام اُمراء اٹھ کر لب تھے، رفیع الدین نے ان یکیں اور بے یار و مددگار عورتوں اور بچوں کی حمایت میں اپنا منہ کھولا اور اُسے سمجھانے کی کوشش کی کہ اگر کسی طرح گنہگار و قصوروار تھا تو وہ کشور خاں کے اہل و عیال تو بالکل بے گناہ ہیں۔ اور شریفیوں کو اس طرح ذلیل و رسوا کرنا ناروا و ناجائز ہے۔ اس کے جواب میں افلاس خاں نے

کہا کہ کشور خاں حرام خوار و زندہ تھا اور نس کے ساتھ اس سے بھی بدتر سلوک کرنا چاہیے۔ غرض اپنی کچ بھجی سے اسی پر اڑا رہا کہ کشور خاں کے اہل و عیال کی بے حرمتی کی جائے۔ رفیع الدین شیرازی نے بے حد ہتھیار بھجھایا، سنایا اور غیرت دلائی، طعن و تشنیع کیے مگر وہ بھلا کیا ماننے والا تھا۔ برابر اپنی ہٹ پر قائم رہا اور خفیہ طور پر احکام دیے کہ دوسرے دن علی الصباح کشور خاں کے اہل و عیال کو حاضر کیا جائے اور کن سوں اور چاروں کو بھی یہاں کہہ ان کو ان کے دیہوں کے حوالے کر دیا جائے اور کوئی مزاحمت بھی نہ کر سکے۔

مگر رفیع الدین شیرازی تو اس کی جستجو ہی میں تھا، اس کو جہر لگ گئی کہ اخلاص خاں نے ایسے احکام دیے ہیں۔ یہ سننا ہی تھا کہ دوسرے دن خود اخلاص خاں سے بھی پہلے دربار میں آکر جہر لگایا اس طرح اخلاص خاں کی خفیہ کارروائی میں کھنڈت ڈال دی۔ اخلاص خاں یہ دیکھ کر بہت بگڑا، چہیں بچیں ہوا لیکن کہہ کیا سکتا تھا خاموش رہا پھر رفیع الدین نے اپنی انتہائی کوششیں صرف کی کہ کسی صورت اخلاص خاں کو اپنا ہتھیال بنایا جائے۔ بالآخر اپنی ان کوششوں میں کامیاب ہو گیا اس کی فوج نے اس کی ولت کے ساتھ ان پر وہ فوجیں غورتوں کی یسوا لائی گئی تھیں اور معصوم بچوں کو چماروں اور کن سوں کے حوالے کیا جانے عزت و توقیر کے ساتھ یہ عورتیں اپنے گھر روانہ کر دی گئیں البتہ چند کنیزوں اور لونڈیوں کو بڑی بی صاحبہ کی (والدہ ابراہیم عادل شاہ) خدمت کے لیے بھیج دیا گیا اس طرح رفیع الدین شیرازی کی کوششوں سے کشور خاں کا خاندان تباہی و بربادی اور رعب و ہراس سے محفوظ رہا۔ ورنہ اس خونخوار کے ہاتھ میں پھنس کے بعد ان کی کوئی خیر نہ تھی۔

جس طرح رفیع الدین شیرازی نے ان ملکیت غورتوں اور بچوں کی حمایت کی تھی اسی طرح اسی کی کوششوں سے یہ طے پایا کہ بجن خاں (جو کشور خاں کا بیٹا تھا) اندھا نہ کیا جائے اور اخلاص خاں کے احکام منسوخ کر دیئے گئے جو اس کے اندھے کیے جانے کی بابت چڑی کے گئے تھے۔

یہ واقعہ اگر ایک طرف اخلاص خاں کی بد طبیعتی اور خنجراری و حشیانہ پن اور بربیت کی دلیل ہے تو دوسری طرف رفیع الدین شیرازی کی اعلیٰ شخصیت کو ظاہر کرتا ہے کہ ایسے پراسٹو بن زمانے میں جی جبکہ خود غرضی، احسان و فراموشی اور دوست کشی اک معمولی اور ادنیٰ چیز ہوا ایسے اعلیٰ اور نیک طبیعت والے لوگ بھی موجود تھے اور ساتھ ہی اسی سلسلے میں یہ بھی ظاہر کر دینا چاہیے کہ دراصل ان ظالمانہ اعمال سے اخلاص خاں اپنی قوت و اقتدار کی جڑوں پر خود اپنے ہاتھوں

کاری ضرب لگا رہا تھا۔

ایمن خاں کا خط | اسی زمانے میں ایمن خاں کے پاس سے ایک خط بنام کشور خاں آیا جس میں یہ درج تھا کہ میں نے
 جکجا پور کی کارروائی کو ختم کر دی ہے اس کے بعد بلگاؤں اور پٹالہ کی طرف توجہ کی جائے گی۔ یہ ایمن خاں وہی شخص
 ہے جس کا اصلی نام عبدالکون مغل زادہ تھا اور جسے کشور خاں نے ایمن خاں کا خطاب دیا تھا اور جاگیریں عطا کی تھیں
 اور اس طرح سر فراز کرنے کے بعد حکم دیا تھا کہ وہ مصطفیٰ خاں کے قتل کے لیے جکجا پور روانہ ہو (اس کا تفصیلی ذکر کشور خاں
 کے عہد حکومت کے سلسلے میں کر دیا گیا ہے) ایمن خاں اپنی کارروائیوں میں اتنا مشغول اور ایسا متنبہ رہا کہ اسے جکجا پور کی
 حالت کی اصلاح نہ تھی اس کو یہ معلوم ہی نہیں کہ جکجا پور کے زمین و آسمان ہی بدل گئے ہیں ایسی خیال سے کہ اب تک
 وہ ان کشور خاں ہی برسرِ اقتدار ہے اس نے یہ خط اس کے نام روانہ کیا تھا مگر وہ پہنچا اغلاص خاں کو۔ خط کے
 پڑھنے سے تو کچھ بھی اغلاص خاں کی سمجھ میں نہ آیا کیونکہ یہ ساری کارروائی راز کی تھی ایمن خاں اور کشور خاں
 کے سوائے اس کا کسی کو علم نہ تھا۔ رفیع الدین شیرازی نے بالآخر قیاساً اغلاص خاں کو یہ سمجھایا کہ جکجا پور کی کارروائی
 سے مراد غالباً مصطفیٰ خاں کا قتل ہے اس کے بعد بلگاؤں جانے کا بظاہر مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاہلو کھن سپر شاہ ظہر
 اور ان کے بھائی رفیع الدین حسین کو قتل کرے جو اس وقت بلگاؤں یا مصطفیٰ آباد میں مقیم تھے اس کے بعد پٹالہ پہنچ کر
 مرغئی خاں اور اس کے بھائی شاہ قاسم کو ختم کر دے۔ یہ لوگ جیسا کہ یاد ہو گا کشور خاں کے اقتدار کے زمانے میں
 جلاوطن کر دیئے گئے تھے اور انھوں نے یہاں آکر پناہ لی تھی چونکہ کشور خاں کی پالیسی یہ تھی کہ اپنے استحکام کے لیے اپنے
 فریق مخالف کے تمام سرگرد ہوں کو قتل کر ڈالے اس لیے اس نے ایمن خاں کو روانہ کیا تھا کہ وہ اس کے دشمنوں کا یکے بعد دیگرے
 خاتمہ کر دے مگر دشمنوں کے ختم ہونے سے پہلے ہی وہ ختم ہو چکا تھا اور ادھر ایمن خاں نے مصطفیٰ خاں کے قتل کے بعد یہ خط
 کشور خاں کو بغرض اطلاع روانہ کیا تھا کہ ایک زبردست حریف کا تو خاتمہ ہو چکا ہے اور اب بقیہ بھی قریب میں ہی ختم
 کر دیئے جائیں گے اغلاص خاں جب ان حالات سے آگاہ ہوا تو اسے فکر ہوئی کہ کسی طرح ان بے گناہ امیروں کو ایمن خاں کے
 چنگل سے بچا جائے۔ ایسی وہ ان اغلاصات میں مشغول ہی تھا کہ متعاقب ایک اور خبر زانی جس سے معلوم ہوا کہ ایمن خاں
 خداوند خاں کے ہاتھوں بلگاؤں اور پٹالہ کی راہ میں قتل کر دیا گیا۔ خداوند خاں جکجا پور کی فوج کا ایک سردار تھا۔ اسے
 جب معلوم ہوا کہ ایمن خاں نے دھوکے مصطفیٰ خاں کو قتل کر دیا ہے تو اس نے وہیں اس کو ذی احسان فراموش

بدبخت کا فائدہ کر دیا اس کے بعد اخلاص خاں نے ان جلاوطن امیروں کی واپسی کے احکام صادر کر دیئے اور انھیں
یہجا پر طلب کر دیا۔ ابو الحسن رفیع الدین حسین بلگاؤں سے شاہ قاسم اور قسطنطنیہ خاں آجونا پناہ سے یہجا پر واپس آ گئے۔
افضل خاں کا قتل اور اخلاص خاں اپنے ذاتی استحکام کے لیے بڑے بڑے آدمی کی قربانی کو ایک معمولی چیز سمجھتا تھا۔ جیسے
نبیہ الدین شریزی کا مجبور ہونا، ایسا کہ وکیل السلطنت ہونے میں ان کا یہ معمول رہا کہ جن بڑے بڑے امراء کی جانب سے انھیں
خطرہ یا اندیشہ ہو اگر اتنا تھا کہ انھیں برابر صاف کر دیتے تھے چنانچہ کشور خاں نے مصطفیٰ خاں کو قتل کروایا اور جانا پناہ کو
جو مقید کیا وہ اسی معمول پر مبنی تھا کہ کوئی دوسرا شخص اس کی طاقت اور اقتدار کو گونہ نہ پہنچا سکے اور کوئی مخالف نہ ہو۔
اگر کوئی مستبد کوئی مخالف رہے تو کسی نہ کسی روز اس کی طرف سے قہر شدہ لگا رہتا ہے۔ لہذا اس کی سب سے آسان تدبیر
یہی ہے کہ کسی مخالف کو زندہ نہ چھوڑ جائے بلکہ اخلاص خاں بھی اسی اصول پر کاربند تھا جبکہ ابتدائی انتظامات سے
اُسے فرصت ملی تو وہ ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوا جن کی جانب سے اُسے خطرہ تھا۔ سب سے پہلے افضل خاں کی طرف
وہ متوجہ ہوا۔ یہ شخص کوئی معمولی شخصیت کا آدمی نہ تھا۔ یہ وہ شخص ہے جس نے کہ علی عادل شاہ کے زمانے میں وزارت
کی تھی اور بادشاہ کا چہیتا رہا تھا۔ اور پھر فرج پڑھی اس کا کافی اقتدار تھا۔ اس نے کشور خاں کے زمانے میں مرشکر کی
حیثیت سے قطب شاہی اور نظام شاہی حلقوں کی کامیابی کے ساتھ روک تھام کی تھی اور پھر ملک میں ہر طرف مزید بھیجا۔
بادشاہ کا خاص مقصد علیہ تھا۔ اور چاند بی بی کی بھی نظر عنایت اس کی طرف مبذول رہتی تھی اور اُسے وہ ایک وفادار
اور جاں نثار خادم تصور کرتی تھی۔ اخلاص خاں چاند بی بی کی جانب سے بھی کھٹکا ہوا تھا اور اس کی طرف سے غیر ملکی فریق کی
طرفداری اُسے بہت بری معلوم ہوتی تھی اور اس وقت غیر ملکی فریق کا سب سے بڑا رہبر اور لیڈر یہی افضل خاں تھا۔
لہذا جیسے کشور خاں کے اقتدار کے زمانے میں مصطفیٰ خاں کا وجود اس کے لیے سخت تکلیف دہ اور خطرناک تھا اسی طرح
اخلاص خاں کو افضل خاں سے اندیشہ تھا۔ اخلاص خاں اب اس فکر میں ہوا کہ کسی طرح اس شخص کا فائدہ کر دیا جائے۔ اس کو یہ چیز
خطرہ سے خالی نہ معلوم ہوتی تھی کہ افضل خاں جیسی شخصیت کا آدمی حکومت میں شریک ہو جس وقت اخلاص خاں
وکیل السلطنت ہوا تھا تو چاند بی بی کی رائے سے افضل خاں کو پیشوا بنایا گیا تھا اور ایک برہمن راہو پنڈت نامی شخص کو
جو افضل خاں کا جڑا دوست تھا اور سلطنت کا ایک معتبر آدمی تھا ستونی الما ملک کی خدمت دی گئی تھی ان وجوہات کی
بنیاد پر افضل خاں کی شخصیت اخلاص خاں کے لیے بڑی خطرناک تھی اس بنا پر اس نے تبیہ کر لیا کہ افضل خاں کو

کسی طرح ختم کر دے۔ جب ایک بار اُس نے قتل کی ٹھان لی تو پھر اُس کے لیے یہ کام کچھ مشکل نہ تھا۔ وکیل السلطنت تو تھا ہی کسی نہ کسی بہانے اُس نے بادشاہ کی دستخط افضل خاں کے قتل کے فرمان پر لے لی۔ ایک دو روز کی قید کے بعد افضل خاں بحکم انخلاص خاں قتل کر دیا گیا چونکہ رفیع الدین شیرازی اُس کا چچا زاد بہن تھا اور دربار کے بڑے مقربین میں سے بھی تھا اس لیے اس کے قتل کی بھی تدبیر کی گئی مگر چونکہ یہ کوئی صاحب فوج نہ تھا اور نہ اہل سیف بلکہ محض اہل قلم اور درباری تھا اس کے قتل کو ایسی زیادہ اہمیت نہ دی گئی، اور فی الحال اسے محض قید کرنے پر اکتفا کیا گیا بعض سربراہان اور وہ امرا کی سفارش سے غنیمت ہو کہ اس عزیز کے نکلے پر بھی افضل خاں کی طرح چھری نہ پھیری گئی! اور یہ آئی جو فی بلا محض چند روز قید پر مل گئی۔ رفیع الدین پر تو خیر لڑی مگر اس سوینڈت جو مستوفی الممالک کے عہدے پر فائز تھا افضل خاں کی دوستی کی بنا پر قتل کر دیا گیا۔

افضل خاں کی موت جیسے جیسے کی ہوئی ہے اُس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ برابر ایک رات اور ایک دن تک اُس کی لاش بے گورکفن پڑی رہی! اس بے سرو سامانی کی موت کی وجہ یہ تھی کہ یہ سیاسی وجوہات کی بنا پر قتل کیا گیا تھا جب کسی بڑے آدمی پر آفت آتی ہے تو قدرتی طور پر اُس کے ساتھ اُس کے عزیز و اقارب اور متعلقین بھی پس پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہوا! افضل خاں مارا گیا، رفیع الدین قید رہا، بساتین کے الفاٹاک کے مطابق خوشنشاں، دلفاز، بھٹے درجس بودند و معنی خفی، بھجب ہر شخص منہ چھپائے بیٹھا دو بھلا افضل خاں کی لاش کون دفناتا! ایک روز کے بعد فتح اللہ شیرازی نے مع اپنے شاگردوں کے اس کی تنہیز و تکفین کی جس شخص کی موت اس بے سرو سامانی سے ہوئی ہو اُس کی عظمت کا اندازہ کرنے کے لیے کچھ اُس کا حال بانٹنا چاہیے چونکہ افضل خاں بیجا پور کے بڑے لوگوں میں سے گزرا ہے اس لیے اس مقام پر اُس کے حالات کا دیا جانا کچھ غیر مناسب نہ ہوگا۔

افضل خاں کے حالات اور دیگر کثرت! جس طرح کشور خاں کے زمانے میں مصطفیٰ خاں کا قتل اکہم سیاسی واقعہ ہے اسی طرح انخلاص خاں کے دور میں افضل خاں کا قتل وہی حیثیت اور وہی اہمیت رکھتا ہے۔ افضل خاں ایرانی نسل تھا، اس کے باپ کا انتقال اُس وقت ہوا جب کہ اُس کی عمر نو سال تھی، اچھے معزز گھرانے سے اس کا تعلق تھا اس لیے باپ کے انتقال کے

باوجود اس کی طالب علمی کا سلسلہ جاری رہا اور خود لڑکا بھی ہو نہا رشتہ قریں اور نیک کردار تھا میر فتح اللہ شیرازی کی
 شاگردی میں دو سال تک رہا، تھوڑے زمانے کے اندر علوم سند اولہ اور دیگر مر و مہ فنون میں خاص امتیاز حاصل
 کر کے قسمت آزمائی کے لیے ہندوستان نکل آیا جو اُس وقت لائق و فاضل سہتیوں کا لمجا و ماوی تھا ہندوستان کی
 اسلامی ریاستوں نے علوم و فنون کی سرپرستی کی جس اور لائق و قابل سہتیوں کی جو قدر وانی کی ہے وہ محتاج بیان
 نہیں۔ غرض حوادث روزگار نے افضل خاں کو حسین لینے نہ دیا، اور وطن چھوڑ کر وہ عازم ہند ہوا اس زمانے میں
 بیجا پور کی علمی سرپرستیوں کا بڑا شہر تھا، اور بیجا پور علمی سوسائٹی کا خاص مرکز ہو رہا تھا علی عادل شاہ کے
 زمانے میں افضل خاں بیجا پور آیا اور اس مقام کو اپنا سکون بنالیا کچھ عرصے تک یہاں پر درس و تدریس کا
 سلسلہ غائبی طور پر جاری رکھا چونکہ وہ اپنے زمانے کے بڑے قابل لوگوں میں سے تھا اس لیے اُسکی بہت جلد
 شہرت ہو گئی اور آٹھویں پہاڑ کے مکان پر قابل لوگوں کا جھگڑنا رہنے لگا بہت سارے شائقین لوگ اُس کے
 حلقہ شاگردی میں داخل ہو گئے اس طرح اُس کی عزت و عظمت میں اضافہ بھی ہوتا رہا حتیٰ کہ علی عادل شاہ کو
 اس نواز و کی قابلیتوں کی خبر ملی۔ یہ بادشاہ بڑا علم نواز تھا، اُس نے اپنے حضور میں طلب کر کے اُسکی عزت افزائی
 کی اور اپنے تقریب میں شامل کر لیا۔ تھوڑے ہی زمانے میں یہ حال ہو گیا کہ افضل خاں دربار کے خاص لوگوں میں
 شمار کیا جانے لگا اور بادشاہ کی طبیعت میں بھی اُسے خاص و خل ہو گیا افضل خاں کی قابلیت صرف علمی
 اور نظری ہی نہ تھی بلکہ اس نے عملی پہلو سے بھی خود کو بڑا کامیاب انسان ثابت کیا بادشاہ نے بہت جلد ملکی خدمات
 اُس کے تفویض کیں ان خدمات کو اس نے اس خوبی سے انجام دیا کہ تھوڑے ہی عرصے میں وہ وکیل السلطنت کے
 عہدے پر فائز کر دیا گیا۔ بساتین کے الفاظ سے جیسی طرح ظاہر ہوتا ہے کہ اُس کی ترقی کسی غیر معمولی تہی بلمازت بادشاہ
 مشرف گشت و پسندیدہ درگاہ آمد۔ بتخلیف ارکان دولت نوکری بادشاہ قبول کر دو در مجلسیان حضور و خل
 گردید و ارکان دولت مخصوص گشت و خصوصیت او بجائے رسید کہ در مہات ملکی و مالی حل کلی داشت۔
 علی عادل شاہ کے آخر زمانے تک اسی عہدے پر فائز رہا اور اس کے انتقال تک برابر اس خدمت کو بحسن و خوبی

انجام دیتا رہا اُسے محسن تدبیر اور حسن انتظام کی ایک بہترین دلیل یہ ہے کہ علی عادل شاہ مسیحا بادشاہ اُس کے متعلق یہ کہا کرتا تھا کہ تہا افضل خاں دہمات کارملکی در آمدن و قوت کار و ہار دنیا و دنیا داری حاصل کردہ لذت سلطنت تو میری علی عادل شاہ کے انتقال کے بعد اسی شخص کی کوششوں سے ابراہیم کی تخت نشینی میں کسی قسم کی رخنہ انداز نہ کر مروج کسی کونہ مل سکا (جس کا ذکر تخت نشینی کے باب میں کیا جا چکا ہے) نئے بادشاہ کی تخت نشینی کے بعد اکثر اُمراء و ارکان کا اصرار رہا کہ وہ وکیل السلطنت تو پہلے ہی سے ہے اب ریجنٹ کی بھی خدمت انجام دے۔ مگر اس نے انکار کیا اور معاملات سلطنت سے علیحدگی اختیار کر لی اور اُس کا یہ فعل انتہائی دور اندیشی پر مبنی تھا اگر بعد کے واقعات کی لپیٹ میں کشور خاں کے عہد میں اُسے سپہ سالار فوج کا عہدہ قبول کرنا پڑا۔ ان مہموں کے جو کچھ نتائج ہوئے ان کا ذکر کیا جا چکا ہے اُس کے بعد جب ان مہموں سے واپس ہوا تو اعلیٰ خاں کا دور شروع ہو گیا اور یہ اعلیٰ خاں کی ہی کارستانی تھی کہ اس سچے ہی خواہ سلطنت کا بے وجہ محو نہ بھایا گیا۔ اس کے بیان کرنے کے بعد اُس کی سیرت کے متعلق زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اب تک جو کچھ واقعات بیان کیے گئے ہیں ان سے اُس کے کردار کا اچھی طرح اندازہ ہو سکتا ہے وچراہی مدتیں کو فادار اور اپنے آقا و بادشاہ کا جاں نثار تھا جس سلطنت کی اُس نے خدمت کی جس بادشاہ کو اُس نے اپنا آقا بنایا جس ملک کو اُس نے اپنا ملک سمجھا اُس نے ان سب کے لیے اپنی جان تک گنوائے کو اپنی سچھی یقیناً تاریخ کی ایسی ہی ہستیاں ہیں جو آئینہ والی نسلوں کو حُب وطن حُب قوم و فاداری اور دیانت داری کا سبق دیتی ہیں۔

پیشوائی کا جھگڑا۔ افضل خاں کے مارے جانے سے پیشیوں کی عموماً در اعلیٰ خاں کی خصوصاً قوت میں اضافہ ہوا۔ عین الملک کی پادشاہی وہ اب میدان مار چکے تھے اُن کا سب سے بڑا حریف بے بسی اور بیکسی کی موت مرچکا تھا اور اب پوری ریاست میں کوئی ایسا شخص نہیں تھا جو اُن کے مقابلے میں اٹھ سکے۔ اُن کے بھی ہمت کر سکتا۔ اب حکومت کی کل پوری کی پوری ان پیشیوں کے قبضہ اقتدار میں آگئی تھی اعلیٰ خاں و وکیل السلطنت تھا ہی مگر افضل خاں کے مارے جانے سے پیشوائی کا عہدہ خالی ہو چکا تھا اور اس کو پُر کرنے کی سخت ضرورت تھی جس میں کوئی فکر تھی کہ اس عہدے کی

کسی اپنے آدمی کو مقرر کیا جائے تاکہ قنداق قطعاً طور پر ان کے ہاتھ میں رہے مگر اس وقت دوسرے اُمراء بھی موجود تھے جو چاہتے تھے کہ ان کے فریق کا آدمی پیشوا ہو۔ چنانچہ شاہ ابو الحسن و مہر علی آقا کو ایک طرف اس عہدے کے دعویدار تھے تو دوسری طرف دکنی فریق کی کوشش تھی کہ عین الملک کو یہ عہدہ دیا جائے۔

غرض اس طریقے سے نہ ایک نئی انجمن پیدا ہو سکی۔ خدمت ایک تھی اور دعویدار تین۔ (۱) ایک تو خود حبشی غلام (۲) عین الملک اور اس کا فریق (۳) ابو الحسن و مہر علی آقا کا فریق (یہ وہی لوگ ہیں جنہیں اخلاص خاں نے شاہی فرمان کے ذریعے بلایا تھا) حبشیوں اور میرے فریق کی نسبت تو ہم کچھ نہ کچھ جانتے ہیں، مگر عین الملک کے متعلق بھی دو چار لفظ لکھ دینے چاہئیں۔ یہ وہی شخص ہے جس کا اس سے پہلے اُس ہم کے سلسلے میں ذکر آچکا ہے جو کشور خاں نے بغرض مدافعتِ ندرت بھیجی تھی کہ نظام شاہی اور قطب شاہی حملے۔ وکس میں افضل خاں بھی موجود تھا اور وہ اُسے حبش جن کے ہاتھ میں اس وقت حکومت کی باگ تھی کشور خاں کی طرف سے جب ایسے افعال کا ظہور ہو جن سے اُس کی بغیر آبادی و دیانتی ظاہر ہو رہی تھی، ان جھوٹے اتفاق کر کے اُس کی مخالفت کی گئی تھی یہاں تک تو عین الملک نے باقی سب سردارانِ فوج کا ساتھ دیا تھا مگر جب فوجیں بجا پور کی راہ اختیار کیں اس غرض سے کہ کشور خاں کو معزول کریں، عین الملک نے ان سے جدا ہو کر اپنی فوجوں سمیت، اپنی جاگیر طبردار، غالباً وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ دارالسلطنت کی انجمنوں میں پھنس کر خود بھی پریشان ہو۔ اس کے بعد سے برابر وہ اپنی جاگیر پر ہی مقیم رہا۔ لیکن یہاں بیٹھے ہوئے برابر وہ اُن حالات کا معائنہ و مشاہدہ کر رہا تھا جو اس عرصے میں رونما ہو رہے تھے چونکہ یہ بڑے اُمراء ہیں سے تھا اس لیے اُس کی کافی اہمیت تھی اس کے پاس کافی فوج تھی اس لیے حبشی اُس سے کچھ گھبراتے تھے۔ یہی صورتیں ہیں جبکہ اور کچھ بن نہ پڑے وہ اس کے لیے تیار تھے کہ اُس سے اتحاد کر لیں اور پیشوا کی کا عہدہ اُس کے سپرد کر دیں تاکہ دکنی فریق کو خوش کرنے کا موقع مل جائے۔ بسا ایں مسلمانین اور برہان تار کے طاعے سے واضح ہوتا ہے کہ وہ اس وقت تمام اُمراء میں زیادہ سربراہ اور دہ اور طاقتور تھا عین الملک چونکہ اس وقت غیر معمولی حیثیت رکھتا تھا اس لیے یہ ممکن نہ تھا کہ اُس کی اہمیت کو حبشی نظر انداز کر سکنے اور سب سے بڑی بات یہ کہ ان کے پاس

فوج تھی، روپیہ تھا اور طاقت تھی۔ یہ زمانہ تو ایسا تھا کہ جس کی لامٹی اُس کی بھینس اس لیے عین الملک سے حبشیوں کو خدشہ تھا۔ مگر اس خدشہ کو دوستی اور محبت کے پیرایہ میں چھپا رکھا تھا جب اُن کی کچھ اور نہ چل سکی تو انھوں نے عین الملک کو فرمان شاہی کے ذریعے اُس کی جاگیر سے طلب کیا کہ اُسے پیشوا کی کاہندہ دیں۔ عین الملک بڑے کدو فرج باہر دھم اور فوج جو سپاہیوں کے ساتھ بجا پورا یا اس کے استقبال کی غرض سے یہ مینوں حبشی اُمرائے شہر سے باہر گئے۔ چونکہ محض استقبال کی غرض سے گئے تھے اس لیے اُن کے ساتھ کوئی فوج وغیرہ نہ تھی۔ عین الملک نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اُس نے اُن کو ہتھکڑیاں لگا کر فوراً گرفتار کر کے پانچویں کر لیا چونکہ عین الملک نے اچانک یہ کارروائی اختیار کی تھی حبشی نہایت بے بسی کے ساتھ اُس کے ہاتھ میں بھینس گئے اس طرح عین الملک کی یہ کارروائی بالکل کامیاب رہی۔ خلاصہً خاں حمید خاں دلاؤ و خاں (سہراب خاں ترکی) قید کر لیے گئے۔

پہلی ندر میں عین الملک کے اس فعل پر سخت تعجب ہوتا ہے کہ اُس نے ایسا کیوں کیا جن لوگوں نے پیشوا کی دینے کے لیے اُسے طلب کیا تھا اور پھر اُس کے استقبال کو گئے تھے اُن نے اُن کی قید کر لیا لیکن اگر غائر نظر ڈالی جائے تو یہ سمجھنا دشوار نہیں کہ دراصل حبشیوں اور عین الملک میں کچھ دوستی اور اتحاد نہ تھا بلکہ حبشیوں نے بظاہر دوستی پر جو کہ باندھی تھی وہ محض سیاسی اور مصلحتی دوستی تھی۔ چونکہ حبشیوں کو عین الملک کی غیر معمولی طاقت سے اندیشہ تھا اس لیے اُن کی خواہش یہ تھی کہ فی الحال کسی طرح اس طاقتور امیر کو راضی رکھا جائے اور اُس وقت تک اُسے غافل رکھیں جب تک کہ اُس کے مقابلے کی تاب اُن میں نہ پیدا ہو جائے اور جب یکبارگی اُن میں طاقت پیدا ہو جاتی اُس وقت وہ عین الملک کے ساتھ وہی سلوک کرتے جو کہ اُس نے اُس وقت اُن کے ساتھ کیا۔ عین الملک کُڑگ باراں دیدہ تھا بھلا ان حبشیوں کی اس پالیسی کو وہ نہ سمجھتا وہ اُن کا اصلی مطلب تاڑ گیا اب موقع اُس کے ہاتھ آگیا تھا اور اس سے فائدہ اٹھا کر اُس نے ان کو قید کر لیا اس طرح اُس کی خواہش تھی کہ ان حبشیوں کو کالہ باہر کر کے خود وکیل السلطنت کے عہدے پر قابض ہو جائے اور حکومت کے بڑے بڑے عہدے اپنے لوگوں کی تقسیم کر دے۔ اس پالیسی پر عمل کر کے اُس نے یہ حرکت کی تھی۔ جو حفاظت خود اختیارات پر مبنی تھی۔

میں اہلک کی بزدلی اور میں اہلک نے اتنا کچھ کر لیا تھا کہ اگر اور تھوڑی ہمت کر لیتا تو گوہر مقصود اُس کے ہاتھ آ جاتا۔ اُس نے حبش کا نجات پانا اُس کے بعد کی حکمت سے اس نے خود کو سخت نا اہل، نا لائق اور بزدل ثابت کر دیا۔ سب سے پہلی غلطی تو اُس نے یہ بھی کی کہ اپنے کارروائی کو تیزی کے ساتھ ختم نہیں کیا۔ اُن حبشی اُمراء کے گرفتار ہونے کے بعد ہی اُسے چاہیے تھا کہ فوراً قلعے میں داخل ہو کر صورت حال کو اپنے قابو میں کر لیتا۔ یہ غلات اس کے اُس نے دو تین روز یونہی گزار دیئے۔ اس مدت کے گزرنے کے بعد کہیں یہ آپ کو سوچی کہ قلعے میں داخل ہونا چاہیے۔ یہاں تک بھی ٹھیک ہی تھا۔ چنانچہ قیدیوں کو لیکر اپنی فوج کے ساتھ وہ قلعے میں داخل ہونے کی طرف متوجہ ہوا۔ اسی اثنا میں جاسوسوں کے ذریعہ معلوم ہوا کہ دستوراً قلعہ دار کو (جو عین اہلک سے ساز باز کر چکا تھا) بعض حبشی غلاموں نے (جو اندرون قلعہ موجود تھے) اور حبشی اُمراء کے مدد کی طور پر فدا کرتے) قید کر لیا ہے اور قلعے کے دروازے بند کر دیئے ہیں۔ اس طرح عین اہلک کا راستہ رُک گیا۔ در اسے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ حبشی آمادہ جنگ ہیں۔ عین اہلک اس کے لیے تیار نہ تھا اور اُس کے ہوش و حواس اس خبر کے سننے ہی گم ہو گئے۔ بجائے اس کے کہ وہ جم کر ان غلاموں کا مقابلہ کرتا، وہیں اپنے قیدیوں کو چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اسی اثنا میں اک اور حبشی غلام مقصود خاں نامی یہاں آئے پہنچا جب دیکھا کہ عین اہلک نے بدحواسی کے ساتھ نزاری اختیار کی ہے اور اُس کے قیدی اُس سے بہت پیچھے رہ گئے ہیں اور اُن کی محافلت کا کوئی سامان نہیں تو فوراً

لے یہ حبشیوں کی گرفتاری اور اُن کی رہائی کے واقعات میں مورخین نے اختلاف کیا ہے۔ یاد پر کا بیان فرشتے سے لیا گیا ہے۔ مگر برہان مآثر کے مصنف نے اس واقعے کو جدا طور پر قلمبند کیا ہے۔ اُس کا خلاصہ یہ ہے۔ عین اہلک نے حبشی امیروں کو دعوت دی اور دھوکہ سے قید کر لیا۔ دوسرے دن وہ اسی فکر میں تھا کہ قلعے کے اندر داخل ہو کر ابراہیم (بادشاہ) کو اپنے قفسے میں کر لے اور دیکھ لیں سلطنت کا عہدہ دبا بیٹھا اور ان حبشی امیروں کو کسی قلعے میں قید کر دے۔ چنانچہ وہ روانہ ہوا مگر راستے میں اُسے خبر ملی کہ بادشاہ کے غلاموں نے فوج اور کھاتواں جیجا پور سے یہ ساز باز کر لی ہے کہ جولہی میں اہلک اپنے قیدیوں کے ساتھ قلعے کے اندر داخل ہو اُس پر ڈٹ پڑیں۔ حبشی اُمراء کو چھڑا لیں اور عین اہلک کو گرفتار کر لیں۔ اس جموئی خبر کے سننے ہی وہ ایسا بدحواس ہوا کہ عین بازار میں اپنے قیدیوں کو چھوڑ کر اپنی جاگیر بھاگ گیا (ملاحظہ ہو تاریخ فرشتہ، برہان مآثر، تحفۃ الملوک، بسائین السلاطین)۔

اپنے آدمیوں کے ساتھ آگے بڑھ کر انھیں چڑھایا مقصود خاں کی وقتیہ امداد کی بدولت محض اتفاقی طور پر ان حبشیوں کو عین الملک کے پنجے سے رہائی ملی اور انکی کھوئی ہوئی قوت دوبارہ ان کو حاصل ہو گئی۔

یہ پوری کارروائی عین الملک کی بیوقوفی، بزدلی اور اس کی نااہلی پر دال ہے۔ ورنہ وہ اگر ذرا سمجھ سے کام لیتا تو پورے ملک کا اقتدار اس کے ہاتھ میں آگیا ہوتا۔ عین الملک یہاں سے جو بھاگا تو پھر اس نے اپنی جاگیر میں پہنچ کر پناہ لی ہے۔

اس طرح جو کارروائی کہ محض پیشوائی کے لیے شروع ہوئی تھی اس کا یہ انجام ہوا۔ اسی کارروائی کی بدولت حبشیوں نے ذرا سی بات میں اپنا سارا اقتدار کھو دیا تھا۔ مگر قدرت نے ان کی ایسی مدد کی کہ وہ اپنے اس بڑے دشمن کے پنجے سے چھوٹ گئے۔ اس غیر متوقع نجات کے ملتے ہی پھر ان کا اقتدار ان کے ہاتھ میں آگیا۔ اور کہنا چاہیے کہ پہلے بھی زیادہ ہو گیا۔ کیونکہ اب ان کا کوئی مخالفت نہ رہا تھا۔ افضل خاں تلوار کے گھاٹ اتار دیا گیا، عین الملک جان بچا کر بھاگ گیا۔ اور تیسرا فریق (مقلی خاں، آنجو اور شاہ قاسم) جلاوطن کر دیا گیا۔ ان اختلالات کی وجہ سے حبشیوں کے اقتدار میں اور بھی زیادہ اضافہ ہو گیا۔ ملک میں کوئی ان کا مد مقابل نہ تھا۔ اور تمام سیاہ و سفید کے وہ مالک ہو چکے تھے۔ خلاص خاں حسب سابق سن رسیدہ تجربہ کار ہونے کے اعتبار سے وکیل السلطنت کے عہدے پر فائز رہا، اور اس کے دونوں ساتھی حمید خاں و دلاور خاں حکومت میں اس کے شریک رہے۔

خارجی مشکلات۔ یہ کسی اور جگہ وضع کر دیا گیا ہے کہ گوکاندہ احمد نگر اور بیجا پور کی ریاستوں کے درمیان شروع ہی سے بیرونی حملے۔ ایسی رقابتوں کا سلسلہ جاری تھا کہ ہمیشہ ایک دوسرے کی تاک میں لگے رہتے تھے۔ جہاں کسی

ریاست کے اندرونی حالات میں پیچیدگیاں پیدا ہوئیں کہ ان ریاستوں کے کان کھڑے ہوئے، اور موقعہ پاتے ہی اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر بے دریغ حملے کرنا شروع کر دیتے تھے۔

ابراہیم عادل شاہ ثانی کے ابتدائی عہد میں بھی یہی صورت حال پیدا ہو گئی۔ متولیان ریاست کے جھگڑوں، ٹکڑاؤں اور امراء کی کشمکش نے ریاست کو اندرونی طور پر پریشان کر رکھا تھا۔ ان حالات کا علم ہوتے ہی چاروں طرف سے بیجا پور پر حملے ہونے لگے جس کا ایک دیکھ بھال مظاہرہ ہم نے کشور خاں کے عہد اقتدار میں دیکھ لیا ہے۔ کشور خاں کا اندرونی طرز عمل خواہ کیسا ہی خراب کیوں نہ ہو، مگر اس نے ان بیرونی حملوں کی روک تھام کا اہمیت اچھا انتظام کیا تھا۔

ایک بڑی زبردست اور جبار فوج افضل خاں کی سپہ سالاری میں غنیم سے مقابلے کے لیے روانہ ہو گئی اس فوج نے ان حلوں کی بڑی اچھی روک تھام کی اور دشمن کو شکستیں بھی دی گئیں افضل خاں تو چاہتا تھا کہ اور آگے بڑھ کر ان دشمنوں کا پوری پوری طرح خاتمہ کر دے مگر بیجا پور کے حالات سے باخبر ہو کر سرداران فوج نے دوسری تدابیر اختیار کیں یعنی بیجا پور واپس آگئے اس کے بعد کی تمام تفصیلات پچھلے صفحات میں بیان کر دی گئیں۔ کشور خاں فرار ہو گیا۔ مہشی برسرِ اقلہ ہو گئے اس کے بعد بھی لشکروں کا سلسلہ جاری رہا۔ غرض ان اندرونی الجھنوں کی بنا پر بیرونی حالات سے قطعاً روگردانی کر لی گئی تھی احمد نگر اور کوئلندہ کی ریاستیں بھی کچھ تو اس فکر میں تھیں کہ دیکھیں بیجا پور کی حالت کیا رنگ لاتی ہے اور کچھ اپنی فوجوں کو مست کر پھر سے حملے کرنے کی تیاریوں میں مشغول تھیں۔ اتنے عرصے میں غنیم کو تازہ دم کرنے کا کافی موقع مل گیا تھا اور اصرار بیجا پور کی حالت میں اور خرابی بھی پیدا ہو گئی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پھر بیرونی حلوں کا سلسلہ شروع ہوا۔

شاہانہ رگہ کا محاصرہ اور پچھلے باب میں اس کا ذکر دیا گیا ہے کہ بیجا پور کی فوج نے بہنراد الملک کو ایسی محاصرہ خانہ کی وقاداری زبردست شکست دی کہ وہ سید مرتضیٰ امیر الامراء کی فوج سے ملتی ہوئے پر مجبور ہو گیا۔ اسی سلسلے میں نظام شاہیوں کو سید پر بھی ناکامی ہوئی اب احمد نگر یوں کو اس کی فکر تھی کہ اس دو بہی شکست کا بیجا پوریوں سے بدلہ لے اس غرض سے ایک زبردست فوج سید مرتضیٰ کی مدد کر دی

لہ کشور خاں اور انخلاص خاں کے مہم حکومت میں جو بیرونی حملے ہوئے ہیں ان کے متعلق اور خصوصیت کے ساتھ ان کی ترتیب اور تفصیل میں موصوفین نے بہت کچھ اختلاف کیا ہے۔ بہر حال تاخر تاریخ قطب شاہی اور تاریخ فرشتہ میں اگر ان حالات کو پڑھا جائے تو انسان اختلافات کی زیادتی اور واقعات کی گنگناہ کی بنا پر کھوجتا ہے۔ فرشتے نے ان حلوں کی جو ترتیب و تفصیل دی ہے وہ ان تاریخوں سے ملتی نہیں۔ لیکن فرشتے کے بیان میں تسلسل اور صفائی ہے اس لیے اس کا بیان زیادہ معتبر معلوم ہوتا ہے۔ باقی دو تاریخوں میں (جن کا ذکر کیا گیا) بعض ایسے حلوں کی تفصیل اور واقعات دیئے گئے ہیں جن کا فرشتے میں پتہ نہیں۔ چونکہ ان اختلافات کو پوری پوری تفصیل کے ساتھ دینا ممکن نہیں اور مضمون کو غیر ضروری طور پر طویل بنانا ہے

روانہ کی گئی اس حملے کا اس وقت سے اندیشہ تھا جبکہ بیجا پور پر کشتورخاں حاوی تھا اور اسی لیے عادی شاہی فوج کشتورخاں کو معزول کرنے کے لیے دارالسلطنت بیجا پور جانے سے پیچھے ہٹ رہی تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ عین اسی اندرونی الجھن کے وقت سید تقی بیجا پور پر حملہ کر دے (اس اندیشہ کو کچھلے باب میں ظاہر کر دیا گیا ہے) مگر غنیمت یہ ہو کہ نظام شاہیوں نے تیزی سے کام نہیں لیا اور اس وقت بیجا پور پر حملہ آور ہوئے جبکہ اخلاص خاں اور دیگر جمعی امرا کشتورخاں کو معزول کر کے برسر اقتدار آپکے تھے۔ غرض سید تقی ایک بڑے بھاری لشکر کے ساتھ بیجا پور کی طرف متوجہ ہوا اور اسی وقت کو لکھنؤ سے خود محمد قلی قطب شاہ مع فوجوں کے آن پہنچا کہ احمد نگری فوجوں سے ملحق ہو کر بیجا پور کے خلاف متحدہ کارروائی کرے۔ محمد قلی قطب شاہ کے خود نفس میں آنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ احمد نگر سے دوستی اور اتحاد کی جڑوں کو مضبوط کرنا چاہتا تھا جب یہ دونوں فوجیں ملحق ہو گئیں تو یہ طے پایا کہ پہلے شوالپور اور شاہ درگ کو فتح کر کے تقی نظام شاہ کے قبضے میں دیا جائے اور اس کے بعد بلگرام فتح کر کے محمد قلی قطب شاہ اپنے قبضے میں کر لے چنانچہ یہ دونوں فوجیں شاہ درگ پہنچیں اور اس کا محاصرہ کر لیا گیا۔

(سلسلہ گزشتہ) اس لیے محض اہم اختلافات کی بابت فٹ نوٹ میں اشارہ کر دیا جائے گا چنانچہ یہ ان باتوں سے واضح ہوتا ہے کہ ہزار الملک کی شکست کے بعد عادل شاہی فوج نلدرگ میں قیام گزین ہو گئی اور سید تقی اس شکست کا بدلہ لینے کے لیے بخلا، نلدرگ پر حملہ آور ہوا اسی اشارہ میں گو لکھنؤ سے میر شاہ میر دس ہزار فوج کے ساتھ احمد نگری فوج کی امداد کی غرض سے نلدرگ آ گیا۔ نلدرگ پر متحدہ حملہ ہوا، عادل شاہیوں کو شکست ہوئی مگر بعد میں علیغوں نے یہ طے کیا کہ نلدرگ کو چھوڑ کر بیجا پور پر حملہ کر دیں غرض بیجا پور کا محاصرہ کر لیا گیا اس وقت جمعی امرا برسر اقتدار تھے۔ انھوں نے مدافعت کا سامان کیا مگر جنگ میں اکثر بیجا پوریوں کو شکست ہوئی اس محاصرے میں علیغوں کی جنگیں ہوئیں اور جنگاویز فوجیں دیکر نہیں) اسی اشارہ میں امیر نذیر علی استر آبادی بابائیم قطب شاہ کی طرف سے پہلے ان علیغوں کی مدد کے لیے آن پہنچا گو اسکا راستہ روکنے کے لیے جیشیوں نے مرزا نور الدین کو جیشا گلر اس کا شیخون ناکام رہا اس کو شکست ہوئی اور امیر نذیر تقی اور میر شاہ میر سے ملحق ہو گیا اسی اشارہ میں کشتورخاں (سابق ستولی بیجا پور) یہاں سے بھاگا تھا اور احمد نگر میں پناہ گزین ہو کر بادشاہ کا منظور نظر ہو گیا اور بادشاہ (مقنی نظام شاہ) نے اسے بھی ایک فوج دی کہ وہ امیر الامرا سید تقی کی مدد کو جانے چنانچہ

اس وقت یہاں پر آفاترکان ایک غریب قلعہ رہا۔ اگرچہ اس وقت پائنت کی حالت اتنی خراب تھی مگر باوجود اس کے اس شخص نے ایسی شجاعت اور مردانگی سے دشمنوں کا مقابلہ کیا کہ کہا جاسکتا ہے کہ اُس نے حق ملک ادا کر دیا۔ ایسی بہادری اور دلیری سے محاصرین کا مقابلہ کیا کہ غنیم کے بھی دانت کھٹے ہو گئے اور کسی طرح وہ زیر ہو تا بھی نظر نہ آتا تھا۔ چہند کوشش کی گئی، تو یہیں ازانی گئیں، ضررین اور مجنیقوں سے کام لیا گیا، حملے کیے گئے، اوجھاوے ہوئے گئے مگر کچھ اثر نہ ہوا۔ آفاترکان ترکی بہ ترکی جواب دے رہا تھا۔ آخر محاصرین بھی تنگ آ گئے، انھوں نے شاہ درگ حاصل کرنے کی ایک آسان ترکیب پیکالی کہ اُسے رشوت دے دلا کر کسی طرح رانسی کر لیں مگر اُس وفادار و جان نثار نے اُن کی ان کوششوں اور پیشکشوں کو ٹھکرا دیا، اور فرشتے کے الفاظ میں اُس نے جواب دیا کہ "صاحب ولی نعمت من اعتماد کرو جنہیں قلعہ سرحدی راہن سپرد است، اگر من خیانت و رزم در جنین وقت این قلعہ را بہ شما بسپارم نہ زندہ و خلقی شرمندہ و مواند نخواہم بود" اور اگر آج میں نے اپنے ولی نعمت سے یونانی کی توکل کے روز سب سے پہلے آپ ہی لوگ مجھے طعنہ دیں گے، اور نفرت کرنے لگیں گے اس لیے یہ توقع نہ رکھیں کہ کسی حال میں اس قلعے کو آپ کے حوالے کر دوں گا، خواہ اُس کی مداخلت میں مجھے اپنی جان سے بھی ہاتھ دھونا کیوں نہ پڑے۔" (فرشتہ)۔

(سلسلہ فرشتہ) وہ بھی آیا (تاریخ فرشتہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہت جلد قلعہ گوکلندہ میں مارا گیا اور اُس وقت مرجکا تھا) غرض حلیفوں کی قوت بڑھ گئی۔ اور بیجا پوریوں کی حالت کمزور ہو گئی تھی۔ مین الملک جو اس وقت حبشی امراء سے ناراض ہو کر حلیفوں سے مل گیا تھا انھی حبشیوں کی درخواست پر اور یہ دیکھ کر کہ بیجا پور کی حالت نازک ہے پھر بیجا پوری فوج میں شامل ہو گیا (حالانکہ مین الملک اُس وقت بیجا پوری افواج سے ملحق ہوا ہے جبکہ ابواکسن برسر اقتدار ہوا اور وہ بھی سید مرتضیٰ کی کوششوں سے (فرشتہ) غرض اس صورت حال میں مقابلے ہوتے رہے جس میں اکثر عادل شاہیوں کو شکست ہوتی تھی۔ اس پر بیجا پوریوں نے ایک چال چلی اور سید مرتضیٰ کو دھوکہ دیا کہ ہم ابواکسن کو وکیل السلطنت بناتے ہیں بشرطیکہ محاصرہ اٹھا دیا جائے، اور ابراہیم قطب شاہ سے بچا جھڑایا جائے (ابراہیم قطب شاہ اس سے پہلے ہی مرجکا تھا اور وہ بیجا پور کے محاصرے کے وقت نہیں تھا، سید مرتضیٰ راضی ہو گیا مگر بعد میں قطب شاہیوں کے سپہ سالار میر شاہ میر کو اس اندرونی اتحاد کی خبر لگ گئی، اُس نے سید مرتضیٰ کو

مختصر کلاس شخص نے بڑی روانگی اور وفاداری کا ثبوت دیا کہ ایسی خود غرضی اور بی وفائی کے زمانے میں ملک کی لاج رکھی۔ جب کسی طرح شاہ درگ فتح ہوتا نظر آیا تو محاصرہ کرنے والی فوجوں کی متنبہت ہو گئیں۔ محاصرہ کیے ہوئے کوئی چار ماہ کا عرصہ ہو چکا تھا، بہت سارے لوگ بڑے بڑے افسر اور سپاہی مارے گئے تھے اور پھر نتیجہ کچھ بھی نہیں۔ محمد قلی قطب شاہ بیزار آچکا تھا اور شاہ میرزا (میر شاہ میر) اصفہانی کو بہت کچھ برا بھلا کہا کہ وہ زبردستی فتح کی امید دلا کر اُسے وہاں کھینچ لایا۔

بیجاپور کی طرف روانگی | آخر کار احمد نگر اور گولکنڈہ کے ہزروں نے بالاتفاق یہ تصفیہ کیا کہ ایک معمولی قلعے کے اور بیجاپور کا محاصرہ۔ پیچھے تہمتی سرکچی کرنا حاکمات ہے اس میں منت بھی صرف ہو رہی ہے بے وجہ وقت

ضائع ہو رہا ہے اور کوئی حربہ دلخواہ نتیجے کی توقع بھی نہیں۔ لہذا مناسب یہ ہے کہ بیجاپور میں جہاں مدافعت کرنے والا کوئی نہیں ہے اُمراد میں سخت اختلاف ہے اور ابھی فسادات کا سلسلہ جاری ہے۔ ایسی صورت میں بیجاپور میں کامیابی بہت سہل اور آسان ہوگی۔ جب پایہ تخت قبضے میں آجائے تو یہ دوسرے

(سلسلہ گزشتہ) لعنت ملاست کی اور پھر گولکنڈہ اور احمد نگر کی فوجوں کے درمیان اتحاد ہو گیا۔ اور بیجاپور میں اُمرانے جب دیکھا کہ ابوالحسن کو پیشوا بنانے سے کچھ فائدہ نہ ہوا تو اُسے انھوں نے پھر قید کر دیا۔ حالانکہ یہ غلط ہے، وہ بیجاپور کے محاصرے تک برابر پیشوا رہا، حلیفوں نے بیجاپور کے محاصرے کو جاری رکھا۔ اس وقت بیجاپور کی امداد کے لیے کچھ برکی (مرہٹہ) فوجیں آگئیں جنھوں نے دشمن کو پریشان کرنا شروع کیا۔ جب یہ حالت ہوئی تو حلیفوں نے محاصرہ اٹھا دیا اور تمام ملک کو تاراج کرتے ہوئے آگے بڑھے۔ دوبارہ تلدرگ کی راہ لی اس وقت، ابراہیم قطب شاہ کا انتقال ہو (۹۸۹ھ) ۱۵۸۱ء میں غلط ہے ابراہیم کی قبر پر اُس کی وفات کا سن ۱۵۸۰ء

کندہ ہے اور فرشتے سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے، تلدرگ کے اس محاصرے کے وقت محمد قلی قطب شاہ میر شاہ میر کے مشورے سے بغض نفیس موقع جنگ کی طرف توجہ کرتا ہے اس محاصرے کے وقت برہان آثر کا مصنف ہی تفصیلات دیتا ہے جو فرشتے سے لیکر اوپر درج کیے گئے جس میں اتفاقاً ترکمان ابراہان آثر کے مطابق وزیر الملہا ملک کی وفاداری اور مردانگی کا حال درج ہے یہاں جب کچھ پیش نہ گئی تو پھر یہ ٹیپا کہ بیجاپور کی طرف توجہ کر کے اُس کا محاصرہ

علاقوں کا ماتہ آنا کون بڑی بات ہے۔ رخت کی جب پٹری کاٹ دی جائے تو شاخیں خود بخود نیچے آ رہیں گی۔ یہ تدبیر سب کپسند آئی اس لیے ان فوجوں نے شاہ درگ کا محاصرہ اٹھا دیا اور بیجا پور کی راہ لی۔

اس وقت طیفوں کے پاس تقریباً چالیس ہزار کی زبردست فوج تھی۔ بیجا پور تک پہنچ کر انھوں نے پایہ تخت کا محاصرہ کر لیا۔ بیجا پور کی اس وقت جو حالت تھی وہ محتاج میان نہیں لکڑا، اور دھرم بدل اور غلاموں کی حکومت سے

(سلسلہ گزشتہ) کر لینا چاہیے۔ لہذا دونوں فوجیں روانہ ہو گئیں۔ دریائے تھیما کی آگے بڑھتے ہوئے چلے گئے اور یہاں تک پہنچ کر قیام کیا اور میں روز تک بیٹھے رہے آخر کار محمد قلی قطب شاہ اس جنگ سے بیزار ہو کر بیجا پور کے محاصرے کا ارادہ فریج کر کے اپنے دار الخلافہ کو روانہ ہو گیا۔ محمد قلی کا جانا تھا کہ سید متقی بھی اپنی فوجوں کو لیکر احمد نگر کی طرف چلے گا۔ اس طرح بیجا پور کا دوسرا محاصرہ نہ ہوا البتہ چلتے وقت قطب شاہ نے اپنی تھوڑی فوج امیر زبیل استر آبادی کے تحت اور سید متقی نے اپنی تھوڑی سی فوج حفص سرداروں کے تحت چھوڑ دی تھی کہ وہ سرحدی علاقوں کو فتح کریں۔ اس طریقے سے برہان باثر کے ضعف نے فرشتے سے بہت کچھ اختلاف کیا ہے سب سے بڑا اختلاف تو یہی کہ اس نے نذرنگ کے دو محاصروں کی تشکیل دیا ہے۔ دوسرے محاصرے کا ذکر جو اس نے کیا ہے اس کی تصدیق فرشتے سے ہوتی ہے۔ مگر وہ فرشتے کے اعتبار سے پہلا محاصرہ ہے (جو اترائے حبش کے زمانے میں ہوا) اور ان دو محاصروں کے درمیان بیجا پور کے محاصرے کا حال ایسا لگتا ہے۔ حالانکہ بیجا پور کا محاصرہ باعتبار فرشتہ نذرنگ کے اس محاصرے کے بعد ہے جس میں کوآغا ترکمان نے ایسی مروا جی اور جواں مردی دکھلائی لیکن برہان باثر کا مصنف آغا ترکمان والے محاصرے کو بیجا پور کے محاصرے سے بڑھتا ہے اور فرشتے کے اعتبار سے پہلے یہ محاصرہ ہوتا ہے اس کے بعد بیجا پور کا۔ پھر اس نے لکھا ہے کہ بیجا پور کے محاصرے کے وقت ابراہیم قطب شاہ زندہ تھا اور فوجوں کے ساتھ خالاکدس محاصرے سے ایک سال پہلے ہی اس کا انتقال ہو چکا تھا اور اس کا بیٹا محمد قلی قطب شاہ بیجا پور کے قلعے کے وقت اپنی فوجوں کے ساتھ تھا۔ جب بیجا پور سے محاصرہ اٹھ گیا تو پھر نذرنگ کی طرف طیفوں نے توجہ نہیں کی لیکن سید علی ماثر ندرانی نے لکھا ہے کہ پھر نذرنگ کا محاصرہ ہوا جو غلط ہے اس طریقے سے برہان باثر کے بیانات میں گنجلک ہے اسی لیے وہ قابل اعتبار نہیں۔ اس کے علاوہ ان حلوں والا انہوں کے سلسلے میں اور تفصیلات دی ہوئی ہیں جن کو جو کج لکوات نظر انداز کیا گیا ان اختلافات کے لیے ملاحظہ ہو تاریخ قطب شاہی، برہان باثر، تاریخ فرشتہ، آئینۃ السلوک، بسا تین السلاطین)۔ یہ تاریخ فرشتہ۔

ناراض بادشاہ کم عمر کو کس جیشی برسرِ اقتدار فوج پریشان و منتشر باہمی کھٹکش و فساد کی بنا پر ایک امیر کو دوسرے پر اعتبار نہیں جو کچھ فوج قلعے کے اندر تھی وہ بالکل ناکافی ان نازک و ناگفتہ بہ حالات کے اندر اچھڑا کر اور گو لکندہ کی فوجیں بجا پور کا محاصرہ کر لیتی ہیں جیشیوں کو سوائے اس کے چارہ نہیں رہا کہ محصور ہو جائیں۔ کیونکہ زیادہ تر زیادہ اُن کے پاس اس وقت دو تین ہزار فوج تھی۔ اتنی تو ہمت نہ تھی کہ باہر نکل کر مردانہ وار مقابلہ کرتے۔ مجبوراً قلعے کے اندر رہی رہ کر جنگ کی کچھ تیاریاں کرنے لگے۔ بہر حال مقابلے کے لیے کچھ انتظام کرنا ضروری تھا لہذا انھوں نے اُنکس خاں اور عین الملک کو بغرض امداد فرمانِ شاہی کے ذریعے طلب کیا۔ یہ لوگ آئے کو تو اُنکے لکر جیشیوں سے سخت مخالفت تھی اور اُن کے اقتدار کو وہ پسند نہیں کرتے تھے۔ ساتھ ہی اُن پر ان لوگوں کو کوئی اعتماد و اعتبار بھی نہ تھا اور پھر عین الملک سے جیشیوں کے جو فتوحات رہے ہیں اُن کو بیان کر دیا گیا ہے اور وہ مزید تشریح کے محتاج نہیں۔ جہلاً ایسی صورت میں ان دو فریقوں کے درمیان کیا اتحاد عمل ہو سکتا تھا؟ ان وجوہات کی بنا پر اُنکس خاں اور عین الملک نے اپنی فوجوں سمیت قلعہ بجا پور سے باہر ہی اپنا پڑاؤ ڈال دیا اور قلعے میں داخل ہونے سے احتراز کر رہے تھے۔ ان امیروں کے ساتھ تقریباً کوئی سات آٹھ ہزار فوج تھی۔ انھوں نے اپنا کیمپ اللہ پور کے دروازے کی جانب ڈال رکھا تھا۔ اسی اثنا میں ملیف افواج اور عادل شاہی فوجوں کے درمیان جنگ شروع ہو گئی۔ اسی جنگ کے سلسلے میں عین الملک اور اُنکس خاں کی فوجوں سے بھی دشمن کی جھڑپ ہو گیا اور قریباً اسی طریقے سے مسلسل جنگ عرصے تک جاری رہا۔ جو ما عادل شاہی فوج کو شکست کا منہ دیکھنا پڑتا تھا اور یہ ایک بالکل قدرتی امر بھی تھا۔ اس لیے کہ ایک طرف باہمی رنج و فساد دشمنی اور رقابت کی وجہ سے اتحاد و اتفاق بالکل مفقود اور دوسری طرف دوزبردست فوجیں اور وہ بھی متحد و متفق۔ جب صورت حال یہ ہو تو عادل شاہیوں کا شکست کھانا تعجب نیز امر ہو گا۔ اس پر مزید قدمی یہ ہوئی کہ موسمِ بارش کا تھا جس کی وجہ سے عین محاصرے کے زمانے میں قلعے کی میں گرد و بول اُٹ گئی۔ محصورین کے دل بیٹھ گئے اور اودھ مظلہ آوروں کو یقین ہو گیا کہ اب بجا پور پر اُن کا قبضہ ہو جائے گا اور حقیقت یہ ہے کہ

۱۔ تابعِ فرشتہ۔

۲۔ مدِ یقینہ العالم۔

قبضہ ہونے میں کوئی بات باقی نہ تھی۔ عین ملک اور آنکس خاں جو اب تک محض قلعے کے باہر بڑے ہوئے تھے بجائے اس کے کہ ایسے نازک وقت میں اپنے ملک اور بادشاہ کی خدمت کرنے کو اپنا فرض سمجھتے اُلٹے دشمنوں سے جا ملے۔ اور انھوں نے اپنی اس حرکت سے انتہائی کوثر لگی، غدارمی اور ملک فروش کی کاغذت دیا۔ محض ذاتی مفاہمتوں کی بناء پر انھوں نے ملکی مفاد کو ٹھکرا دیا۔ جہاں یہ چیز ذاتی طور پر ان لوگوں کے کیر کڑ کی سخت کمزوری کو ظاہر کرتی ہے وہیں اس سے اس زمانے کی عام ذہنیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اُس میں کس قدر گندگی اور ناپاکی کے اثرات سرایت کر چکے تھے۔ ان بیجا پوری اُمراء کی اس غدارانہ حرکت سے بیجا پور کے دشمنوں کا اور بھی پتہ بھاری ہو گیا اور اُسی نسبت سے بیجا پور کی طاقت میں انحطاط ہوا۔ غرض تھوڑے ہی عرصے میں حالات نے نہایت خطرناک صورت اختیار کر لی۔ اور اب وہ دن دور نظر نہ آتا تھا کہ بیجا پور پر اُس کے دشمنوں کا قبضہ ہو جائے! احمد نگر کے جرنیلوں اور محمد قلی قطب شاہ نے اب تہیہ کر لیا کہ دوسرے روز صبح کو حملہ کر کے بیجا پور پر قبضہ کر لیں مگر اس کے بعد بھی ایسے واقعات رونما ہوئے کہ تمام صورت حال بدل گئی۔

جیشیوں کی معزولی اور اگر حملہ کرنے کی تدبیر پر فوراً عمل کیا جاتا تو یقیناً وقت واحد میں ان حلیفوں کو شاہ ابوالحسن کا برسرِ تہذیب آنا کامیابی ہو جاتی۔ مگر اس تدبیر کو عملی جامہ پہنانے میں تساہل کیا گیا اور تساہل کی ایک خاص وجہ تھی۔ وہ یہ کہ احمد نگر کے فوجی سرداروں کے درمیان اتحاد نہ تھا۔ نظام شاہ نے یا زیادہ صحیح طور پر اُس کے پیشوا نے یہ بڑی غلطی کی تھی کہ دواہیہ سرداروں کو اس مہم پر روانہ کیا تھا جس میں سخت جنگ تھی۔ چونکہ دونوں پلے کے لوگ تھے ان میں منہجی نہ تھی خصوصاً سید مرتضی امیر الامراء نے برا اس کو پسند نہ کرتا تھا کہ بہزاد الملک جیسے کم عمر نا تجربہ کار فوجوان کو اُس پر فوقیت دی جائے اور وہ سپہ سالار رہے۔ اسی نا اتفاقی کی بدولت کثوفل کے زمانے میں بہزاد الملک کو ایسی فاش شکست ہوئی تھی۔ اب بھی یہی صورت حال پیدا ہو گئی۔ سید مرتضیٰ یہ نہیں چاہتا تھا کہ یہ حملہ کامیاب ہو اور بہزاد الملک کی ناموری ہو۔ اس لیے اُس نے عین اُس وقت میں جبکہ بیجا پور

دشمنوں کا ایک لقمہ تر بننا ہوا تھا حملہ کرنے میں سہا بل کیا۔ بیجا پور کی حالت اس وقت ایسی نازک تھی اور مدافعتی انتظام اس قدر کمزور تھا کہ اگر معمولی حملہ بھی ہو جاتا تو شاید بیجا پور ہی مقابلے کی تاب نہ لاسکتے مگر سید قاضی باوجود یہ جاننے کہ وہ ایک زرین اور نایاب موقع کھو رہا ہے اس معاملہ کو لیت و لعل میں ڈال دیا۔ اتنی فرصت تو محصورین کو ملتی ہی تھی انھوں نے فوراً اپنی مدافعت کا انتظام ٹھیک کر لیا اس عرصے میں اُس دیوار کی بھی مرمت ہو گئی جو ٹٹ گئی تھی اور کہیں نہ کہیں سے کچھ سپاہی اور کچھ فوج بھی فراہم کر لی گئی اس طرح وہ اس قابل ہو گئے کہ ان حملہ آوروں کا ترکی بڑکا جواب دیں۔

اور حملہ آور فوجوں نے تھوڑا سا سہا بل کر کے موقع کو ہاتھ سے کھو دیا اور اُس طرف حبشی اُمراء کو بھی کچھ عقل آگئی اور حالات کی نزاکت کا احساس پیدا ہوا اور اُن کا جذبہ وطن پرستی کیبا رنگی مشتعل ہو گیا حبشیوں میں ہزار نقص اور ہزار برائیاں ہی مگر وہ ملک و مالک کے بڑے وفادار تھے۔ یہ ضرور ہے کہ بعض اوقات وہ اپنے ذاتی مفاد کے لیے شہر اور ریاست میں ایک اودھم مچا دیتے تھے مگر فی الواقع وہ دشمن ریاست و بادشاہ نہ تھے۔ یوں آپس میں لڑنے کو کون نہیں لڑتا مگر اس کے معنی یہ نہیں کہ وہ ملک فروشی پر آمادہ تھے یا حقیقی معنی میں سلطنت کی بربادی کے درپے تھے بلکہ اس کے خلاف وہ وفاداری اور نمک طحالی کو اپنا ایمان سمجھتے تھے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ اُن کے ہٹ پر اڑتے رہنے سے اندیشہ ہے کہ بیجا پور قلعہ شاہیوں اور نظام شاہیوں کے قبضے میں چلا جائے اور خود ریاست خطر میں ہے تو اس فکر میں ہوئے کسی طرح اس بلا کو نال دیا جائے خواہ اُس میں تھوڑا سا ذاتی نقصان ہی کیوں نہ ہو۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ سارا فساد اس لیے ہے کہ حکومت کی باگ اُن کے ہاتھ میں آگئی ہے لکن بڑے بڑے اُمراء جن کی اس وقت مدد ایک غیر معمولی چیز ثابت ہو گئی محض اس لیے مدد کرنے سے جی چار ہے کہ اُن کو حبشیوں کی اطاعت کرنی پڑے گی لہذا وہ حکومت سے دست بردار ہو جائیں یا کم از کم کسی دوسرے شخص کو سب سے اعلیٰ عہدہ (وکیل السلطنت) پر فائز کر دیں تو بہت سارے اُمراء اور سرداران فوج جو اس وقت دست کشیدہ بیٹھے ہیں بیجا پور کی مدد کو اپنیخیں لگے اس لیے ان حبشیوں نے بالاتفاق یہ فیصلہ کیا کہ کم از کم تھوڑے عرصے کے لیے حکومتی معاملات سے کنارہ کش ہو جائیں اس لیے وہ چاند بنی بی کے حضور میں گئے اور یہ ظاہر کیا کہ ان کی حکومت کے کچھ اچھے نتائج برآمد نہیں ہوئے ہیں۔ بیجا پور دشمنوں کا لقمہ تر بن چکا ہے اس لیے وہ حکومت سے دست بردار ہونا چاہتے ہیں۔ چاند بنی بی جس کسی کو مناسب سمجھے ملک کے انتظام کے لیے مقرر کر دے۔

چاند بی بی بھی ان کے جذبہ وفاداری سے متاثر ہوئی۔ اور ان کے اس ایثار کو بہ نظر استحسان دیکھا، ان کی خطائیں معاف کر کے شاہ ابوالحسن کو جو شاہ ظاہر کا بیٹا تھا انھی حبشیوں کی صلاح سے منصب امیر جنگی پر مقرر کیا۔ بادشاہ نے بھی رسم زمانہ کے مطابق ابوالحسن کو خلعت فاخرہ عطا کیا، اس طرح وزارت یا حکومت وقت میں تبدیلی پیدا ہو گئی۔ اب حکومتی معاملات حبشیوں کی بجائے ابوالحسن کے ہاتھ میں آ گئے۔ اگرچہ فرشتے نے یہ ظاہر کیا ہے کہ امیر جنگی کا عہدہ ابوالحسن کو دیا گیا مگر بعد کے واقعات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ محاصرے کے زمانے تک یہ بیجا پور میں مختار کل تھا اور باقی سب عہدہ دار اس کے ماتحت تھے۔

حکومت میں تبدیلی ہونا ہی تھی کہ ان کی آن میں بیجا پور کی حالت بدل گئی جس سے ایک طرف ابوالحسن کی لیاقت اور اس کی ہر دوسری عریضی ظاہر ہوتی ہے تو دوسری طرف حبشیوں سے ملک کی عام ناراضی۔ وہ تمام امرا اشراف و اعیان جو اب تک بدل و تدارض ہو کر اپنے اپنے گھر بیٹھ چکے تھے فوراً ابوالحسن کی طلب پر اپنے وطن کی خدمت کے لیے حاضر ہو گئے۔ اور ساری طاقتور قبائل و دشمنان غائب ہو گئیں۔ اس طرح بیجا پور کی سیاسی حالت میں عظیم الشان فرق پیدا ہو گیا۔ کافی فوج جمع ہو گئی مزید ملک کی توقع تھی۔ عہدہ داران سلطنت اور امرائے عظام میں یکدلی اور کینہ پیدا ہو گئی۔ اور انھوں نے توبہ کر لیا کہ اب دشمن کو حلی بیجا پور سے مار نکالیں گے۔ یہ میں ایک پہلی پیدا ہو گئی۔ گویا مردہ جسم میں از سر نو جان آ گئی۔ ابوالحسن نے سب سے پہلے اور سب سے بڑا کام یہ کیا کہ اس نے برکی امرا کو اپنی مدد کے لیے طلب کیا اور کراکھ کو اپنے کارندہ روانہ کیے کہ وہاں سے برکی فوج کو ہیا کر کے بند ملک روانہ کریں۔

سید رفیعی سے گفت و شنید ابوالحسن کا دوسرا اہم کام یہ تھا کہ اس نے سید رفیعی امیر الامرا سے برار سے گفت و شنید بیجا پور کے محاصرے کا اظہار کیا۔ اور غوغا کی جو اس وقت احمد نوری فوج میں اک پایہ کا جنرل تھا سید رفیعی اور ابوالحسن کے

مابین یہاں پر فرشتے نے برہان مآثر سے جو اختلاف کیا ہے وہ ظاہر ہے سید علی لکھتا ہے کہ یہ محض حبشیوں کی چال تھی جو اسے قید و محال کر کے عہدے پر فائز کیا لیکن بعد میں نتائج حسب دلخواہ برآمد نہ ہونے کی وجہ سے پھر قید کر دیا۔ فرشتے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ برابر محاصرے کے متمم ہونے تک اس عہدے پر فائز رہا۔ امرا نے یہی کہنا و طلب کرنا فوج کی ذرا ہی فرشتے کے مطابق ابوالحسن کے کارنامے میں جو برہان مآثر تاریخ قلاب شاہی میں امرا نے حبش سے منسوب کیے گئے ہیں۔ ملاحظہ ہوتا ہے کہ قلاب شاہی و برہان مآثر۔

ہنایت اچھے اور خوشگوار تعلقات تھے۔ سید مرتضیٰ کو شاہ ابوالحسن سے عزیز داری بھی تھی اور چونکہ شاہ طاہریت اس کو بڑی عقیدت تھی اس لیے ابوالحسن کی بھی وہ عزت اور احترام کرتا تھا ان وجوہات کی بنا پر ان دونوں کے درمیان گہری دوستی تھی۔ اسی دوستی کی بنا پر شاہ ابوالحسن نے سید مرتضیٰ سے نامہ و پیام شروع کیا اس سے درخواست کی کہ کسی طرح کوشش کر کے قطب شاہ کو راضی کر لے اور بیجا پور کا محاصرہ اٹھا دے۔ سید مرتضیٰ ایک تو اس دوستی اور عقیدت کی بنا پر جو اسے ابوالحسن سے تھی اور نیز اس وجہ سے بھی کہ وہ اس مہم کی کامیابی کو دل سے نہ چاہتا تھا اس فکر میں ہوا کہ کسی طرح بیجا پور کا محاصرہ اٹھا دیا جائے۔ ابوالحسن نے اسے یہ حکم بھی دیا تھا کہ اگر محاصرہ نہ اٹھایا جائے گا تو تھوڑے ہی عرصے میں امرائے برکی کی ایک زبردست فوج مدد کے لیے آجائے گی اور اس وقت غلیغلوں کا نہ صرف یہاں ٹھہرنا مشکل ہو جائے گا بلکہ واپسی بھی پر خطر ہو جائے گی۔ اور جب تک اپنی اپنی سرحد کو پہنچ جائیں گے ان کی اور ان کی فوجوں کی سلامتی مشکل ہے۔ اس حکم کا تو شاید ہی اثر ہوا ہو گا مگر اسلی وجہ وہی بہزاد الملک سے دشمنی اور رقابت تھی جس کی بنا پر سید مرتضیٰ بیجا پور کے محاصرے کے اٹھانے کی فکر کرنے لگا۔ سب سے پہلے اس نے بیجا پور کی امرائے آنکس خاں اور عین الملک کو طلب کیا انھیں نصیحت کی اور سمجھایا کہ ایسے وقت میں جبکہ یہ دینی حلقے ہو رہے ہوں اپنے بادشاہ سے غداری کرنا اور اس کے دشمنوں سے ملحق ہو جانا انتہائی کورنگی اور ننگ حرامی کی دلیل ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی فعل اور کوئی حرکت قبیح اور مذموم نہیں ہو سکتی۔ سب یہ ہے کہ بیجا پور بادشاہ کی خدمت میں مقرر ہو کر وطن کی خدمت پر کمر بستہ ہو جائیں۔ ان امرائے پراہنوں کی اس گفتگو کا بہت اثر ہوا اور چونکہ اب حکومت وقت میں تبدیلی بھی پیدا ہو چکی تھی، امرائے حبش کے اقتدار کا زمانہ ختم ہو چکا تھا اور ان کی بجائے شاہ ابوالحسن بیجا پور پر کارفرما تھا لہذا ان باغی امرائے مخالفانہ گفت کی کوئی وجہ باقی نہ رہی تھی اس لیے وہ قطب شاہی اور احمد نگر کی فوجوں سے علیحدہ ہو کر بیجا پور میں داخل ہو گئے اور بادشاہ کی آستان بوسی کا شرف حاصل کیا۔ ان کی آمد کی خبر سیکر

نے۔ تاریخ قلب شاہی۔

۷۔ بہر ان تاثر سے ظاہر ہوتا ہے کہ عین الملک امرائے حبش کے اقتدار کے زوال کی خبر سے اس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حبشیوں نے اس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

بہت سارے اُمراء اور اعیان دولت بھی اپنی فوجیں لیکر آگئے۔ یہ گویا ایک زبردست اخلاقی اثر تھا جو ان کی آمد کی وجہ سے پیدا ہوا اس طریقے سے شاہ ابوالحسن کی کوششوں سے تھوڑے ہی عرصے میں میں ہزار کی ایک جوار فوج بجا پوری جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئی کچھ برکی مرہٹے بھی بغرض اعداؤں پہنچے اور یہ صرف ایک مہینے کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔

برکی افواج نے حملہ آوروں کو ایسا پریشان کیا کہ ان کے ہوش و حواس قائم نہ رہے۔ یکایک ٹوٹ پڑنا اچھا پے مارنا اچانک حملے کرنا، بھٹن مارنا، سرد روکنا، غلہ وافر و قد کا سامان بند کر دینا، مال و اسباب لوٹ لینا بے دردی سے قتل و غارت گردانی کی معمولی خصوصیات تھیں ایسے پریشان کن دشمن سے خدا ہی پناہ میں رکھے کوئی سامنے ٹٹ کر لڑے تو اس کا مقابلہ بھی کیا جائے جو غفلت کا متلاشی ہو اور میں انہی وقت حلقہ کیا کرے جبکہ فوجیں بے خبر ہوں اُس کا کیا بھانڑا جاسکتا ہے ان کی روٹی اب یہ کارروائی شروع کر دی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قلب شاہی اور نظام شاہی فوج پریشان ہو گئی ان کے ہاں ابتری پھیلنے لگی غم ختم ہو گیا مزید مدد کے راستہ سد ہو گئے اس طرح قحط پڑا اپنا بھیانک منہ دکھانا شروع کیا جو امر ملو اکھنچ چکا تھا تقریباً ۱۰ مہینے گزر چکے تھے کچھ حسبِ انتواء نتائج برآمد نہ ہوئے تھے فوج کے سپاہی بدول اور بیمار ہو رہے تھے بغرض ہر طریقے سے ہر شخص کا دل اس ہم سے بیزار کیا تھا جو علیٰ قلب شاہ کو کچھ کرتے دھرتے بن نہ پڑتی تھی اور اسی ٹکریں تھا کہ کسی طرح اس الجھن سے نجات پائے اسی اثنا میں بعض قلب شاہی امیروں نے جن کو شاہ میرزا صفہانی سے کچھ کدورت تھی بادشاہ کو بھیایا کہ مرنے بادشاہ کو موقع جنگ پر طلب کر کے نہ صرف اُسے بے وجہ تکلیف دی ہے بلکہ اُس کی تحقیر و تذلیل کا باعث ہوا ہے کیونکہ سلاطین و کن کا ہمیشہ یہ قاعدہ رہا ہے کہ کسی وقت ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ کی مدد کے لیے بغضِ نفسیں موقع جنگ پر جاتا ہے کہ جبکہ دوسرا

(سلسلہ گزشتہ) دراصل دہلیو الحسن کے زمانے میں سید تقی کی کوششوں سے اپنی ملکی فوج سے ملحق ہو گیا جیسا کہ فرشتے نے ظاہر کیا ہے اور یہ ایک قرن قیاس امر بھی ہے۔ سید علی بازرند رانی لکھتا ہے کہ وہ آٹھ روز تک دشمنوں کے کیپ میں رہا اور جب وہ چپکے سے علمدہ ہونا چاہا تو علیفوں کی فوج نے اس کا تعاقب کیا اُس کے بہتے سارے لوگ مارے گئے اور بہت کچھ مال و اسباب لوٹا گیا۔ (ملاحظہ ہو میرزا باقر و تاریخ قلب شاہی)۔

۱۔ تاریخ قلب شاہی۔

۲۔ تاریخ فرشتہ۔

بادشاہ بھی وہاں موجود ہوتا ہے لگروہ خود موجود نہ ہو اور پھر بھی مد طلب کرے تو شاہانِ سلف کا یہ طریقہ تھا کہ وہ اپنے کسی سردار کے تحت ایک فوج بھیج دیتے تھے مگر اب یہاں تقبی نظام شاہ تو آیا ہی نہیں اور قلی قلیب شاہ محض شاہ میرزا کے کہنے پر احمد نگر کی فوج کی مدد کے لیے آئے بیچا پور میں بادشاہ کی سخت ذلت ہے۔ طغر قلی قلیب شاہ کے ذہن میں یہ بات آگئی۔ وہ شاہ میرزا پر بہت بگڑا اور وہاں سے بیجا پور کا محاصرہ اٹھا کر چلنے کی فکر میں تھا۔ دھروج بھی سخت نیراتھی کا مایا تھا تو کچا لٹے پریشانیان گلے کا ہار تھیں۔ اب اس پر بھی محاصرے کا جاری رکھنا دانشمندی سے بعید تھا۔ احمد نگر کے سرداروں میں سے سید تقی تو ابتدا ہی سے اس کوشش میں تھا کہ محاصرہ اٹھ جائے، اور اب قلیب شاہ بھی اس کا ہمنیال ہو گیا تھا۔ چنانچہ معاملات پر غور کرنے کے لیے اک مشورے کی مجلس طلب کی گئی۔ اس میں یہ طے پایا کہ بیجا پور کا محاصرہ اٹھا دینا چاہیے۔ احمد نگر کی فوج پھر سے شاہ درگ کا محاصرہ کر لے۔ بہتر ادا ملک اور سید تقی اس طرف روانہ ہوں۔ قلیب شاہ گلبرگہ کا محلہ کر کے اسے فتح کر لے۔ ان تدابیر پر عمل کرنے کے لیے احمد نگر کی اور قلیب شاہی فوجوں نے بیجا پور کا محاصرہ اٹھا کر اپنا اپنا راستہ اختیار کیا۔

بیجا پور کے محاصرے نے بہت طویل کھینچا فرشتے سے ظاہر ہوتا ہے کہ تقریباً ۱۲ مہینے تک محاصرہ جاری رہا اور اس وقت بیجا پور کی اندرونی حالت جیسی کچھ بھی تھا ظاہر کر دی گئی۔ اتنی ابتری کے باوجود ابوالحسن کے وزیر ہونے سے صورت حال کا بدل جانا ان کی آن میں پانسہ کا پلٹ جانا احملاً وروں کا محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہونا، درحقیقت ابوالحسن کی ہر دلعزیزی اور اس کی غیر معمولی قابلیتوں کی دلیل ہے۔ اس کی انتظامی قابلیت اس کا تدبیر اس کی فراست نے بیجا پور کی ڈوبتی کشتی کو بچا لیا۔ اگر ابوالحسن اس وقت برسرِ کار نہ آتا تو تھوڑے ہی عرصے میں طلیف بیجا پور پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو جاتے اور غالباً اس ریاست کی اینٹ سے اینٹ بچ جاتی۔ یا کم از کم بیجا پور اس بُری طرح اجڑتا کہ شاید سالہا سال میں یہ سلطنت پھر نہ سنبھل سکتی۔ اس موقع پر اُمراء بیش کی تعریف کیے بغیر نہیں رہا جاسکتا۔ گوان کے پچھلے اور بعد کے افعال بہت کم تعریف کے مستحق ہیں مگر عین وقت پر موقع کو اہمیت کو جان کر خود غمش، سے ایک دوسرے شخص کو بااقتدار

لہ۔ حقیقتہ العالم و فرشتہ۔

لہ۔ تاریخ فرشتہ۔

بنائے میں مدد دینا واقعی جب وطن کی ایک بہترین مثال ہے اس وقت کہنا چاہیے کہ ابو الحسن کی لیاقت اور اہل بیت کے تعلق سے بہت ایشا رہنے بیجا پور کے گڑسے کام کو بنا دیا۔ فرشتہ بجا طور پر لکھتا ہے کہ "سچ ذی عقل تصور اس معنی نہ کند کہ چہل ہزار سوار کا گڑز بر پائے قلعة بیجا پور رسند و آب کہ در آن وقت زیادہ از دوسہ ہزار کس و قلعہ نبود باشد و بعد از یکسال محاصرہ خاشاکے از آن بلد و متصرف نشدہ غالب و خامرہ مالک خود شتابند۔ فیلاں و اثنا سلطنت ہر دو بادشاہ بخوزہ دیوان صاحبقرن ورامد" اور بعد میں اس غیر معمولی کامیابی کو بادشاہ کی اقبال مندی اور تائید غیبی پر محمول کرتا ہے لیکن خدا کی امداد و ابرار ہم کے اقبال کے ساتھ ساتھ یقیناً ابو الحسن کی بھی کچھ قابلیتوں نے اس موقع پر بیجا پور کی مدد کی۔

جب حملہ آور فوجوں نے بیجا پور کا محاصرہ اٹھالیا تو انہوں نے تدبیر خوب ظاہر کی تھی کہ بہرا والک اور سید ترقی شاہ درگ کے قلعے کا محاصرہ کر لیں اور اسے فتح کر کے احمد نگر کی ریاست میں داخل کر لیں۔ محمد قلی قطب شاہ حسن آباد لکھنؤ کو فتح کر کے گزٹن تدابیر پر کامیابی کے ساتھ عہدہ مدہ ہوا۔ اس وقت ترقی نظام شاہ کی نیم دیوانگی کی وجہ سے خود اندرونی حالات اس ریاست کے خراب ہو رہے تھے اور امارت میں سخت نا اتفاقیاں پیدا ہو رہی تھیں اس لیے احمد نگر کی فوج بجائے شاہ درگ کا محاصرہ کرنے کے سیدھے احمد نگر کی راہ اختیار کی مگر جاتے ہوئے اتنا ضرور کیا کہ عادل شاہی علاقہ جات کو جو راہ میں پڑے تھے خوب تباہ و تاراج کیا۔ لکھنؤ اور تراج کے علاقے خصوصیت کے ساتھ برہی طرح تباہ کیے گئے۔ محمد قلی قطب شاہ نے بھی سیدھے اپنے ملک کی راہ لی البتہ اتنا ضرور کیا کہ اپنے ایک بہترین

لے تاریخ فرشتہ۔

یہ بہرہ ان اثر میں ان علاقوں کی تباہی و بربادی کی بہت تفصیل دی گئی ہے۔ لکھنؤ کے متعلق سید علی لکھتا ہے کہ یہ دکن کا اس زمانے میں ایک بارونی شہر تھا۔ تاریخ قطب شاہی میں ان مقامات کے نام: یٹہ گئے میں جو تباہ و تاراج کیے گئے وہ حسب ذیل ہیں۔

گلبرگ، مریچ، رائے باغ، ہونگہری، پتالہ اور ستارہ وغیرہ اس بوٹ مار کے بعد فرشتہ لکھتا ہے کہ قطب شاہی اور نظام شاہی فوجوں نے اپنے اپنے ملک کی راہ لی مگر بہرہ ان کاٹرا و تاریخ قطب شاہی میں لکھا ہے کہ اس کے بعد عہد درگ کا

جنرل کو جس کا نام امیر زنبیل استر آبادی تھا اور جسے حال میں مصطفیٰ خاں کے خطاب سے سرفراز کیا گیا تھا) گلبرگی کہم پر نامزد کرتا گیا اور اُس کے ساتھ ایک زبردست جزار فوج بھی بھیج دی کہ اس علاقے کو فتح کر کے قلب شاہی عمارت میں داخل کر دے۔ اس طرح قلب شاہیوں سے جنگ کا سلسلہ کچھ اور دن جاری رہا۔ مصطفیٰ خاں کے حلوں کو روکنے اور گلبرگی کی مدافعت کے لیے بیجا پوری حکومت نے دلاور خاں حبشی کو ایک فوج کے ساتھ روانہ کیا مگر دلاور خاں کی معرکہ آرائی کے واقعات قلبین کرنے سے پہلے بیجا پور کی اندرونی حالت اور نئے انتظامات کے متعلق اک دو چار سطریں لکھ دینی چاہئیں جو دشمنوں سے نجات پانے اور محاصرے کے اٹھنے کے بعد عمل میں آئے۔

ابو الحسن کا قید کیا جانا | جب بیجا پور کا محاصرہ اٹھ گیا تو پھر ان حبشیوں نے کوشش کی کہ اقتدار ان کے ہاتھ میں آجائے۔ اُنہیں حبش کا اقتدار | تھوڑے زمانے تک تو ابو الحسن کے ساتھ بالاتفاق کام کرتے رہے مگر یہ کاغذ کی ناؤ جلاکت تک چل سکتی جس طرح ایک میان میں دو تلواریں، ایک قلم میں دو بادشاہ نہیں رہ سکتے اسی طرح ایک اقتدار کے دو وجود یا یکجا نہیں رہ سکتے۔ یہاں اب ابو الحسن اور حبشیوں کے درمیان اسی اقتدار کے لیے سخت رقابت پیدا ہو گئی۔ حبشیوں نے محض موقع کی نزاکت کا احساس کر کے اقتدار ابو الحسن کے سپرد کر دیا تھا مگر اب چونکہ کوئی خطرہ باقی نہیں رہا تھا اس لیے ابو الحسن کی وہ کوئی ضرورت محسوس نہیں کر رہے تھے۔ اور چاہتے تھے کہ کسی جیل سے اسے قید کر کے خود حکومت پر قابض و متصرف ہو جائیں۔ اس رقابت نے بالآخر کشیدگی پیدا کر دی۔ ابو الحسن تو غریب کیلا تھا اور یہ یمن اُس کے خلاف میں

(سلسلہ گزشتہ) محاصرہ کیا گیا اس محاصرے کی جو تفصیلات دی ہیں وہ وہ محاصرہ ہے جس کو فرشتے نے بیجا پور کے محاصرے سے پہلے لکھا ہے جس کی تفصیل دی گئی یعنی آقا ترکمان کی وفاداری کا جس میں ذکر ہے۔

برہان نامہ اثر و تاریخ قلب شاہی کے مصنفین کا بیان ہے کہ جب بیجا پور کے محاصرے سے فوجیں لوٹی ہیں اور نندرگ کا ارادہ کیا گیا اُس زمانے میں ابراہیم قلب شاہ کا انتقال ہوا فوج ناندگاؤں میں تھی کہ بادشاہ کے انتقال کی خبر ملی اس کے بعد محمد قلی قلب شاہ شاہ میر کے امر سے نندرگ کے محاصرے کے لیے آیا فرشتے کے اعتبار سے ان واقعات کو گزر کر ایک سال ہو گیا ہے اور یہ بیجا پور کے محاصرے سے پہلے کے ہیں، مگر یہاں ان کو اس طرح بیان کیا گیا ہے (دیکھو تاریخ قلب شاہی اور برہان نامہ اثر و تاریخ فرشتہ)۔

متحد و متفق۔ کہاں تک ان کی فریب کاریوں سے محفوظ رہتا۔ کوئی نیکوئی موقع ہاتھ آگیا ہو گا کہ ابو الحسن کو غفلت میں پا کر انھوں نے قید کر دیا۔ ابو الحسن کا قید ہونا ہی تھا کہ پھر حکومت کی کل ان حبشیوں کے ہاتھ میں آگئی۔ اس طرح ابو الحسن کی حکومت اور اس کے اقتدار کا زمانہ بیجا پور کے محاصرے کے اٹھنے کے بعد ہی ختم ہو جاتا ہے۔ پھر حسب معمول یا حسب سابق اتحاد ثلاثہ اہل حبش قائم ہوتا ہے جس میں کہ اخلاص عامل بالیق اور عمدہ دار اعلیٰ کی حیثیت سے کام کرتا ہے۔ اگر حبشیوں کی اس کارروائی پر تنقیدی نظر کی جائے تو سوائے اسکے اور کچھ نہیں لکھا جاسکتا کہ انھوں نے انتہا درجے کی احسان فراموشی سے کام لیا کہ ایک ایسا شخص جو پورے ملک اور پوری ریاست کا محسن تھا اس کے ساتھ یہ برا سلوک کیا۔ ان کی مزید احسان فراموشی کی دلیل یہ ہے کہ مقصود خان حبشی جیسے محسن کو بھی انھوں نے قید کر ڈالا۔ یہ وہی شخص ہے جس نے ان کو مین الملک کی قید سے بچایا تھا۔ مگر اس کے احسان کے باوجود انھوں نے اسے اس وجہ سے قید کر ڈالا کہ وہ زیادہ طاقتور ہو تا جا رہا تھا۔

لے۔ اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے اس کی تفصیل تاریخ فرشتہ میں نہیں۔ فرشتہ محاصرہ بیجا پور کے اٹھنے کے بعد ابو الحسن کا ذکر ہی نہیں کرتا۔ حالانکہ وہ خود لکھتا ہے کہ محاصرہ بیجا پور کے زمانے میں ابو الحسن مقتدر رہا، اور حبشی حکومت سے کنارہ کش ہو گئے تھے۔ بعد کے واقعات کے سلسلے میں وہ یکدم اخلاص خاں اور دیگر حبشی امرا کا اس طرح ذکر کرنے لگتا ہے جیسے کہ وہی حکومت پر فائز ہیں۔ یہ نہیں ظاہر کرتا کہ کس طرح ان حبشیوں نے ابو الحسن کو حکومت سے خارج کیا۔ البتہ بسا تین السلاطین سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حبشیوں نے چندے ابو الحسن کے ساتھ بالافتاق و بالاشراک کام کیا۔ اس کے بعد جب انھوں نے ابو الحسن کے ایسے آثار دیکھے جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ بلا تزلزل غیرے حکومت کا مالک ہونا چاہتا تھا تو خود پیش دستی کر کے ابو الحسن کو انھوں نے قید کر ڈالا چونکہ دوران محاصرہ میں ابو الحسن حکومت پر فائز تھا اس لیے اندازہ ہی ہوتا ہے کہ محاصرے کے بعد حبشیوں نے اسے حکومت سے خارج کر دیا اور حسب سابق وہی حاکم ہو گئے۔ ملاحظہ ہو تاریخ فرشتہ و بسا تین السلاطین۔

جب حکومت پھر ان بھٹیوں کے ہاتھ میں آگئی تو انھوں نے اپنے میں کہے ایک آدمی کو امیر نیرنگی استر آبادی کے مقابلہ کو روانہ کیا یہ شخص دلاور خاں تھا۔ سب سے پہلی مرتبہ وہ ایک خاص حیثیت کے ساتھ ہارسٹ سامنے آتا ہے۔ بیوں کو جب سے کہتی گروہ حکومت پر قابض تھا۔ شخص بھی حکومت کا شریک رہا، حکومت کے کسی نہ کسی عہد سے پرفارمر رہا۔ مگر اب تک وہ ایک طرح پس پردہ تھا۔ اخلاص خاں جو کراس دوران میں پیش پیش رہتا ہے اس لیے حمید خاں اور دلاور خاں کے حالات اور ان کی کارگزاریاں ایک ناخوشی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں مگر اب وہ پہلی مرتبہ احمد علی خان کو ایک زبردست ہم پر بھیجا جا رہا تھا۔ یہ گلبرگ کی ہم تھی اس مہم میں اس نے اپنے آپ کو ایسا کاروان ثابت کیا کہ تھوڑے ہی عرصے میں اس کی ترقی کا راستہ مسان ہو گیا اور اس مہم سے واپس ہونے کے بعد اخلاص خاں کا خاتمہ کر کے خود کو کیل سلطنت ہو گیا۔ اس طرح نہ مہم اس کی ترقی کا پہلا ترین ثابت ہوتی ہے اور یہاں سے اس کی کامیابیوں اور کامیابیوں کا وہ طویل دور شروع ہوتا ہے۔ تقریباً ۸ سال تک جاری رہتا ہے۔ بحیثیت اتالیق کے آٹھ سال تک جیجا پور میں برسر اقتدار رہا۔ آئندہ جیجا پور میں تو یہ بھی غیر معمولی ثروت دیا یہی وہ ایک اتالیق ہے جس نے کہ ایک عرصے تک جیجا پور پر حکمرانی کی اور باقی حقیقت اتالیق ہونے میں اس کی حکومت صرف مہینوں پر مشتمل رہی۔ چونکہ دلاور خاں سے آئندہ صفحات میں زیادہ عرصے تک سابقہ رہے گا اس لیے اس کے متعلق تفسیر اور دوچار لفظ لکھ دیے گئے۔

دلاور خاں اور محمد علی قطب شاہ نے سات ہزار فوج و کیرہ صفے خاں کو اس مہم پر نامزد کیا تھا۔ دھرم پور میں استر آبادی امیر نیرنگی کے مقابلہ میں اپنی فوجوں کو لیکر غازی گلبرگ ہوا اور دلاور خاں اپنے جیجا پور کی لشکر کے ساتھ اس کے حملے کے روکنے کیلئے اس کے سربراہان پہنچا۔ دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا، مگر کہ نہایت سخت اور خونریز تھا۔ اس میں یہ نتیجہ نکلا کہ فوجوں کا شرف و برکت سالانہ غنیمت عادل شاہیوں کے ہاتھ لگا جس میں ۵۰ ہاتھی بھی شامل تھے۔ اس زبردست کامیابی کے بعد دلاور خاں جیجا پور واپس ہوا۔ فرشتے نے اس جنگ کے متعلق صرف اسی قدر تفصیل دی ہے کہ تاریخ قطب شاہی میں اس کا ذکر ملتا ہے۔

۱۔ اخلاص خاں کے زمانے میں وہ سرحدی کے عہد سے پرفارمر رہا۔
۲۔ کامل خاں اور کشتور خاں کے عہد ہائے حکومت نو مہینوں پر مشتمل رہے۔ اخلاص خاں نے ان کی دو سال حکومت کی۔
۳۔ تاریخ فرشتہ۔

اور حدیقہ العالم میں مزید تفصیلات درج ہیں چونکہ یہ معرکہ نہ صرف بیرونی سیاسیات کے نقطہ نظر سے اہم ہے بلکہ داخلی حالات پر بھی اس نے اپنے گہرے نقوش چھوڑے ہیں اس کے متعلق مزید تفصیل دینا غیر مناسب نہ ہوگا جو شش ٹکامہ نے اس قلب شاہی حلقے کے روکنے کے لیے اپنے میں کے ایک آدمی کو سپہ سالار بنا دیا مگر اب ضرورت اس امر کی تھی کہ مزید فوج ہو حال حال میں جو کچھ حالات پیش آئے تھے ان کی وجہ سے اکثر اُمراء بدول اور پریشان ہو چکے تھے۔ اب انہوں نے ان اُمراء کی تالیف قلوب شروع کی خصوصیت کے ساتھ مین الملک اور انکس خاں کو بڑی چالوسی سے مدد کے لیے طلب کیا۔

ان کو مہر طرغ فوج کرنے کی تدبیر کی گئی تھی جب یہ لوگ آگئے تو بیجا پور کی ایک اچھی خاصی فوج تیار ہو گئی اصل فوج تو بیس ہزار تھی مگر مین الملک اور انکس خاں کے آجانے کی وجہ سے دس ہزار سوار کا اور اضافہ ہوا۔ اخلاص خاں نے اس مہم پر اتنی کثیر فوج روانہ کر دی کہ خود اس کے پاس دارالخلافہ کے انتظام کے لیے بہت کم سپاہ رہ گئی جب بیجا پور کی یہ بڑی دستہ فوج روانہ ہوئی تو قطب شاہیوں نے احمد نگر سے مدد طلب کی چونکہ موجودہ خارجہ پالیسی میں احمد نگر اور گولکنڈہ ہم رنگ و ہم خیال تھے وہاں سے دو تین ہزار کا ایک دستہ مرتزایا و گولڑہ رستم خاں شمشیر خاں جیسے سرداروں کی سرکردگی میں روانہ کر دیا گیا۔ بیجا پور کی فوج کے پیچھے سے پہلے ہی یہ فوجیں قطب شاہی افواج سے ملتی ہو گئیں جب دلاور خاں کی فوج مخالف فوج

لے۔ تاریخ قطب شاہی میں لکھا ہے کہ اس جنگ میں پیش قدمی بیجا پوریوں کی طرف سے ہوئی چونکہ بیجا پور کی سلطنت یہ چاہتی تھی کہ ان علاقہ جات کو حاصل کر لے جو اس سے پہلے کے معرکوں میں جیتیں لیے گئے تھے ان کے استخلاص کے لیے دلاور خاں کی سرکردگی میں یہ فوج بھیجی گئی تھی۔ دلاور خاں کے حملے کی مداخلت کی غرض سے قطب شاہ نے اپنی فوجیں روانہ کیں مگر ایک تاریخ نوشتہ اور بسا تین السلاطین میں اس کے خلاف میں واقعات درج ہیں جو اوپر دیے گئے ہیں۔ تاریخ قطب شاہی صفحہ ۹۰ قلمی نسخہ کتب خانہ صغیر۔ برہان نامہ میں لکھا ہے کہ جب عادل شاہی امیر نے دیکھا کہ عطر و روں کا فوجیں روانہ ہو گئی ہیں تو انہوں نے ان علاقوں کو حاصل کرنے کی ناکامی جو کہ قلعہ قلی نے اس عرصے میں جیتیں لیے تھے اس طرح یہ بھی تریب و ترب قطب شاہی کی تصدیق کرتا ہے۔

۱۱۔ بسا تین السلاطین۔

۱۲۔ تاریخ قطب شاہی۔

۱۳۔ تاریخ قطب شاہی قلمی نسخہ صفحہ ۹۰۔

بالکل مقابل ہو گئی تو اس نے ایک اچھا اور مناسب موقع دیکھ کر اپنا پڑاؤ والا بارش کا موسم تھا اس لیے چھ مہینے تک معمولی جھڑپ اور موسمی پیکار سے بڑھ کر کوئی جنگ نہ ہوئی۔ بارش کے ختم ہوجانے کے بعد بجا پوری افواج نے دشمن کو تنگ کرنا شروع کیا جس کا نتیجہ ایک زبردست جنگ کی صورت میں ظاہر ہوا۔ صبح سے دوپہر تک بڑی زبردست اور کمسن کی لڑائی جاری رہی۔ عالم خاں و طاہر محمد خاں کے حلوں کی وجہ سے بجا پوریوں کا میمنہ منترزل ہو گیا، حالانکہ انکس خاں جو حصے کی سپہ سالاری کر رہا تھا اس نے بڑی روانگی کے ساتھ مقابلہ کیا اور ایک عرصے تک حملے کو روک رہا۔ ملاقات خاں کے پیچھے درپے صفت شکن حلوں نے بجا پوریوں کے میمنہ کو بھی شکست دے دی اب کوئی بات باقی نہ تھی کہ بجا پور کو شکست ہو جائے مگر اس اثناء میں جگہ کی صورت حال بالکل بدل گئی۔ وہ یہ کہ جب میمنہ و میمنہ کو پسیا پئی ہوئی تو مخالفین یہ جان کر ان کے سپہ میدان سے اکھڑ گئے پس فوراً بے ترتیبی کے ساتھ تاخت و تاراج اور لوٹ کھسوٹ میں مصروف ہو گئے۔ مال غنیمت کی تلاش میں یہ کامیاب فوج پریشان و منتشر ہونے لگی۔ دلاور خاں نے یہاں پر اپنی کارروائی اور فوجی قابلیت کا زبردست ثبوت دیا۔ وہ جنگ کے شروع ہونے سے پیشتر ہی فوج کے بہترین حصے کو لیکر کسی کہیں گاہ میں چھپ گیا تھا کہ اچانک حملہ کر کے عین وقت پر مخالف فوج کو پریشان کر دے۔ جب جنگ کا یہ نقشہ ہو گیا تو وہ فوراً اپنی کہیں گاہ سے نکل کر عظیم پڑاؤ پر ابھرا جو اس وقت فتح کے یقین اور لوٹ مار کا نعرہ میں پریشان تھا۔ مرزا یاد گار اور امیر زمخلیل ابھی تک کچھ فوج کے ساتھ میدان میں ڈٹے ہوئے تھے۔ دلاور خاں کا پہلا حملہ ان پر ہوا۔ یہ تھوڑی سی فوج دلاور خاں کے زبردست حملے کی تاب نہ لاسکی۔ بالآخر شکست ہوئی جب اس شکست کی خبر پریشان و منتشر حصہ ہائے فوج کو ملی تو میدان چھوڑ کر فوراً بھاگ نکلی۔

میدان دلاور خاں کے ہاتھ رہا۔ کئی قطب شاہی اور نظام شاہی ہاتھی اور بہت کچھ مال غنیمت بجا پوریوں کے ہاتھ آیا۔ بساتین السلاطین کے مطابق انیس ہاتھی عادل شاہیوں کو ہاتھ لگے۔ اس طرح قطب شاہیوں کا یہ

۱۔ بساتین السلاطین۔

۲۔ برہان مآثر سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تھیلوں کی تعداد (۳۱۵) تھی۔ بساتین السلاطین کا مصنف (۱۲۰) بتلاتا ہے۔ فرشتہ (۱۵۰)۔

حکمہ بھی ناکام رہا۔

اخلاص خاں کے بعد قائد کی یہ آخری کارروائی تھی جو بیجا پور کی حد تک بہت کامیاب رہی چونکہ اس کے بعد ہی
 انگریزوں نے آپس کی مخالفتوں کی وجہ سے اپنی کایاں کھینچا لٹا کر ٹوٹ جاتا ہے اور اخلاص خاں کا عہد اقتدار بھی ختم
 ہو جاتا ہے اس لیے دو چار لفظ یہاں پر ان حلقوں اور فوج کشیوں کے متعلق لکھنے چاہئیں جو اس چھوٹے سید و ریس
 نے جس کی زندگی میں سے بیجا پور پر برسرِ اقتدار کے زمانے سے ہی اندرونی حالات کے خراب ہونے کی
 وجہ سے قطب شاہی اور احمد نگری ملے ہوئے تھے مگر اخلاص خاں کے زمانے میں تویہ حالت ہو گئی کہ بیجا پور کا ملک محاصرو
 کر لیا گیا اور بیجا پور کے قلعے میں کوئی بات ہی باقی نہ رہی تھی مگر ابو الحسن نے بیجا پور کو بچا لیا ابو الحسن
 کے بعد جب پھر اخلاص خاں برسرِ اقتدار ہو گیا تو قطب شاہ نے گلبرگہ چھیننے کے لیے مصطفیٰ خاں کو بھیج رکھا تھا
 اس طرح پھر وہی خارجی اکھنوں کا سلسلہ شروع ہو گیا جو ابو الحسن کے مختصر سے زمانے میں اس کی قابلِ قدر کوششوں سے
 متعلق ہو گیا تھا یہاں پر یہ لکھنا پڑتا ہے کہ محض بیجا پور کی غرض قسمتی تھی کہ ایسے وقفے میں جبکہ اندرون ملک بد امنی

تھی۔ یہاں آثار کے مصنف نے اس جنگ کی کچھ اور تفصیل دی ہے وہ یہ ہے کہ عادل شاہیوں کو جب معلوم ہوا کہ دشمنوں کی
 افواج اپنے اپنے ملک پر روانہ ہو گئی ہیں تو وہ کھوئے ہوئے علاقوں کے حاصل کرنے کی فکر کرنے لگے۔ لا اور خاں اس مہم پر
 روانہ کیا گیا۔ میرزا میرز خیال نے اپنے بادشاہ کو لکھا کہ عادل شاہی افواج کا ایک زبردست اجتماع ہوا ہے اور تقابلی
 تیار ہوا ہے۔ اس لیے افواج کا کافی تہ تیغ ہوا۔ یہ بھی جی ہمارے محمد علی نے لکھ روایت کی اسی اثنا میں میر شاہ میر
 دشمنوں نے ایک کامیاب اور جلی خط محمد علی کے سامنے پیش کیا جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ عادل شاہیوں کا خطرہ دار ہے
 اور ان کی موجودگی خرابی کر رہا ہے کہ وہ ہمت سے لڑیں اور گوکہ کچھ کے غیر ملکی فریق کی ہمدردیاں ان کے ساتھ
 وابستہ ہیں محمد علی نے بغیر تحقیقات کے میر شاہ میر کو قید کر دیا چونکہ یہ شخص غیر ملکی ذوق کار بہر تھا اکثر ائمہ اور
 سرور اہل فوج مددگار ہو گئے اس پر دل اور ناراضی کے عالم میں بھلا فوج کیا دے سکتی۔ بغیر ایک تیر چلانے کے تمام
 فوج غائب ہو گئی۔ میدان عادل شاہیوں کے ہاتھ رہا۔ بے شمار مال غنیمت ان کو ملا جس میں ۵۰ ہاتھی تھے
 ولاحظہ ہو یہاں آثار)۔

پھیلی ہوئی ہوا و سخت کشش کا سلسلہ جاری ہو بیرونی صلوں سے اسے خلاص توقع نجات مل گئی اور وہ بھی کامیابی کی سلسلہ یوں تو یہ اندرونی کشش اور خارجی حملے اپنے بڑے نتائج پیدا کئے بغیر نہیں رہ سکے مگر بحیثیت مجموعی یہ کہا جاسکتا ہے کہ بیجا پور کے حق میں ان کے کچھ زیادہ بڑے اثرات مترتب نہ ہوئے اور اس کی طاقت کو کچھ غیر معمولی دھکا نہیں لگا جس کا یہ بھی ثبوت یہ ہے کہ بیرونی سلطنتوں کو اس کا موقع نہیں مل سکا کہ وہ اپنے ان جارحانہ منصوبوں کو پورا کر سکیں جو انھوں نے بیجا پور کے خلاف باندھے تھے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ باوجود اندرونی کمزوریوں کے بیجا پور نے کس طرح اپنے دشمنوں کے اتنے زبردست اجتماع کو توڑا اور انھیں بے نیل و مرام اپنے ملک کو واپس ہونے پر مجبور کیا ہو گا۔

اس سے اگر کچھ نہیں تو کم از کم بیجا پور کی بنیادی مضبوطی ظاہر ہوئی کہ پیچھے ہادشاہوں نے اتنا مضبوط و مستحکم اور باوقار بنا دیا تھا کہ باوجود ایک تھوڑے سے زمانے کی پریشانیوں کے وہ دشمنوں کے مقابلے میں کامیاب و سرخرو نکلتا ہے۔ دوسرے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس مازک اور پر آشوب زمانے میں اس وقت بھی بیجا پور میں ایسی ہستیاں موجود تھیں جنہیں مغنمتا سے سمجھا جانا چاہیے۔ مثلاً ابوالحسن چاندنی بی وغیرہ۔ ان کا وجود ہی ایک اچھا اور زبردست اخلاقی اثر پیدا کرتا تھا جو قادی توت کی جان ہوا کرتا ہے اور خود جیشیوں (اور خصوصیت کے ساتھ اخلاص خاں) کے متعلق بھی یہ کہنا چاہیے کہ بیشک آپس میں یہ لڑنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے اور بعض اوقات اتنا لڑتے کہ خود ریاست کا وجود خطرے میں پڑ جاتا تھا، اگرچہ بھی وہ بیرونی دشمنوں کے مقابلے میں بیجا پوری ریاست کے بچانے اور عادلانہ شاہی خاندان کی حفاظت کرنے کو اپنا ایمان تصور کرتے تھے۔ اگر اُمراہیں آپس میں اتفاق ہوتا اور خود غرضی کا پہلو فوراً کمزور ہوتا تو یقیناً ابراہیم کا یہ ابتدائی عہد بھی کامیاب اور خوشحال رہتا جسنا کہ اس کا آئندہ دور رہا اگر کسی چیز نے ابراہیم کے اس دور طغولیت کو تاریک بنا دیا تو وہ بھی اُمراہ کی آپس کی کشمکش، لڑائیاں اور خود غرضیاں تھیں جس کی لہٹ دوسری ریاستوں کو تباہی متی ہوئی کہ وہ بیجا پور پر چڑھ آئیں۔ مگر سلطنت بیجا پور کی ابتدا تباہی کی اور اس کی بنیادی قوت کا رہنا ہر تھا کہ باوجود بے در پے صلوں کے وہ ان کو روکنے میں منصور و کامیاب رہتا ہے۔

اُمراہ دہلائے، کی شکست | جب دلا درخاں کو قلب شامیوں اور احمد نگر یوں کے مقابلے میں یہ زبردست کامیابی اخلاص خاں کا زوال

حاصل ہوئی تو اس کی طاقت و قوت اور عظمت و وقار میں بڑا اضافہ ہو گیا اب اس کے پاس ایک زبردست فوج تھی جو بالکل اس کے حکم میں تھی اس وقت جیتے امراء اور سردار فوج کے ساتھ تھے وہ سب اس کے کہنے میں تھے اور ادھر افلاص خاں کے پاس بہت کم فوجیں رہ گئی تھیں کیونکہ قطب شاہی حلی کی مدافعت کے لیے اس نے ریاستی فوجوں کے بیشتر حصے کو دلاؤ خاں کے تحت روانہ کر دیا تھا اب اس کے پاس اتنی کافی سپاہ نہ تھی جس سے کہ اگر موقع ہو تو وہ اپنی مدافعت و محافظت کر سکے۔ یوں بھی افلاص خاں ملک میں کچھ زیادہ ہر و خیز نہ تھا اگر اس کے غلات اچانک کوئی کارروائی ہو تو شہر کا ایک بچہ شاید کسی حمایت میں اٹھکی نہ اٹھائے۔ دلاؤ خاں اس حقیقت سے خوب آگاہ تھا یہ شخص فطرتاً ایک حوصلہ مند آدمی واقع ہوا تھا۔ گو وہ سرفروشی کے عہد سے پر فائز تھا اور اس کو اتنی بڑی فوج کی سپہ سالاری دی گئی تھی، مگر پھر بھی وہ اس پر قانع نہ تھا۔ اور اس کی خواہش تھی کہ وہ ملک کا سب سے اعلیٰ عہدہ حاصل کرے۔ وہ اپنی دانست میں سمجھتا ہو گا کہ جب افلاص خاں وکیل السلطنت ہونے کے لائق ہے تو میں کیوں نہیں؟ مجھ میں جتنی قابلیتیں ہیں وہ شاید ہی افلاص خاں میں ہوں! بغرض اس کی حوصلہ مندی اور اولوالعزمی نے اسے بے چین کر رکھا تھا۔ وہ موقع کا مستلاحی تھا کہ اپنی اس دیرینہ آرزو کو پورا کرے۔ قدرت نے اس کو ایک زبردست اور زرین موقع بھی اس وقت عطا کر دیا تھا شاید اس سے بہتر موقع کبھی ہاتھ نہ آئے اس لیے اب وہ افلاص خاں کی مغزولی کا درپے ہوا جس وقت سے کہ ان جہشی امراء نے اقتدار حاصل کیا تھا ان میں غیر معمولی اتحاد و اتفاق جاری رہا اور دراصل یہی وہ اتحاد تھا جس کی بنا پر افلاص خاں نے اتنے عرصے تک بیجا پور پر حکومت کی اور کوئی دشمن ان پر غالب نہ آسکتا تھا۔ اٹھے وہ جس کو چاہتے زیر کر لیتے تھے چنانچہ ابوالحسن کا مغزول ہو کر قید کیا جانا ان کے غیر معمولی اتفاق و اتحاد کی ایک بہترین مثال ہے۔ بغرض اسی اتحاد نے اتنے عرصے تک ان کو برقرار رکھا کہ کبنا چاہتے انھوں نے اقتدار جو حاصل کیا، خود ان کی باہمی حسد و کشمکشوں کا نتیجہ تھا چوں کہ افلاص خاں خرمین بڑا بڑا کاروبار باعتبار فوج کے زیادہ ذمی و قمار تھا اس لیے قدرتا وہ حکومت کے سب سے بڑے عہدے پر فائز رہا اور اپنے ان دونوں ساتھیوں کی مدد سے حکومت کرتا رہا۔ لیکن قوت و اقتدار ایسی چیزیں ہیں کہ انسان کو بہت جلد بدست کر دیتے ہیں اور رفتہ رفتہ حکومت کا ایسا چسکہ لگتا ہے کہ اس میں کسی دوسرے کی شرکت تلخ اور ناگوار معلوم ہونے لگتی ہے یہیں سے اتفاق و اتحاد کی وہ کڑیاں ٹوٹنے لگتی ہیں جن سے کہ خود یہ اقتدار حاصل کیا گیا تھا اس طرح مقتدر ہستیوں مابین بد وال ہونے لگتی ہیں اب یہاں بھی یہی ہوا جب تک حکومت کا نشہ چڑھا تھا

ان مشیوں کا اتحاد بڑا مضبوط اور محکم رہا لیکن جب یکبارگی اس شراب نے انہیں مست کر دیا تو پھر ان کی طبیعتوں کے اصلی جوہر ظاہر ہونے لگے اور طبائع کے اختلاف نے انہیں بہت جلد ایک دوسرے سے بیزار کر دیا حمید خاں سادہ دل، نیک طبیعت اور کریم النفس آدمی تھا اس لیے اس کی جانب سے نہ اخلاص خاں کو کچھ ڈرتھا اور نہ دلاور خاں کو کچھ خوف بگڑلاور خاں ان تینوں میں بہت ہشیار چال باز اور عیار واقع ہوا تھا موقع کی نزاکت کو جان کر ایک عرصے تک اخلاص خاں کے ماتحت کام کرتا رہا، مگر ہمیشہ اسی تنگ و دو میں رہتا تھا کہ کسی صورت سے ان دونوں (اخلاص خاں و حمید خاں) میں افتراق پیدا کر کے ان کو لڑا دے اور یہ آپس میں جب لڑکر کمزور ہو جائیں تو ان دونوں کو علمدہ کر کے حکومت پر خود قابض ہو جائے اس کی ابتداء سے ہی پالیسی تھی مگر حمید خاں صیے نیک دل آدمی کو لڑا دینا بھی آسان نہ تھا اس لیے ایک عرصے تک وہ اپنے منصوبے میں کامیاب نہ ہو سکا یہ عجیب بات ہے کہ قدرت جن کو ترقی دیتا یا جاتی ہے ان کو مناسب مواقع بھی عطا کرتی ہے چنانچہ دلاور خاں کی فوج قسمتی سے دوران حکومت میں اخلاص خاں اور حمید خاں کی چٹخ لگی بگڑا اس نفاق کے ظاہر کرنے سے پہلے کم کو دلاور خاں کی کارروائیوں پر نظر ڈالنا چاہیے کہ وہ قلب شاہیوں کو شکست دیکر کن کاروبار میں مصروف رہا۔

دلاور خاں کی واپسی کی خبر | اوپر لکھ دیا گیا ہے کہ دلاور خاں نے قلب شاہیوں کے خلاف کامیابی کیا حاصل کی کہ اس کے اقتدار میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا۔ دراصل اس کامیابی کے معنی اخلاص خاں کا زوال اور دلاور خاں کا عروج تھا۔ ایک زبردست فوج اس کے پاس تھی اور کہنا چاہیے کہ اس ایک فوج نے حکومت کے محور و مرکز کو بدل دیا۔ گو بنظاہر اب بھی مستقر بہ اخلاص خاں ہی وکیل السلطنت تھا مگر بے دست دیا اور دلاور خاں اگرچہ اس وقت محض ایک کامیاب جنرل کی حیثیت رکھتا تھا لیکن اقتدار کا اصلی مرکز وہی ہو گیا تھا۔ غرض قلب شاہیوں کو شکست دینے کے بعد اس نے اپنی فتح کی خبر بیجا پور روانہ کر دی اور خود بھی چلنے کی تیاریاں کرنے لگا جب اخلاص خاں کو معلوم ہوا کہ دلاور خاں بڑے جاہ و شہم کے ساتھ بیجا پور آئیوا لا ہے تو اسے اپنی فکر ہوئی کہ مبادا وہ قوت و اقتدار جو اسے اس اثنا میں حاصل ہوا ہے اس کے خلاف ہی دلاور خاں نہ استعمال کرے اس کا یہ اندیشہ رفتہ رفتہ قوی ہو گیا اور چاروں طرف جو ایک نگاہ ڈالی تو

کسی کو اپنا دوست نہ پایا۔ اپنی ذاتی حفاظت و مدافعت کے لیے اور موقع ہو تو دلاور خاں سے مقابلہ کرنے کے لیے اُس کے پاس کافی فوج بھی نہ تھی۔ اُس لیے اُس کی پریشانی اور بھی بڑھ گئی۔

اخلاص خاں کی تدابیر اب صرت اُس کے پاس ایک چارہ کار تھا کہ کسی صورت سے دلاور خاں کی آمد اسی حد تک روک لی جائے کہ اس عرصے میں وہ اپنی مدافعت کے لیے کچھ سامان مہیا کر سکے۔ اس غرض سے اُس نے ایک شاہی فوج دلاور خاں کے نام روانہ کیا کہ تا حکم ثانی دلاور خاں بیجا پور کا ارادہ نہ کرے۔ اور اس وقت جہاں مقیم ہو وہیں ٹھہرا رہے اور جو کچھ مال غنیمت اس پر قبضہ ہو وہ اس جنگ میں حاصل ہوئے ہوں وہ جنہوں میں روانہ کر دے۔ دلاور خاں اس کے لیے تیار رہی تھا۔ اور وہ اخلاص خاں کا دلو سمجھ گیا۔ اس دار کو خالی دینے کی فکر کرنے لگا۔ مبراور کارداں تو تھا ہی اُس نے فوراً بڑے امراء اور سرداروں کی ایک مجلس مشورت طلب کی، اور اُس عام مجلس میں اخلاص خاں کا یہ حکم پڑھ کر سنایا ساتھ ہی بتلایا کہ اخلاص خاں کے ارادے نیک نہیں ہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ خود قن تہما حکومت کرے اور ہم کو حکومت سے بیدخل کرنے کی یہ تدبیر نکالی ہے کہ شاہی فوج کے ذریعہ ہماری بیجا پور کو روانگی ممنوع قرار دی ہے۔ گویا اس طریقے سے وہ سب کو ہلاک چاہتا ہے۔ اور خود بلا شرکت غیرے حکومت پر قابض رہنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ دلاور خاں کا یہ منطقی استدلال ایسا تھا کہ سب کی سمجھ میں آگیا۔ اور وہ بھی اخلاص خاں کے حکم کے وہی معنی لینے لگے جو دلاور خاں نے بتلائے تھے۔ اور پھر جیسا پہلا کہا گیا ہے اخلاص خاں سے بہت کم لوگ خوش تھے اُس کی اُن کارروائیوں کو اور بھی مستحبہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ ایک قویوں بھی وطن یاد آ رہا تھا اور سب بے چین تھے جنگ میں کامیابی حاصل کر کے وہ اپنے اپنے گھروں کو جانے کی فکریں تھیں کہ اخلاص خاں کا یہ نادری حکم پہنچا اُس لیے اُن کو نیز بردستی کی روک بھلی معلوم نہ ہوئی سب کے سب بگڑ بیٹھے اور دلاور خاں سے ہر ایک نے وعدہ کیا کہ وہ اُس کو آخری وقت تک مدد دینے کے لیے تیار رہے۔ دلاور خاں کا مطلب پورا ہو گیا۔ اُس نے سرداروں کے وقتی جذبات کا بہت خوبی سے فائدہ اٹھایا۔ اور قبل اس کے کہ اخلاص خاں اپنی محافظت کی کچھ فکر کرتا وہ اُس کے سر پران پہنچا۔

ادھر اخلاص خاں اس ادھیڑ میں تھا کہ اگر دلاور خاں تھوڑا سا تساہل کرے یا کسی وجہ سے بھی اُس کی آمد دھکیل میں پڑ جائے تو اُس کے مقابلے کے لیے کافی تیاری کر لی جاسکے۔ اس وقت خاص

قلعہ شاہی (ارک بیجا پور) پر حیدر خاں مقرر تھا۔ بارہا اس قلعہ کی قلعہ داری پر جھگڑا ہو چکا تھا جو دلیل السلطنت تھا وہ اپنے آدمی کو یہاں رکھنا چاہتا تھا کیونکہ جب تک قلعہ قابو میں نہ ہو بھلا اپنی حفاظت کا کیا یقین، مگر اخلاص خاں کی بدقسمتی سے حیدر خاں دلاور خاں کا دوست اور عزیز تھا جس زمانے میں بمبئی ایک جان ویک قابل تھے یہ اُس وقت مقرر کیا ہوا آدمی تھا اب جوان میں آپس میں لڑائی تو ان کی پارٹی میں بھی پھوٹ پڑ گئی حیدر خاں اپنی عزیز داری کی بنا پر دلاور خاں کا ساتھ دینے کے لیے تیار تھا اس طرح دلاور خاں اگر ایک دم سر پر آن پہنچے تو اخلاص خاں اُس کے پیچھے تھا۔ اس وقت اخلاص خاں کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ کسی طرح حیدر خاں کو معزول کر کے اُس کی جگہ پر کسی اپنے آدمی کو فائز کر دے تاکہ قلعہ اپنے قابو میں رہ سکے اس کے لیے تھوڑی مہلت کی ضرورت تھی، مگر دلاور خاں حیدر خاں کی موجودگی کو غنیمت سمجھتا تھا اب اُس کی کوشش یہ ہوئی کہ حیدر خاں کے کھائے جانے سے پہلے ہی وہ بیجا پور پہنچ جائے اس لیے برق و باد کی مانند مہینوں کی راہ دونوں میں طے کرتا ہوا دس روز کا راستہ پانچ روز میں قطع کر کے بیجا پور پہنچا۔ ہر روز اور ہر منزل پر برابر اسے شاہی حکم و جوہر اصل اخلاص خاں کے حکم تھے پہنچتے تھے کہ وہ توقف کرے مگر اُس نے ان کی پروا نہ کی۔ جب بیجا پور کے قریب پہنچا تو اسے ایک تائیدی حکم ملا کہ وہ آج شہر میں داخل نہ ہو بلکہ دوسرے روز اپنے سفر کی بھکان دور کر کے آستان بوسی کا شرف حاصل کرے۔ دلاور خاں جانتا تھا کہ یہ سب اخلاص خاں کی چالیں ہیں اور محض مہلت لیکر اپنے کو مستحکم کرنا چاہتا ہے اس لیے وہ برابر اُس کے وار خالی دے رہا تھا اب جبکہ اُسے یہ تائیدی حکم ملا تو اُس نے جواباً کہلا بھیجا کہ آج ہی آستان بوسی کا شرف حاصل کرنا ہمارے لیے باعث سعادت مندی ہو گا اس لیے تاخیر کی گنجائش نہیں۔

جب دلاور خاں آہی گیا تو اخلاص خاں کو ظاہر داری کی خاطر سولے اس کے چارہ نہ رہا کہ وہ اُس کے استقبال کو جائے میسے لیکر کامیابہ جنرل کے استقبال کو حکومت کے غایت سے جاتے ہیں اور اُس کا غیر مقدم کرتے ہیں۔

دلاور خاں کا غیر مقدم اخلاص خاں نے بادشاہ کو جہاد لیکر دلاور خاں اور دیگر سرداران فوج کا طوعاً و کرہاً استقبال امرائے محض کے اختلافات کیا اور بری عزت و توقیر کے ساتھ ان کو شہر میں لایا۔ ہر طرح اُن کی حوصلہ افزائی کی گئی اور انھیں خوش کیا گیا۔ مگر یہ سب ظاہری نمائش تھی، اندرونی طور پر فسادوں اور خجشوں کا مواد پک رہا تھا اور محض ایک ٹپس کی ضرورت تھی کہ یہ نکلے۔ نہ صرف اخلاص خاں دلاور خاں، بلکہ ہر شخص اپنی جگہ سمجھا ہوا تھا کہ یہ ظاہر داریاں

زیادہ عرصے تک چل نہیں سکتیں اس وقت حکومت اور اقتدار کے دعویداروں و شخص تھے۔ اور ان میں سے کسی ایک کے حق میں فیصلہ
 ہونا ضروری تھا۔ لیون تو حمید خاں بھی ان دو کے علاوہ امیدوار تھا، مگر حقیقی کشمکش دراصل دلاور خاں اور اخلاص خاں
 کے درمیان ہی تھی حمید خاں کی اگر کچھ اہمیت تھی تو یہی کہ جس کی کابھی ساتھ دے گا اس کا بدلہ اس کے دشمن کے
 مقابل میں بھاری ہو جائے گا۔ دلاور خاں چونکہ ہرشیار اور بلا کا سیاست دان تھا، حمید خاں کی اہمیت کی جو خاص
 نہایت تھی اس کو ناساؤ گیا۔ چونکہ اس کا اصلی رقیب اور مد مقابل اس وقت اخلاص خاں تھا جس کو وہ ہٹانا چاہتا
 تھا اس لیے اس نے حمید خاں سے دوستی پیدا کر لی اور دوستی کو استوار کرنا گیا، اور کسی جگہ اشارہ کیا ہے کہ اُسکی
 ابتدا سے پالیسی یہی تھی کہ کسی طرح ان دونوں کو لڑا کر رکھ دے اور پھر خود قابض ہو جائے۔ اب چونکہ اخلاص خاں کا
 مخالفت بھی بڑھ گئی تھی اس لیے حمید خاں کو اپنا لڑکے اسے اخلاص خاں کے خلاف اکسائے لگا۔ اخلاص خاں یہ یقین
 بھی تھا کہ موقع کی اہمیت کا پورا پورا احساس نہ کر سکا اور عین اس زمانے میں جبکہ دلاور خاں اس کے خلاف ہو گیا تھا
 اس نے حمید خاں سے بھی لڑائی مول لی۔ حالانکہ اسے چاہیے تو یہ تھا کہ ایسے نازک موقع پر اس کی ہر طرح سے مدد بھی کرتا
 اور تالیفِ قلب کے ذریعہ اپنا بنا کر رکھتا۔ یہ تو کچھ سوچ بھی نہیں لئے حمید خاں کو بھی دشمن بنالیا۔ رفتہ رفتہ اخلاص خاں
 اور حمید خاں کی بری طرح جنگ لگئی، اور بگڑی بھی ایسی کہ توپ و تفنگ کی نوبت آگئی۔ اور معاملہ بالکل معمولی تھا۔
 محض کچھ ہاتھیوں پر جھگڑا تھا، اور کچھ یہ کہ اخلاص خاں نے جاگیریں زیادہ داب رکھی تھیں۔ یہ اس کی سراسر
 زیادتی تھی چاہیے تھا کہ مینوں میں علی السوئیہ تقسیم کر دیتا۔ اخلاص خاں کو چاہیے تھا کہ حمید خاں اور دلاور خاں کے مطالبے
 پورے کر دیتا، مگر ضدی اور مثیلا بلا کا تھا جو کہہ گیا سو کہہ گیا، برابر اپنی ضد پر قائم رہا۔ حمید خاں اورد دلاور خاں
 یہاں تک بھی اُسی ہو گئے کہ ایک لاکھ کی جاگیر وہ ان دونوں سے زیادہ اپنے دستِ خزان کے خرچ کے طور پر لے سکتا
 ہے مگر اس سے زیادہ نہیں اخلاص خاں کسی قسم کے شرائط بھی مننے کے لیے آمادہ نہ تھا اس کے ضدی پن نے اس کی
 عقل و جوش کو سلب کر لیا تھا، اس ذرا سے معاملے کو اتنا طول دیا کہ لڑائی کی نوبت پہنچ گئی۔ لڑائی زیادہ حمید خاں
 اور اخلاص خاں کے درمیان تھی اور دلاور خاں کبھی منہ نہ آتا تھا مگر اس فتنہ و فساد کی آگ کو اور زیادہ
 مشتعل کرنے میں برابر دیکھی لے رہا تھا۔ کارروائی تو پوری کئے گیا مگر آخر وقت تک پس پردہ رہا! دھڑلے کو
 کچھ سمجھاتا اور دھڑلے کو کچھ نتیجہ یہ ہوا کہ حمید خاں اپنے گھر بیٹھ گیا۔ اور اخلاص خاں نے بھی اپنے گھر کی

قلعہ بندی کر لی طرفین سے تو یہیں سر ہوئے لگیں۔ اس آپس کی پیکار میں بیچارے راہ چلتے شہری زخمی ہو جاتے تھے یہ
 کشمکش اور خانہ جنگی کا سلسلہ ایک عرصے تک جاری رہا اس کے تباہ کن اثرات و نتائج کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے
 جس کو ابراہیم زہیری نے اس خانہ جنگی کے سلسلے میں بیان کیا ہے چنانچہ دیکھتا ہے کہ ہر روز نازہر طرن توپ و دیگر
 آلات حرب و کار بود مردم فقیر مسکین و رعیت در میان جنگ ایشان پامال حوادث ہی گشت چنانکہ یک روز
 مولانا دوست محمد استر آبادی در دوکان سوداگر فتنہ بود کہ گولہ توپے از جانب افلاص خاں شورش نغز نغز ان مولانا
 مشتارالہ رسید۔ یکے بر دیگرے خوردہ از ہم پاشیدہ ہلاک گشتہ۔ غرض اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی آپس کی خانہ جنگیوں
 کی وجہ سے اس پسند رعایا مفت میں پس رہی تھی جب یہ جھگڑا طویل کھینچے گا ملک کے بعض سربراہ و دروہ لوگوں نے
 اس امر کی کوشش کی کہ صلح ہو جائے۔ مگر اخلاص خاں کی ضد نے کام بننے نہ دیا اور دوسرے دلاور خاں بھی اس
 صلح کو دل سے پسند نہ کرتا تھا۔ اگرچہ اگلو بظاہر اُس نے بھی پیشقدمی کی چنانچہ رفیع الدین شیرازی صدر جہاں و شیخ سالم
 مولانا دوست محمد خاں و غیرہ اخلاص خاں کے پاس مصالحت کی غرض سے گئے۔ اُسے بھی یہ سمجھا یا، سلطنت کی
 حالت بتلائی، دشمنوں کا چاروں طرف و انت لگائے بیٹھنا ظاہر کیا اور یہ بتلایا کہ یہ موقع لڑنے جھگڑنے کا نہیں
 آپس میں صلح کر لینی چاہیے۔ مگر ان کوششوں کا کوئی سودمند نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

معاملات بگڑتے ہی گئے، تو یہیں سر ہوئیں، تیر و تفنگ سے کام لیا جاتا اور ہر طریقے سے بد امنی پیدا ہو رہی تھی۔
 رنجشوں کا ایک سلسلہ تھا کہ ختم ہی نہ ہوتا تھا۔ کشمکش جاری رہی، ہاتھیوں پر جھگڑے، ملک کی کمی زیادتی پر جھگڑے،
 افتخارات پر جھگڑے۔ غرض کوئی ایسی بات نہ تھی جس پر کہ ایک دوسرے کو کچھ اعتراض نہ ہوتا جی کہ دربار میں
 آئے تو صلح آدمیوں کو ساتھ لائے، اور خود مسلح رہتے یہاں تک بدگمانی بڑھی ہوئی تھی کہ ایک دوسرے پر قطعاً اعتقاد
 نہ کرتا تھا۔ بالآخر اس طوفانی فتنے نے اپنا رنگ جایا اخلاص خاں دن بدن کمزور ہوتا گیا، اُس کی ضد نے اُس کے
 بہت سارے دشمن بنا دئے۔ وہ لوگ بھی اُس کا ساتھ چھوڑنے لگے جو ابتداً اُس کے ساتھی تھے چنانچہ مین ملک و
 آئیں خاں بھی حمید خاں و دلاور خاں سے آئے جواب تک اخلاص خاں کا ساتھ دے رہے تھے اُس کے لوگوں نے
 یہاں تک کٹا رہی انتقامی بالآخر وہ بیچارہ بیکار و تنہا رہ گیا اب اس وقت حمید خاں و دلاور خاں میں خوب
 اتفاق تھا اور ان دونوں کا یہ بھاری تھا کہ آخر کار دلاور خاں نے اپنی فوجوں کو آراستہ کیا اور اخلاص خاں کے

گھر کو گھیر لیا! اخلاص خاں یہ جانتا تو تھا ہی کہ اتنا کچھ ٹھیک نہیں جب دلاور خاں نے یہ کارروائی کی تو پریشان ہو گیا اور غصہ طور پر یہی صورت سے اپنے بچوں کو لیکر حمید خاں کے گھر آیا کہ اُس سے کچھ مدد طلب کرے مگر بڑے وقت کا کون سا تھی ہوتا ہے، دوست بھی دشمن ہو جاتے ہیں یہ تو پہلے ہی اخلاص خاں پر جلایا تھا، بعد اس وقت کیا سیدھے منہ بات کرتا، رخ کر کے ایک بات نہ کی، البتہ سرسری طور پر اتنا ضرور کہہ دیا کہ اُس کی جان کو کسی قسم کا گزند نہ پہنچایا جائے گا، اور کہ معظمہ جانے کی اجازت دے دی جائے گی۔

اخلاص خاں کو تھوڑا بہت اطمینان تو ہو گیا مگر پھر بھی دلاور خاں کی جانب سے خدشہ تھا۔ کیونکہ یہ وعدہ تو حمید خاں نے کیا تھا، اور اخلاص خاں یہ جانتا تھا کہ جب اقتدار دلاور خاں کے ہاتھ میں آجائے (جو کہ آنا لازمی ہے) تو پھر حمید خاں کس شمار و قطار میں۔ اسی وجہ سے وہ پورے طور پر مطمئن نہ ہوا۔

ادھر دوسرے روز حمید خاں اور دلاور خاں نے دربار میں اپنی حاضری بتائی اور وہاں بادشاہ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا! اس باریابی کے معنی یہ تھے کہ سرکاری طور پر اقتدار اخلاص خاں کے ہاتھ سے نکل کر دلاور خاں اور حمید خاں کے ہاتھ میں آگیا! اس کے بعد دلاور خاں نے پہلا کام یہ کیا کہ تمام شہر کے محافل میں اور بہرہ و داروں کو احکام روانہ کر دیئے کہ شہر کے تمام دروازے بند کر دیئے جائیں، اور اخلاص خاں کو فرما ہوئے کا موتمن نہ دیا جائے۔ اخلاص خاں کی گرفتاری، اخلاص خاں نے اس عرصے میں پھر ایک بار حمید خاں کو اپنا بنانے کی کوشش کی اور اور قید کیا جانا۔ اُس کے گھر پر آیا۔ مگر دلاور خاں کے آدمیوں کے ذریعہ معلوم ہوا کہ اُسے بادشاہ نے

کہ معظمہ جانے کی اجازت مرحمت فرمادی ہے، وہ سفر کی تیاریاں کر رہا تھا اور جلد از جلد عازم حرمین و شریفین ہو جائیگا! اخلاص خاں کو تو جان کے لالے پڑے تھے اُس نے اسی کو غنیمت جانا اور سفر کی تیاریوں میں مشغول ہو گیا، مگر اُس غریب کی قسمت میں بیجا پور سے صبح و سلامت جانا نہیں لکھا تھا۔ سرکاری طور پر احمد خاں کو اخلاص خاں کے ساتھ اُسے سرحد تک پہنچانے کے لیے مقرر کیا گیا مگر حقیقت میں اُس کے مقرر کئے جانے کا کچھ اور ہی مقصد تھا جو ابھی ظاہر ہوتا ہے! احمد خاں دراصل دلاور خاں کا سکھیا پڑھایا تھا۔ دلاور خاں کو یہ بھی گوارا نہ تھا کہ اخلاص خاں صبح و سلامت اُس کے بچے سے نکل جائے! اس لیے اُس نے یہ تدبیر اختیار کی تھی جب اخلاص خاں احمد خاں کی معیت میں مرتضیٰ آباد (مرج) پہنچا تو احمد خاں نے اُسے مزید سرکاری حکم سنائے۔ وہ احکام یہ تھے کہ جب تک بارش کا

موسم ختم نہ ہو لے اخلاص خاں دریا کے سفر کا ارادہ نہ کرے! اور مناسب موسم کے انتظار میں چند عرصے ہیں (یعنی مرتضیٰ آباد مرج) میں قیام کریں رہے۔ ان احکام کا سننا ہی تھا کہ اخلاص خاں کی روح سر ہو گئی۔ وہ کچھ بھی نہ تھا کہ اُس کا اصلی مقصد نہ سمجھتا اور دلاور خاں کی چالبازیوں کو نہ تاثر لیتا۔ یہ حکم اُس کے لیے جس دوام کے حکم سے کچھ کم نہ تھا۔ یہ دلاور خاں کی عیاری اور چالاکی تھی کہ عین شہر میں اخلاص خاں کے ساتھ کچھ برا سلوک نہیں کیا بلکہ اپنی سفاکی کو ایک تدبیری جامہ پہنا کر اس طرح اخلاص خاں کو مرتضیٰ آباد مرج میں قید کر دیا۔ اور دراصل احمد خاں روانہ اسی لیے کیا گیا تھا کہ وہ اخلاص خاں کو مرج سے ایک قدم آگے بڑھنے نہ دے بلکہ یہیں قید کر دے چنانچہ اس پر عمل ہوا، اخلاص خاں قید کر دیا گیا اور تھوڑے دنوں کے بعد دلاور خاں کے حکم سے ہی اُسے اندھا بھی کر دیا گیا۔ دلاور خاں کے عہد اقتدار تک (جو ہشت سالہ دور ہے) اخلاص خاں مع اہل و عیال کے قلعہ مرج میں قید رہا۔ جب ابراہیم نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو اخلاص خاں کو بھول نہیں گیا بلکہ اُس کو اور اُس کے بچوں کو رہائی عطا کی۔ بیجا پور طلب کیا، اور کچھ مہرکاری طور پر وظیفہ مقرر کر دیا کہ وہ اور اُس کا خاندان آسودگی سے زندگی بسر کر سکے۔ اخلاص خاں کا انتقال سلسلہ میں ہوا۔

اخلاص خاں کا دور حکومت | اس طرح اخلاص خاں کا دور حکومت ختم ہوتا ہے دو سال تک اس نے اور کیر کر۔ بحیثیت ریجنٹ کے حکومت کی۔ بدنسٹ دوسرے متولیوں کے جو اس سے پہلے

گزر چکے تھے اس نے زیادہ عرصے تک حکومت کی! اس کے دور میں بیجا پور میں نہ صرف خانہ جنگیاں ہوئیں بلکہ بیرونی حملوں کا بھی ایک طویل سلسلہ جاری رہا۔ اس طریقے سے یہ مختصر سا زمانہ نہایت پر آشوب ہے۔ اس عرصے میں وہ زمانہ بھی شریک ہے جبکہ اخلاص خاں حقیقی معنی میں وکیل السلطنت نہ تھا بلکہ ابوالحسن اُس کی جگہ پر کارفرما تھا۔ لیکن ابوالحسن کے بعد پھر وہ سب سابق مقتدر ہو گیا! اس کی طبیعت کی تیزی اور ہٹیلے پن نے اس کو بہت نقصان پہنچایا، ورنہ یہ ممکن تھا کہ وہ اور زیادہ عرصے تک حکومت کر سکتا۔ بیجا پوری محاصرے کے وقت اس نے بڑے ایشار سے کام لیا کہ خود بخود اپنے ساتھیوں کے ساتھ مستغنی ہو گیا اور ابوالحسن کو حکومت کا موقع دیا۔ اگر وہ اس وقت بھی جبکہ حالات اُس کے خلاف

ہو رہے تھے اسی طرح از خود مستغنی ہو جاتا جیسا کہ اس سے پہلے کیا تھا تو شاید اسے یہ براؤن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ مگر دلاور خاں کی چال بازی، ہشیاری اور عیاری نے اسے پیچھے نہ دیا۔

۷۔ اخلاص خاں کے زوال کے متعلق یا زیادہ صحیح طور پر اخلاص خاں جس طرح کہ دلاور خاں کے پنجے میں پھنسا ہے اس کے متعلق اوپر جو تفصیل دی گئی ہے وہ زیادہ تر تحفۃ الملوک اور بسائن السلطن سے لی گئی ہے۔ مگر تاریخ فرشتہ میں اس کے خلافت و اقتات درج میں چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ دلاور خاں قطب شاہیوں کو شکست دینے کے بعد خود وکیل السلطنت ہونا چاہتا تھا۔ اور اخلاص خاں کو مغرول کرنے کی فکر کرنے لگا اس لیے اس نے حیدر خاں قلعہ ارکو مایعہ و لغریب اور عہدیشاق کے ذریعہ اپنا ہتھیال کر لیا۔ اس کارروائی کو تکمیل کو پہنچا کر وہ حسن آباد گلبرگ سے بیجا پور آیا جب اشد پور کے قریب پہنچا تو اس نے اپنے آدمیوں کو اخلاص خاں کے ہاں روانہ کیا۔ چنانچہ فرشتہ کے الفاظ ہیں ”متعلقان معتقد خود رانزد اخلاص خاں فرستاد و تقریبات انجمنہ چندان لوازم اخلاص و اعتقاد و شرائط و چا پلوسی بتقدیم رسانید کہ و غافل مطلق شدہ دلاور خاں را جزو ضعیف عاجز دانستہ و از رعایت حزم دور افتادہ در محافظت و ضبط شہر و قلعہ نہ کوشید“ اس طرح اخلاص خاں نہ صرف غافل ہو گیا بلکہ دلاور خاں کو کہلا بھیجا کہ موقع ملے ہی حضور میں باریاب کروادوں گا۔ دلاور خاں نے جب دیکھا کہ اخلاص خاں بالکل غافل ہو گیا ہے تو سائت ہزار فوج کے ساتھ شہر میں داخل ہو کر قلعہ ارکو پر قبضہ کر لیا۔ جہاں پر حیدر خاں نے حسب وعدہ کوئی مزاحمت نہ کی۔ دلاور خاں نے چاروں طرف اپنے آدمی مقرر کر دیئے، بادشاہ کے پاس حاضر ہوا اور باریابی بھی حاصل ہو گئی جس وقت دلاور خاں شہر میں داخل ہوا ہے اخلاص خاں دیوانہ کے کام سے فراغت پا کر اپنے گھر میں آرام کر رہا تھا۔ اسی اثنا میں اسے معلوم ہوا کہ شہر میں ایک کایا پلٹ ہو گئی ہے۔ فوراً تین چار ہزار سپاہیوں کے ساتھ دلاور خاں کے مقابلے کو نکلا۔ لیکن دلاور خاں کی فوج کی گولیوں کی بوچھاڑ نے اسے پیچھے ہٹنے پر مجبور کیا۔ چار مہینے تک اخلاص خاں نے

اُس کے کیرکڑے متعلق یہ بات صاف اور صریح طور پر واضح ہے کہ جس وقت اُس کے ہاتھ میں
 اقتدار آیا اُس میں سفاکی اور ظالمانہ اوصاف بھی سرایت کر گئے چونکہ اُس نے اپنے زمانے میں
 اپنے دشمنوں کے ساتھ کبھی رحمہ کی سلوک نہیں کیا تھا اس لیے درجہ بندی کے سلوک کا مستحق بھی
 نہ تھا۔ کشور خاں کے اہل و عیال کے ساتھ وہ جو سلوک کرنا چاہتا تھا وہ اس کے کیرکڑے کے
 ایک شرمناک پہلو کو ظاہر کرتا ہے۔ اور اُس کی یہ کوتاہ فہمی و کمینہ پروری پر دال ہے کہ وہ اپنی
 اُس غاصت کو جو اُسے کشور خاں سے تھی اُس کے بیگناہ عورتوں اور بچوں پر نکالنا چاہتا تھا۔ آدمی
 نہایت تند مزاج، غصیلہ، خدی اور اپنی ہٹ کا تھا، مگر اُس کے ساتھ ہی بہادر و قادر اور
 نمک حلال بھی تھا اس نے ملک کے ساتھ کبھی بدخواہی نہ کی۔ یہ اور بات ہے کہ اُس کی طبیعت کی کمزوریوں کی

(بلسلسلہ گزشتہ) شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اور فریقین میں جنگ ہوتی رہی۔ بالآخر اخلاص خاں کے
 ساتھی اُس کا ساتھ چھوڑنے لگے۔ چنانچہ بلبل خاں مشتی نے جو کسی زمانے میں مصطفیٰ خاں اردستانی
 کے خاص ملازمین میں سے تھا اور اُس کے قتل کے بعد سے اخلاص خاں کے ساتھ اپنے کو وابستہ
 کر لیا تھا، عین اُس موقع پر بے وفائی کی اور دلاور خاں سے مل گیا جس کی وجہ سے اُسکی طاقت میں
 اضافہ ہو گیا، اور اخلاص خاں کمزور پڑ گیا۔ اخلاص خاں میں اب مقاومت کی تاب نہ رہی، مگر
 پھر بھی وہ بھاگنے کو عازم سمجھتا تھا اس لیے نہ بھاگا۔ دلاور خاں نے اُسے گھیر کر پکڑ لیا اور اندھا
 کر وادیا۔ اس طرح فرشتہ اور بساتین السلاطین و تحفۃ الملوک کے بیانات میں اخلاص خاں
 کے زوال کے متعلق اختلاف ہے۔ رفیع الدین شیرازی کا بیان معصودہ معلوم ہوتا ہے
 اس وجہ سے کہ وہ اس وقت یہاں پر موجود تھا اور فرشتہ ان واقعات کے بعد بیجا پور
 آیا ہے۔ اس وجہ سے تحفۃ الملوک اور بساتین السلاطین کے بیان کو (جو تحفۃ الملوک کی پیروی
 کیا کرتا ہے) ترجیح دی جاسکتی ہے۔ یہاں پر یہ بھی لکھ دینا چاہیے کہ گو واقعات میں کچھ اختلاف ہے مگر
 کوئی اہم اختلاف نہیں۔ ملاحظہ ہو (فرشتہ، بساتین السلاطین و تحفۃ الملوک)۔

وجہ سے وہ ملک کو زیادہ فائدہ نہ پہنچا سکا۔ بلکہ اسنے خانہ جنگیوں اور بیرونی مشکلات کا باعث ہوا۔

متولیانِ ریاست

بابِ ششم

دلاور خاں حبشی

دلاور خاں اور حمید خاں کی گزشتہ باب میں اس کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ اخلاص خاں حمید خاں اور دلاور خاں کی متفقہ ان بن حمید خاں کا قید ہونا گوشوں سے معزول کیا گیا اور پھر اسے قید کر دیا گیا اس کے بعد قدرتی طور پر تسم ملکی اختیارات ان دونوں کے ہاتھ میں آ گئے اور چند روز تک ان دونوں نے متحدہ طور پر مہات ملکی کو انجام دیا مگر دلاور خاں اور حمید خاں کا یہ اتفاق و اتحاد محض وقتی تھا اس میں پائیداری کی کوئی گنجائش ہی نہ تھی کیونکہ دونوں کی طبیعتوں میں زمین و آسمان کا فرق تھا اسی طرح قابلیتوں کے اعتبار سے بھی یہ ایک دوسرے سے بالکل متضاد تھے دلاور خاں ایک نہایت ہوشیار اور تجربہ کار آدمی تھا پائسی کی چالاکیوں کا نتیجہ تھا کہ اخلاص خاں جیسا آدمی سپاہ ہو گیا، اور بالآخر اس کو ہارمانی پڑی، حمید خاں محض بھڑکی کا آدمی تھا، دراصل اخلاص خاں کے اکھاڑنے کے لیے دلاور خاں نے اس کو اپنا ساتھی بنا لیا اور اس کو بھر کا کر اخلاص خاں کا مخالف بنا دیا تھا، مطلب یہ تھا کہ جب دونوں لڑا کر کرد ہو جائیں تو خود قابض ہو جائے اور دیکھ اس سلطنت کا عہدہ حاصل کر لے اور اس کو یقین تھا کہ اخلاص خاں سے اگر راستہ صاف ہو جائے تو حمید خاں کو بید مل کر دینا ایک منٹ کا کام ہے، وہ اس کی سادگی اور سادہ لوحی کو چمک جانتا تھا، اور اس کی جانب سے اسے کوئی خطرہ نہ تھا، اسی لیے چند روز تک محض نمائش کے لیے اسے اپنی حکومت کا شریک بنائے رکھا اور ہر طرح اس کی کجگوئی کی، اس چال سے اس کا مقصد یہ تھا کہ حمید خاں کچھ غافل ہو جائے اور اس اثنا میں کوئی مناسب موقع بھی ہاتھ آئے کہ اس کو بھی نکال باہر کیا جائے اس اصول پر کام کر کے اس نے حمید خاں کو غافل کر دیا، یہ غریب نہایت سیدہ حاصلوہ آدمی تھا اسے سیاسی داؤ پیچ کتنی قسم کی مناسبت نہ تھی۔ وہ بھلا دلاور خاں کی چال بازیوں کو کیا خاک سمجھ سکتا، وہ نہایت سادگی سے اخلاص خاں کے اکھاڑنے میں

دلاور خاں کا ساتھ دیا مگر یہ نہ سمجھا کہ خود اپنے حق میں اس کے کیا نتائج ہوں گے، ان وجوہات کی بناء پر چند فرد تو ایسے گذرے کہ حمید خاں اور دلاور خاں ایک جان دو دو قالب ہو گئے، اور مہمات لکی کو متحدہ اور متفقہ طور پر انجام دینے لگے، لیکن اصلی قوت کام کر دہ دلاور خاں تھا اگرچہ غیر محسوس طور پر حمید خاں ایک ثانوی حیثیت اختیار کر رہا تھا، وجہ صاف ظاہر ہے ایک پکا بد برا اور غیر معمولی طور پر معاملہ فہم واقع ہوا تھا، اور تمام سیاسی جوڑ توڑ کے نازک اصولوں سے پورا واقف تھا، دوسرے میں یہ سارے اوصاف قطعاً مفقود تھے اور وہ تدبیر اور سیاست دانی کی نزاکتوں سے عاری تھا اگرچہ استعداد تھی بھی تو دلاور خاں کی دانشمندی کے سامنے وہ ماند پڑ گئی، اور وہ اپنے اس ”دوست فاجریت“ کے مقابل چمک نہ سکا، اور اس پر طرہ یہ کہ سادہ لوحی سے وہ اس پر پورا اعتماد و اعتبار کئے ہوئے تھا اس وجہ سے غافل رہا اور موقع کو کھو دیا، جب صورت حال ایسی ہو تو بھلا یہ ظاہری اتفاق و اتحاد کب تک جاری رہ سکتا تھا۔

نفاق ہونا لازمی تھا یا بالآخر ہو کر ہی رہا۔

حمید خاں یہ سمجھ بھوئے تھا کہ اغلاص خاں کے ہٹ جانے سے وکیل السلطنت کا عہدہ خالی ہو جاتا ہے، اگر اس عہدے پر دلاور خاں قابض ہو جائے تو کم از کم سر فوجی کا اسے عہدہ ملنا چاہیئے اور اسی عہدہ پر وہ دانت لگائے بیٹھا تھا۔ دلاور خاں نے بھی اسے غافل رکھنے کے لیے چند روز تک اس کو ایسے ایسے سبز باغ دکھائے کہ وہ بالکل اسکے فریب میں آگیا، اور اپنے بچاؤ کی کوئی تدبیر ہی نہ کر سکا۔

جب دلاور خاں کے پاؤں خوب اچھی طرح جم گئے تو وہ حمید خاں کی طرف متوجہ ہوا، یہاں سے کھلم کھلا مخالفت کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ دلاور خاں اپنے طرز عمل سے یہ ثابت کر دکھاتا ہے کہ اب اسے حمید خاں سے کسی قسم کا خون نہیں رہا ہے، اس لیے اس نے سر فوجی کے عہدہ پر (جس پر کہ حمید خاں دانت لگائے بیٹھا تھا) اپنے بیٹے کمال خاں کو مامور کیا۔

دلاور خاں کا یہ فعل حمید خاں کے حق میں اعلان جنگ سے کچھ کم نہ تھا، اس کے معنی یہ تھے کہ دلاور خاں اپنے ذاتی استحکام کی تدابیر میں معروف ہے، اور اپنی کامل ترقی کے لیے اپنا راستہ صاف کر رہا ہے، اس راہ میں جو بھی آئیں وہ اس کے نزدیک اس کے دشمن ہوں گے اور ان دشمنوں کا وہ بیدردی سے خاتمہ کر دے گا۔ کمال خاں کا سر فوجی بہ فائز ہونا اس اتفاق و اتحاد کی آخری کڑی کا ٹوٹنا تھا جو ایک زمانے میں ”عیشیوں“ کے اتحاد کے نام سے قائم ہوا تھا۔

۱۔ بسائین السلطین

جس کے تین بڑے رکن تھے جس میں سے ایک اخلاص خاں کا پہلے ہی خاتمہ ہو چکا تھا اب یہ دوسرا رکن بھی غلحہ کیا جا رہا تھا۔ دلاور خاں کی اس حرکت سے حمید خاں کو نہ صرف رنج ہوا بلکہ پریشانی بھی ہوئی اس وجہ سے کہ جب اتفاق ہی باقی نہ ہو تو دلاور خاں کی طرف سے ہر قسم کا اندیشہ ہو سکتا ہے اس نے آج اسے ایک عہدے سے محروم کیا ہے کل اس کی جان بھی لے لیگا اور عہدے سے محروم کرنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ کسی کو اپنا مد مقابل رکھنا نہیں چاہتا تھا نیز وہ اپنے ہم پلہ دہشتہ لوگوں کو ذمہ دار خدمات دینا محض اس لیے نہ چاہتا تھا کہ اس کو ان سے عاقبت کار نفاذی کا اندیشہ تھا۔ وہ ایسے لوگوں کو اپنے ماتحت رکھنا چاہتا تھا جو بالکل ایسے حکم میں ہوں جو ترقی اور عروج کے لیے محض اسکے مضمون احسان ہوں جن پر وہ کامل طور پر اعتبار و اعتماد کر سکے، حمید خاں ہزار صاف دل و سادہ نفس ہو مگر پھر بھی وہ بڑے ذی حیثیت امرا میں سے تھا اس کی طاقت و قوت بھی بہت کافی تھی وہ اخلاص خاں کے ساتھ کام کر چکا تھا، اسکو حکومت کا چسکا لگا تھا، یہ ساری چیزیں ایسی تھیں جن کی طرف سے دلاور خاں چشم پوشی نہیں کر سکتا تھا، اس لیے وہ آہستہ آہستہ حمید خاں کی جڑیں کاٹنے لگا، سرفروختی کے عہدے کا نہ دیا جانا گویا اس کی قوت کی پہلی جڑ کاٹنا تھا، اور حمید خاں کے زوال کا ابتدائی ذریعہ تھا، اس عہدے سے محروم کئے جانے سے حمید خاں بھی تارگیا کہ دلاور خاں پر فاش بننا وہ ہے، اور غالباً یہ مادہ رکھتا ہے کہ ساری قوت و اقتدار اس سے حمید خاں کو اس طرح قید کر دے جس طرح کہ اس نے اخلاص خاں کو قید کر دیا تھا، غرض دلاور خاں کے اس طرز عمل سے حمید خاں کو بڑی تشویش پیدا ہو گئی تھی اور اب وہ اس طرح دلاور خاں کے پنجے میں تھا کہ رہائی بھی ممکن نہ تھی، وقت اتنے سے گزر چکا تھا، مخالفت میں انگلی بھی اٹھائی نہیں جاسکتی تھی، اس لیے کہ دلاور خاں ہر آئینہ نظم و نسق ملک پر حاوی ہو گیا تھا، مگر حمید خاں کی یہ پریشانی و تشویش زیادہ عرصہ تک نہ رہی، کیونکہ دلاور خاں نے بہت جلد ایک مشاہی حکم نکلوا دیا کہ حمید خاں بغیر اجازت شاہی گھر سے باہر قدم نہ نکالے، گھر پر پہرے بٹھا دئے گئے چاروں طرف شہر کے بڑے بڑے دروازوں پر احکام روانہ کر دئے گئے کہ حمید خاں کو کسی حال شہر سے باہر جانے نہ دیا جائے اور ساتھ ہی ایک اور حکم بائیں مضمون حمید خاں کے پاس روانہ کیا گیا کہ اسے فیل و

قوت میں اضافہ ہی ہوتا جاتا تھا۔ اسے منہب وکالت حسب خواہش تو لا کر ضرورت اس امر کی تھی کہ حاصل شدہ قوت کو برقرار رکھنے اور اپنے موجودہ عہدہ پر بحال رہنے کی استحکامی تدابیر شروع کی جائیں۔

استحکام کی دو شکلیں ہو سکتی تھیں ایک تو یہ کہ مخالفت عنصر کو سیاسی قوت سے محروم کر دیا جائے۔

(۲) دوسرے یہ کہ اپنی جڑیں مضبوطا کرنے کے لیے تمام ملک کے بڑے بڑے عہدے اور مناصب جلیلہ کو اپنے لوگوں اور مہوا خواہوں میں تقسیم کر دے پہلے ہم ان انتظامات کی تفصیل دیں گے کہ جن کے ذریعہ اس نے تمام ملک کو اپنی مٹھی میں لے لیا سب سے پہلے تو اس نے یہ کیا کہ ملک کے بڑے بڑے ذہنی حیثیت گھرانوں سے رشتہ اتھا جو ذرا ذی اثر، طاقتور امرا کو اس نے اپنی بیٹیاں، پوتیاں دیں اور ایسے ہی گھرانوں کی لڑکیاں اپنے بیٹوں، پوتوں کے لیے کیں اس طریقہ سے امراء کے ایک بڑے بھاری اور طاقتور طبقہ کو اپنا ہمنوا اور حامی بنا لیا اور ان سے خوشگوار تعلقات پیدا کر لیے۔ دوسرے حکومت کے بڑے عہدوں پر اپنے متعلقین اور لواحقین کو مامور کر دیا، چنانچہ اس کے خود چار بیٹے ملک میں سب سے بڑے عہدوں پر فائز کئے گئے۔ اپنے سب سے بڑے بیٹے محمد خاں کو براہیم کا استاد اور تالیق مقرر کیا کہ وہ بادشاہ کو گلستاں، بوستاں اور قرآن شریف کا سبق دے۔ براہیم تو ابھی بچہ ہی تھا، اس کی تعلیم و تربیت جاری تھی، پچھلے دوستوں نے تو اتنا بھی نہیں کیا، انھوں نے اسے لہو و لعب میں چھوڑ رکھا تھا، اور وہ اپنی اپنی فکر میں اس قدر غرق رہتے تھے کہ بادشاہ کی تعلیم و تربیت بالکل نظر انداز کر دی گئی تھی۔ دلاور خاں کے عہد اقتدار کا یہ ایک روشن پہلو تو ہے کہ اس نے اس طرف بھی توجہ کی، خواہ وہ توجہ ایک حد تک غرض آلود ہی کیوں نہ ہو، مانا کہ اس نے اپنے بیٹے کو بارسوخ بنانے کے لیے یہاں خدمت اس کے سپرد کی مگر پھر بھی اس سے بادشاہ کی تعلیم و تربیت کا انتظام تو ہو گیا، اس کا یہ بڑا بیٹا بہت لائق و فاضل تھا اور اپنے عہد کے قابل ترین لوگوں میں شمار ہوتا تھا، اس طرح اس کا اسی خدمت پر مامور کیا جانا کچھ برائے تھا۔ دوسرے بیٹے کمال خاں کو سرنوبتی کا عہدہ دیا گیا تھا جس کا پہلے ذکر کیا گیا ہے اور اساتذہ ہی یہ بادشاہ کے ساتھ چوگان بازی اور دوسرے کھیلوں میں بھی شریک رہتا تھا گویا ایک طریقہ سے کھیلوں اور مردانہ فنون کے سکھانے کا کام اس کے ذمہ تھا۔ تیسرے بیٹے حیرت خاں کو ایک بلند پایہ

امیر بنا کر بادشاہ کا مقرب خاص اور مصاحب بنا دیا، اور بادشاہ کی محافظت اور پاسبانی کا کام بھی سپرد کیا۔ چوتھے بیٹے عبدالقادر کو سلگ امیران صاحب شوکت میں داخل کر کے قلعہ اورنگ (بجایا پور) کا قلعہ دار بنا دیا چونکہ یہ لڑکا کم عمر تھا اور اس خدمت کو انجام نہیں دے سکتا تھا، لہذا اس خدمت کو رومی خاں منجانب عبدالقادر انجام دیتا تھا، رومی خاں خاندان شاہی کے خاندانوں میں سے تھا اور کچھ دور کا رشتہ بھی رکھتا تھا۔

ان اہم عہدوں اور مناصب جلیلہ کے علاوہ ہر ایک لڑکے کو اس نے دو ہزار اسی کماندار بھی بنادیا اور چہ ہزار نہایت آزمودہ کار فوجیں ہمیشہ کیل کائنٹ سے لیں براہ راست اس کے حکم میں رہتی تھیں۔ بلبل خاں جو اخلاص خاں سے غداری کر کے اس کے ساتھ مل گیا تھا اور جس کی وجہ سے دراصل اخلاص خاں کے خلاف اسے کامیابی حاصل ہوئی تھی اس کو بہت بڑا عہدہ دیا اور اپنا آغوشی فرزند بنا لیا تھا۔

ان کارروائیوں کے علاوہ اس نے چند مزید تدابیر اپنے استحکام کے لیے جو اختیار کیں ان کی تفصیل یہ ہے۔ سب سے پہلی چیز تو ہی جس کا اوپر ذکر کیا گیا، یعنی غیر ملکی فریق کاری است سے خارج کیا جانا، فرشتہ کے مطابق ساٹھ حبشیوں اور ایک سو غیر ملکیوں کے سوا باقی سب کا اخراج مل میں آیا، پھر خصوصیت کے ساتھ بڑے بڑے عہدہ دار الگ کئے گئے اور جو پہلے ہی الگ تھے انہیں قید کیا گیا یا قتل کر دیا گیا، چنانچہ خواجہ حسن جو اخلاص خاں کے زمانہ میں قید ہوا تھا اور خاں کے حکم سے پہلے اندھا کیا گیا اور پھر قتل کر دیا گیا، حاجی بشیر جو علی عادل شاہ کا ایک باحیثیت مقرب تھا اس کا بھی یہی حشر ہوا، غالب خاں کھلا دھوئی کو

۱۔ تذکرۃ الملوک۔

۲۔ ہستین السلطین۔

۳۔ برکس، صفحہ ۱۵۶ لیکن فرشتہ کے فارسی نسخہ میں حسب ذیل عبارت پائی جاتی ہے:-

مہر از نفر از غریبان و شصت ہزار نفر از حبشیان..... برداشتہ از قلم و اخراج کردہ۔

۴۔ حاجی نور۔ فرشتہ

کچھ بنادت کی تھی حکمت اور تدبیر کے ذریعہ مغلوب کر کے قید کر دیا گیا، اور اس کے بعد اس کی آنکھیں نکلوائی گئیں،
 دلاور خاں کا دست ستم اس قدر راز ہوئے لگا تھا کہ چاند بی بی بھی اس کی فریب کاریوں سے غافل نہ رہ سکی،
 اور اس کے اختیارات میں بہت کمی کر دی گئی، اور وہ بھی وکیل اسطنت کی ایام کے بغیر ایک تنگے کو ادھر سے
 ادھر نہ کر سکتی تھی۔ غرض اپنی اس کارروائی کو اس نے یہاں تک پھیلایا کہ بڑے سے بڑے عہدہ دار سے لیکر
 حرم سرا اور دربار شاہی کے چھوٹے سے چھوٹے ملازم اور خدمتگار (خواہ وہ عورت ہو کہ مرد) دلاور خاں کے
 اشاروں پر کام کرتے تھے اور یہ سب لوگ اپنی اپنی خدمات پر اسی کے حکم سے مامور کئے گئے تھے، تقریباً کہ
 اس کے حکم کے بغیر شاہی محل میں پتہ بھی نہ مل سکتا تھا۔ محل کی خدمتگار عورتیں اور خادماہیں دلاور خاں کی
 سکھائی پڑھائی ہوتی تھیں، اور وہ خفیہ طور پر اسے رتی رتی کی خبر دیتی تھیں، اس طرح اگر شاہی محل میں
 پتہ نہ کھڑک جاتا تو اس کوئی لغو اس کی خبر ہو جاتی، ان سخت انتظامات کی وجہ سے خود بخود چاند بی بی کے اختیارات کی
 تحدید عمل میں آئی۔ غرض جس طرف دیکھو دلاور خاں کا یہی بول بالا نظر آتا تھا، ہر طرف "دلاور خاں یوں"
 ہی کی حکومت تھی، پوری ریاست اس وقت اس کے پنجے میں تھی، بادشاہ اور چاند بی بی اس کے زیر نگرانی
 اور زیر حکم۔ دلاور خاں اس وقت اتنا مستحکم ہو گیا تھا کہ اس کو بیجا پور کا "آمر مطلق" اگر کہا جائے تو بجا ہے،
 اور یہ "آمریت" کا دور دورہ تقریباً آٹھ سال تک برابر جاری رہا۔

گو اس کے پہلے بھی متولیوں نے اپنے استحکام کی غرض سے ایسے انتظامات ضرور کئے تھے مگر کسی نے ان
 انتظامات کو اس قدر نہیں پھیلایا اور نہ کسی کو اتنی کامیابی نصیب ہوئی۔

علمی سرپرستی | انہی استحقاقی انتظامات کے سلسلہ میں اور ملکی انتظامات پر توجہ کرنے سے پیشتر دلاور خاں کے
 کیرئیر کے ایک درخشاں پہلو کو بھی دکھا دینا چاہیے، وہ یہ کہ اس نے علوم و فنون کی سرپرستی کرنی شروع کی،
 کیونکہ وہ خود ایک نہایت قابل اور لایق آدمی تھا، اکثر علماء و فضلا اور طلباء کو دوست رکھتا اور
 انھیں ہر طرح علوم و فنون کی ترغیب و تحریص دیتا اور مدد بھی کرتا تھا، اس کی علمی سرپرستی کے
 باعث چھوٹے ہی عرصہ میں مختلف مقامات کے علماء اور لایق لوگوں سے ملک سمور نظر آنے لگا، انھوں نے
 گجرات اور لاہور کے علماء نے بیجا پور کو اپنا مرکز بنا لیا تھا، رات دن علم و فن کے چرچے رہتے تھے،
 لہذا تذکرۃ الملوک۔

فقہی مسائل تحقیقی بحثیں ہوتیں، مناظرے اور مکالمہ کا سلسلہ جاری رہتا، اور یہ لوگ اکثر دلاور خاں کے گھر پر ہی مطالعہ تفاسیر و احادیث میں اپنا وقت گزارتے، دلاور خاں بھی ان کا شریک رہتا جب تک وہ برسرِ اقتدار رہا۔ برابر علی طبع کی سرپرستی کرتا رہا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ علوم و فنون کا سچا مہربان اور بہی خواہ بھی تھا، اس علمی خدمت سے اس نے ملک کو بہت کچھ فائدہ پہنچایا، اسی سلسلہ میں ایک اور چیز قابلِ ذکر ہے یہ ہے کہ دلاور خاں نے مذہبِ امامیہ کو خارج کر کے حنفی مذہب کو سرکاری مذہب قرار دیا کیونکہ وہ خود بھی حنفی تھا، بادشاہ کو بھی اس نے اسی مذہب کی تعلیم دی۔

انتظامات ملکی، دلاور خاں کی مصطفیٰ خاں اردستانی کے بعد سے دارالسلطنت بیجا پور میں کچھ ایسی بد انتظامی اور پہلی ہم، ملکی خاں کا کرنا ملک پر حملہ بے اطمینانی رہی کہ متولیان ریاست کو اپنے ذاتی استحکام و استقلال کی کھڑکیاں میں اور ہم سایہ ریاستوں کی یورشوں کے مقابلے سے اتنی فرصت نہ ملے گی کہ ملک کے دور دراز علاقوں کی طرف توجہ کی جائے، مصطفیٰ خاں اردستانی جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے نہایت سخت گیر آدمی تھا اور ساتھ ہی زبردست منتظم و مدبر بھی تھا، اور پھر لطف یہ کہ بحیثیت جنرل کے بھی کسی سے کم نہ تھا، ان ہی اعلیٰ خصوصیات کی بنا پر وہ کرناٹک کے مفصلہ علاقہ پر قابو رکھنے میں کامیاب ہوا تھا۔ ملیبار ایک بالکل نو مفتوحہ علاقہ تھا، راجہ بیجا نگر کی بربادی کے بعد علی عادل شاہ نے کرناٹک پر چوہے درپے چلے گئے اور یہ علاقہ بیجا پور کی ریاست کا ایک جزو بن گیا، لیکن اس سلسلہ فتوحات کو مصطفیٰ خاں اردستانی نے علی عادل شاہ کے آخر زمانے تک جاری رکھا تھا، اور کئی قلعوں پر تصرف ہو چکا تھا، چنانچہ جنگا پور، بلگاؤں وغیرہ انہیں فتوحات کا نتیجہ تھے جب تک علی عادل شاہ زندہ رہا مصطفیٰ خاں بے کھٹے اس کامیابی کے سلسلہ کو جاری رکھا اور پھر مفتوحہ علاقے کو اپنے ہی دست اختیار میں رکھا، علی عادل شاہ نے ان علاقوں پر اپنا پورا اقتدار رکھنے کے لیے مفتوحہ علاقوں ہی میں اس کو جاگیریں دیدی تھیں یہی وجہ ہے کہ جس وقت علی عادل شاہ کا انتقال ہوا مصطفیٰ خاں بیجا پور میں موجود نہ تھا، علی عادل شاہ کے انتقال کے بعد بیجا پور میں جو کچھ ہونے لگا

لے اس ہم کا ذکر سبائیں اسلامین میں نہیں، اور تحفۃ الملوک میں بھی نہیں ذکر نہیں ملتا، فرشتہ سے واقعات لیے گئے ہیں۔

ہوتی رہیں ان کی تفصیل نظر سے گزر چکی ہے۔ اور پھر کشور خاں نے تو یہاں تک کیا کہ خود مصطفیٰ خاں کو قتل کر دیا مصطفیٰ خاں اس خدمت کے لیے بیحد موزوں تھا، اب اس کا نشان یا نعم البدل لمنابہت و شوار تھا۔ اول تو اسے ایک عرصہ کا تجربہ تھا، دوسرے سخت گیر و منتظم ہونے کی وجہ سے اس نے فتنہ و فساد کی جڑیں بالکل کاٹ دی تھیں، اس کی موجودگی میں کسی کی ہمت نہیں بڑھتی تھی کہ کسی قسم کی شورش بپا کی جائے، چونکہ یہ علاقہ نو مفتوحہ اور دار السلطنت بیجا پور سے دور تھا، اس لیے اس پر کافی نگرانی نہیں ہو سکتی تھی، پھر چھوٹے چھوٹے زمیندار راجہ، راجکمار جو جیا نگر کی عظیم الشان ریاست کی ایک حقیر یادگار رہ گئے تھے اس علاقے پر پھیلے ہوئے تھے، انھیں مسلمانوں کی غلامی بھی نہیں معلوم ہوتی تھی اور وہ دن بھی ان کو یاد تھے جبکہ خود مسلمان ان کی طاقت و قوت کے رعب و داب سے کانپتے تھے، اس وجہ سے یہاں جب ذرا ڈور ڈھیلی ہوتی فتنہ و فساد ضرور برپا ہو جاتا۔ انھیں حالات کے باعث اس علاقے کی جانب سے ہمیشہ ہوشیار رہنا پڑتا تھا، ذرا سی غفلت کے ساتھ ہی ہندو زمیندار بغاوت کر بیٹھتے، ترمذ اور فساد ان کے رگ و پے میں سرایت کر چکا تھا، ان کی سرکشیوں کو روکنے کے لیے ہمیشہ ایک سخت سپہ سالار کے رہنے کی ضرورت محسوس ہوتی تھی مصطفیٰ خاں ایک زمانے تک اس اہم ضرورت کو پورا کرتا رہا، مگر جب کشور خاں کی دراز دستی کا شکار ہو گیا تو کوئی شخص اس کی جگہ کو اس قابلیت سے پُر نہ کر سکا، اس کے علاوہ چونکہ اندرون ملک شکلات کا جال پھیلا ہوا تھا، اس لیے بھی توجہ نہ ہو سکی، یہ تمام اثرات یہاں مترتب ہو رہے تھے اور ادھر زمینداروں نے اودھم مچا رکھی تھی، خراج ادا کرنا چھوڑ دیا تھا اور اپنے آپ کو آزاد سمجھ رہے تھے۔

جب دلاور خاں کو اندرونی اور ذاتی انتظامات سے فرصت ملی تو اس نے سب سے پہلے کر نائک کے علاقہ کی طرف توجہ کی۔ دلاور خاں حکومت کا حریص ہے، لیکن وہ حکومت کا صحیح استعمال بھی جانتا تھا، وہ حکومت کرنا چاہتا تھا اور شان سے کامیابی سے، لیاقت سے، وہ حوصلہ مند تھا، اور حکومتی قابلیتیں بھی اس میں موجود تھیں۔ وہ بیجا پور کو اک منظم اور منظم حالت میں لانا چاہتا تھا، اس کا خیال تھا کہ ہر طرف انتظامات ٹھیک ہوں، ملک کے صوبے براہ راست مستقر کے ماتحت ہوں، فساد نہ ہو،

نا فرامانی نہ ہو، محصول برابر وصول ہوتا رہے، اسن دامان رہے اور عوام الناس کے لیے عدل و انصاف کے چشمے جاری کئے جائیں، مگر اس کے ساتھ ہی وہ چاہتا تھا کہ خود ان تمام چشموں کا منبع ہو اور تمام ریاست کی کنجی اسی کے ہاتھ میں رہے، یہ محض اس کی کمزوری تھی، غرض دلاور خاں کی توجہ قدرتا اصر مبذول ہوئی، جہاں رائے اور رجواڑوں نے محصول اور خراج دینا بند کر دیا تھا اس نے بلیل خاں کو ایک زبردست فوج دیکر روانہ کیا کہ وہ محصول وصول کر لائے۔ بلیل خاں اس فوج کے ساتھ کرناٹک چلا گیا جب اتنی بڑی فوج کو کرناٹکیوں نے سر پاتے دیکھا تو ان کے ہوش و حواس گم ہو گئے، اور سب نے یقینہ کیا کہ بلا قرض اطاعت قبول کر لی جائے۔ چنانچہ ارسب نانک جو علاؤ جترہ کا ایک چھوٹا سا راجہ یا زمیندار تھا مرعوب ہو کر بلیل خاں کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور اطاعت قبول کر لی اور خراج دینے کا وعدہ کر لیا۔ جب ارسب نانک کی امدادی فوجوں کے ساتھ بلیل خاں آگے بڑھا تو شکر نانک ایک چھوٹے سے راجہ نے اطاعت قبول کرنے سے انکار کیا، اس سرکشی کی وجہ یہ تھی کہ اس کا قلعہ کوہ بہت مضبوط تھا، خود محصور ہو گیا اور لڑنے کی تیاریاں کرنے لگا، بلیل خاں نے بھی فوجیں بڑھائیں اور اس کے قلعہ کا چھی طرح محاصرہ کر لیا۔

انتظامات کے سلسلہ میں بلیل خاں ایک روز مورچوں کے نصب کرنے اور دیگر دیکھ بھال میں مصروف تھا کہ یکایک شکر نانک کے کچھ سپاہیوں نے موقعہ پا کر اس کو وہیں گرفتار کر لیا چونکہ اس کے ساتھ کوئی سپاہی وغیرہ نہ تھے اس لیے وہ ان کے پنجیں با سانی پھنس گیا، یہ لوگ اسے پکڑ کر شکر نانک کے پاس لے گئے اور اس نے اس کو وہیں قید کر لیا لیکن خیر یہ گزری کہ بلیل خاں قتل نہیں کرا دیا گیا۔ جب بلیل خاں ہی گرفتار ہو گیا تو اودھیا کارروائی کی جاسکتی تھی، بغیر افسر کے کوئی فوج بھی کسی مہم کو سر نہیں کر سکتی۔ بلیل خاں کی اس یکایک گرفتاری سے تمام فوج پریشان ہو گئی اور کرناٹک کی یہ مہم بالکل ناکام رہی۔

بلیل خاں کا قید سے چھوٹنا | بلیل خاں اپنی اس غیر متوقع گرفتاری سے بیحد پریشان ہوا، اور اس کو اپنے قتل کئے جانے کا ڈر لگا ہوا تھا، لیکن جب شکر نانک نے صحت سے قید کرنے کا حکم دیا تو کچھ جان میں جان آئی۔ غالباً شکر نانک کی ہمت نہ بڑھی کہ اتنے بڑے جنرل کو قتل ہی کر دے، کیونکہ وہ شاہی افواج سے

محبوب تھا۔ بلبل خاں کے قتل کرنے سے شکر نائک کو کچھ حاصل تو نہ ہوتا، سولے اس کے کچھ اور آفت اس پر نازل ہو جاتی، مگر جب ایسے پایہ کے جنرل کو قید رکھا جائے تو گورنمنٹ اسے واپس لے نیکی کو کشش کرے گی اور وہ فدیہ لیکر چھوڑ سکتا ہے اور اپنے منہ بولے خدایت حاصل کر سکتا ہے، غالباً اسی خیال سے اس نے بلبل خاں کو قتل نہیں کیا۔ غرض وجہ کچھ بھی ہو مگر بلبل خاں کی تو یہ خوش قسمتی تھی کہ وہ قتل نہیں کیا گیا۔

یہ تو تباہت ہو شیوا آدمی، بجائے بدحواسی میں وقت گزارنے اور پریشان رہنے کے اپنی رہائی کی تدبیریں کرنے لگا۔ قلعہ کے چند ادنیٰ ملازمین کو کچھ دے کر اپنا دوست بنا لیا۔ نرمی کے برتاؤ اور حسن سلوک سے جانور بھی رام ہو جاتے ہیں، یہ تو آدمی ہی تھے، اس کے گرد ویدہ ہو گئے اسی زمانے میں اتفاقاً مسلسل چھ سات روز تک موسلا دھار بارش ہوتی رہی اور قلعہ میں بہت کچھڑ ہو گئی، قلعہ کے اندر بہت سارے مویشی رہتے تھے جو شکر نائک کی ملک تھے، اس دلدل کی وجہ وہ قلعہ کے اندر نہیں رکھے جاسکتے تھے، اس لیے حکم دیا گیا کہ انہیں باہر کسی خشک جگہ لیجا کر باندھ دیا جائے مویشیوں کے ساتھ ان کا دانہ چارہ، گھاس پات بھی روانہ کیا گیا اور یہ ٹوکروں میں بھر کر باہر لیجا رہے تھے بلبل خاں نے کچھ سائیسوں کو ملایا، یہ لوگ پہلے ہی سے اس سے راضی تھے، انھوں نے اسے ایک ٹوکری میں بٹھا کر اور کچھ گھاس پات اوپر ڈال قلعہ سے باہر پہنچا دیا، کسی کو اس طرح فراری کا گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا، اور سائیسوں اور غلف برداروں کی بھلاکت تنقید کی جاتی تھی۔ غرض حسن اتفاق کیونے بلبل خاں کی خوش قسمتی کہ اسے ایسا موقع مل گیا، اور وہ جان بچا کر بھاگ نکلا۔ اس نے قلعہ سے کیا رہائی پائی تو کیا موت کے پیچھے سے چھوٹ گیا۔

بلبل خاں نے یہاں سے نکل سیدھا بیجا پور میں جا کر دم لیا۔ بیجا پور میں پہلے ہی اس ہم کی ناکامی کے حالات معلوم ہو گئے تھے۔ دلاور خاں اپنی اس پہلی ہم کی ناکامی پر بہت صدمہ میں ہوا۔ اور اس کو بلبل خاں کی ناپلی، بد احتیاطی اور بے پروائی پر مچھول کیا۔ وہ سید ناراض تھا اس لیے جب بلبل خاں بیجا پور آیا تو دلاور خاں نے کچھ گرجوشتی سے اس کا استقبال نہیں کیا۔ بلبل خاں نے درخواست کی کہ اسے ایک اور موقع دیا جائے تاکہ وہ شکر نائک کو اس کی اپنی غداری اور نیک حرامی کا مزہ چکھائے مگر

دلاور خاں اس کے لیے تیار نہ تھا، اور اس معاملہ کو کسی اور مناسب وقت کے لیے اٹھا رکھا، کیونکہ اس اثنا میں اس کی توجہ دوسرے اہم معاملات کی طرف مبذول ہو چکی تھی۔

غیر مالک سے دوستانہ تعلقات کی کوشش دلاور خاں حقیقت میں اپنے زمانہ کا ایک اچھا نمونہ تھا۔ وہ دیکھ چکا احمد نگر اور گولکنڈہ سے شادی بیاہ کے تعلقات تھا کہ غیر مالک سے تعلقات کے اچھے نہ ہونے کا کیا برا نتیجہ ہوا۔

مثال کے طور پر کشمور خاں اور اخلاص خاں کے دور حکومت اس کے پیش نظر تھے، وہ ان واقعات اور حالات کا اعادہ پسند نہیں کرتا تھا، اس کی یہ کوشش تھی کہ کسی طرح سلطنت کو استحکام نصیب ہو، یہ استحکام کی دو شکلیں ہو سکتی ہیں، ایک تو یہ کہ اندرونی انتظامات نہایت اچھے ہوں، دوسرے یہ کہ بیرونی مالک سے خوشگوار تعلقات پیدا کر لیے جائیں تاکہ ان کی جانب سے کوئی خطرہ اور غدشہ باقی نہ رہے، چونکہ خود اندرونی خرابی بیرونی حلوں کا باعث ہو کر رہی ہے، اس لیے اس نے پہلے اندرونی انتظامات ٹھیک کر لیے۔ اب جو ان سے فرمت ہوئی تو وہ خارجہ پالیسی کو ایک خاص رنگ دینے لگا، گزشتہ حلوں اور لڑائیوں کی وجہ سے احمد نگر اور گولکنڈہ سے بیجا پور کے تعلقات اچھے نہیں رہے تھے اور سخت کشیدگیاں پیدا ہو گئی تھیں، دلاور خاں یہ جانتا تھا کہ اگر بیجا پور کو اس دامان کی ضرورت ہے اور اپنے آپ کو پھر درست کرنا چاہتا ہے تو پہلے ان دور یا ستون دوست بنائے اور ان سے اچھے تعلقات پیدا کر لے۔ یہ پالیسی حقیقت میں بڑے تدریجاً اور فراست پر مبنی ہے، بیرونی مالک سے اچھے تعلقات کا رہنا اور اندرونی انتظامات کا بخوبی انجام پانا حکومت کے اچھے یا بُرے ہونے کی کسوٹی ہے جس پر اسے پرکھا جاسکتا ہے اسی غرض سے اس نے اب اپنی وہ کوششیں شروع کیں جن سے ان دونوں ریاستوں کو اپنا دوست بنانا مقصود تھا۔ خارجہ تعلقات کا مطلع جواب تک ابراہودیا گندہ تھا، اسے دلاور خاں صاف کرنا چاہتا تھا، وہ ان تلخ حقیقتوں سے واقف تھا کہ ناخوشگوار تعلقات کیا کیا بُرے نتائج پیدا کر سکتے ہیں! اس کی اپنی آنکھوں نے ان مصلحت کے مظاہر ملے اچھی طرح مشاہدہ کر لیا تھا، لہذا اب اس کی دلی خواہش تھی کہ اس آبنوائی مصیبت کا پوری پوری طرح انسداد کر دیا جائے اس غرض سے وہ احمد نگر اور گولکنڈہ سے صلح و اتحاد پر مائل تھا ناخوشگوار تعلقات پیدا کرنے کا عام طور پر یہی طریقہ ہوتا ہے کہ ایک ملک سے دوسرے ملک کو سفارتیں بھیجی جاتی ہیں ایک دوسرے کو

میش بہا تحفہ مخالفت روانہ کرتے ہیں اور اچھے تعلقات اور صفائی کی فضا کو قائم رکھنے کی کوشش ہوتی ہے، جب اس خوشگواہی کو ایک مستقل اور مضبوط شکل دینی ہوتی ہے تو حسب موقع آپس کی سلطنتیں ایک دوسرے کے خاندان سے شادیاں کرتی ہیں کہ رشتہ ازدواج سے رشتہ دوستی و اتحاد اور مضبوط ہو جائے۔ یہ طریقہ کامیاب بھی ثابت ہوا ہے مگر ہمیشہ نہیں، بعض اوقات مقصد کے خلاف نتائج برآمد ہوتے ہیں، اتحاد کی خاطر شادی ہوتی ہے مگر اس سلسلہ میں لین دین کے بعض ایسے مسئلے چھڑ جاتے ہیں کہ خونریزیاں ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ ایسی کئی مثالیں ان ریاستوں کے باہمی تعلقات کے سلسلہ میں ملتی ہیں، اس سے پہلے اس قسم کے واقعات کے حوالے دئے جا چکے ہیں۔ یہاں تقریباً وہی صورت حال پیدا ہو جاتی ہے۔

احمد نگر سے تعلقات خدیجہ کی جس سال کہ طیارہ کی مہم ناکام ثابت ہوئی اسی سال دلاور خاں نے میراجین سے شادی ۹۹۲ء اپنی خارجہ پالیسی کو عملی جامہ پہنانے کے لیے بیجا پور سے چن دیا لچپوں کو مرتضیٰ نظام شاہ کے پاس روانہ کیا، اس سے اس کا یہی مقصد تھا کہ نظام شاہی سلطنت سے تعلقات اچھے ہو جائیں۔ اس وقت احمد نگر میں مرتضیٰ نظام شاہ حکمرانی کر رہا تھا مگر اس کی نیم دیوانگی کی وجہ سے صلابت خاں ترک وکیل السلطنت ہو کر تمام جز و کل کا مالک بن گیا تھا جو حیثیت بیجا پور میں دلاور خاں کی تھی تقریباً وہی حیثیت احمد نگر میں صلابت خاں کو حاصل تھی اس نے بیجا پور کی اس سفارت کی بڑی خاطر وادارت کی، ۹۹۲ء میں خود نظام شاہی ریاست کی جانب سے چند سفیروں کو عادل شاہی دربار میں روانہ کیا اور ساتھ ہی ابراہیم کی بہن خدیجہ کو مرتضیٰ نظام شاہ کے بیٹے میراجین سے منسوب کر کے درخواست کی گئی، اس غرض سے قائم بیگ و لقا مہم بیگ بزرگ مرزا محمد تقی نظیری اور جمشید خاں کو بیجا پور روانہ کیا گیا تھا۔ جب دونوں طرف سے حسب دلخواہ شرائط منظور کر لیے گئے تو چار مہینوں کے جشن اور جلسوں کے بعد دہلیں کو مرزا تقی اور دیگر امراء کے ساتھ احمد نگر روانہ کیا، چاند بی بی بھی دہلیں کے ساتھ احمد نگر گئیں کیونکہ

۱۔ فرشتہ۔

۲۔ فرشتہ و برہان مائر۔

ایک زمانہ سے انھوں نے اپنے ماں باپ کے گھر کی صورت نہ دیکھی تھی، اور نیز اپنے بہائی سے ملنے کا بہت اشتیاق رکھتی تھیں۔ ۹۹۳ھ میں دہلیں کی پالکی احمد نگر پہنچ گئی اور وہ بیجاپوری امرا و شہزادی کو پہنچانے کے لیے احمد نگر گئے ہوئے تھے وہاں سے بہت کچھ سر فراز ہو کر بیجاپور لوٹے، ان میں سے شیخ سالم عرب غنمی اور غیاث بیگ تروینی المصالح پینگیز خاں قابل ذکر ہیں۔

اسی زمانے میں دلاؤ خاں نے دودمان نظام شاہیہ سے ابراہیم کی شادی کی نسبت پر سلسلہ صیبا نی شروع کر دی تھی، جب اس کا کچھ اندازہ ہوا کہ محمد قلی قطب شاہ اس رشتہ کو بہ نظر استحسان دیکھتا ہے تو خواجہ علی ملک التجار شیرازی کو سفیر بنا کر دار السلطنت گو لکنڈہ (بھاگ نگر) روانہ کیا گیا تاکہ وہ امیر و ملک کو ملے کر کے بیجاپور اطلاع کرے جس اثر کی کے لیے خواستگاری کی جا رہی تھی وہ محمد قلی قطب شاہ کی بہن اور ابراہیم قطب شاہ کی بیٹی تھی۔ جب محمد قلی قطب شاہ کو اس کا علم ہوا کہ خواجہ علی شیرازی کس غرض سے آیا ہے تو اس نے اپنے امرا اور اعیان کو حکم دیا کہ اس کی خاطر داری میں کسی قسم کا دقیقہ نہ اٹھاویں۔ بیجاپور کے سفیر کی بڑی ہی آؤ بھگت کی گئی۔ بھاگ نگر سے کچھ فاصلہ تک آکر گو لکنڈہ کے امیروں نے اس کا استقبال کیا۔ بڑی بڑی دعوتیں اور جشن کئے گئے اور ہر طرح سے خوش کیا گیا۔ جب خواجہ علی حرم مطلب زہان پر لایا تو محمد قلی قطب نے بڑی خوشی سے اس رشتہ کو قبول کیا، تمام معاملات طے ہو چکے تھے اب صرف رخصتی عمل میں آنی والی تھی، شدہ شدہ یہ خبر احمد نگر کو بھی پہنچ گئی کہ دودمان نظام شاہیہ دفاؤد قطب شاہیہ کے درمیان ایک مضبوط اور مستحکم اتحاد قائم کیا جا رہا ہے اور اس اتحاد کو مضبوط تر بنانے کے لیے بیخبرہ قلی قطب شاہ کو ابراہیم عادل شاہ کے ساتھ بیاہا جا رہا ہے۔ احمد نگر پر جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے صلابت خاں اس وقت

۱۔ فرشتہ۔

۲۔ برہان اثر کے مصنف نے لکھا ہے کہ محمد قلی قطب شاہ کی ان بہن سے ابتدا میراں حسین کی شادی ہوئی تھی مگر صلابت خاں جب وکیل السلطنت ہوا تو اس نے گو لکنڈہ سے قطع تعلق کر کے بیجاپور کی شہزادی سے میراں حسین کی شادی کی۔ غالباً یہ اثر کی جواب ابراہیم سے منسوب ہوئی وہی تھی۔

حاوی تھا اس کو یہ خبر بہت ناگوار معلوم ہوئی اور بالخصوص اس وجہ سے کہ اس معاملہ میں احمد نگر سے مطلق
 رائے نہیں لی گئی، بغیر کسی استمراج کے یہ دونوں ریاستیں ایک دوسرے سے اس طرح وابستہ ہو جا رہی تھیں۔
 اور خصوصاً قلعی قطب شاہ سے اس نے اپنی نانا کی اور بھینگی کا اظہار کیا۔ قلعی قطب شاہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت
 احمد نگر کی طاقت سے کچھ مرعوب تھا اس لیے اس نے پریشان ہو کر ایک دوسرا ہی رنگ اختیار کر لیا۔ ادھر
 بیجا پور سے جلدی ہونے لگی کہ شہزادی کو رخصت کر دیا جائے، ادھر احمد نگر کی ناراضگی کا حال سکر قطب شاہ تساہل
 کرنے لگا اور اپنی بہن کی بالکی روانہ نہیں کی۔ فرشتہ اس کی ایک اور وجہ بیان کرتا ہے وہ لکھتا ہے کہ محمد قلعی قطب شاہ
 کے باپ نے مرتے وقت یہ نصیحت کی تھی کہ بغیر احمد نگر کی ریاست کے شہرے کے کوئی کام انجام نہ دینا اور
 کوئی اتحاد نہ کرنا جب سلاطین خاں کی ناراضگی کا حال معلوم ہوا تو اس کو اپنے باپ کی نصیحت بھی یاد آئی،
 اب وہ اسی ادھیڑ میں تھا کہ اس زبردستی کی مخالفت اور کشیدگی کے سے طرح بجات لے، اگر کہن کو رخصت
 کر دے تو نہ معلوم کیا نتائج ہوں، کہیں لڑائی کی شکل نہ پیدا ہو جائے۔ نہ تساہل ہی کر سکتا تھا کیونکہ
 بیجا پور کا زور بڑھ رہا تھا۔ وہ عجیب مصیبت میں تھا۔ بہر حال وہ کوشاں تھا کہ کسی صورت سے احمد نگر کا
 غصہ ٹھنڈا کر کے اپنی بہن کی شادی کے معاملات طے کر دے مگر اس میں بہت تاخیر ہو رہی تھی بیجا پور کو بھی
 ان حالات کی اطلاع مل گئی تھی، دلاور خاں اور خصوصیت کے ساتھ ابراہیم کو یہ بات سیدنا گوادر گزری کہ
 سلاطین خاں کو لکندہ پر اثر انداز ہو کر ایک بنی بنائی کارروائی کو بگاڑ دے۔ اور اس کے ساتھ احمد نگر سے
 رنج کی اور ایک وجہ بھی پیدا ہو گئی تھی جس کی تفصیل یہ ہے:-

جب ابراہیم کی بہن خدیجہ کو میراں حسین سے منسوب کیا گیا تو سلاطین خاں نے اس امر پر اصرار
 کیا کہ دہکن کے جہیز میں شولا پور کا قلعہ احمد نگر کو دیا جائے کیونکہ چاند بی بی کے جہیز میں یہ قلعہ بیجا پور کو ملا تھا،
 برہان مائرنے تو یہ ظاہر کیا ہے کہ ابراہیم نے (یا صحیح طور پر اس کے وکیل السلطنت) اس شرط کو منظور
 کر لیا تھا مگر یہ بات کچھ صحیح نہیں معلوم ہوتی کیونکہ دلاور خاں ایسا آدمی نہیں تھا کہ وہ ایسی شرط کو منظور
 کر لیتا۔ خواہ قبول کیا ہو یا نہ ہو، مگر جب شہزادی احمد نگر پہنچی تو سلاطین خاں کا اصرار اور بڑھ گیا۔ جب
 بیجا پور کی طرف سے کوئی خاطر خواہ جواب نہ ملا تو دہکن کو دہاسے بالکل علیحدہ رکھا گیا، اور اس وقت تک

شہزادہ کے سپرد کرنے سے انکار کر دیا جب تک کہ محمد نگر کا مطالبہ پورا نہ ہو اس میں بیجا پور کی تعمیر بھی ایک تعلیمات نامہ کی یہ حرکت اور دوسری طرف اسی کی وجہ سے گو لگندہ سے شہزادی کا نہ آنا یہ ایسی چیزیں تھیں جو سلیم الطبع سے سلیم الطبع شخص کو بھڑکانے کے لیے کافی تھیں۔ دلاور خاں اپنی اور اپنی سلطنت کی اس میں ہر تک سمجھ رہا تھا بادشاہ بھی جو اس وقت جوان ہو گیا تھا یہی غصہ آلود تھا جب معاملات سلجھتے ہی نظر آئے تو دلاور خاں ٹھانی کہ دونوں رہا سستوں پر فوج کشی کر کے مطلب براری کی بجائے کیونکہ اب اس کے سوا اور کوئی چارہ بھی نہ تھا، چنانچہ ملکہ کی تیاریاں ہونے لگیں۔

قطب شاہی اور نظام شاہی | جب فوجیں راستہ ہو گئیں تو دلاور خاں نے ابراہیم کو لیکر سرحد نظام شاہی کی طرف سرحدوں پر فوج کشی۔ پہلے رخ کیا کیونکہ یہی بانی فساد تھی اور اس سے دوسری دوسری شکایت

تھی۔ ابراہیم کی یہ پہلی فوج کشی ہے جس میں اس نے حصہ لیا۔ بیجا پور کی فوجوں نے سرحد کے قریب پہنچ کر قلعہ آدسہ کا محاصرہ کر لیا اس مہم میں دلاور خاں نے مزید تقویت کے لیے برید کو بھی اپنے ساتھ لے لیا تھا جب بیجا پور کی فوجوں نے آدسہ کا محاصرہ کر لیا اور احمد نگر پر چڑھائی کی تیاری کرنے لگیں تو یہ خبر رفتی نظام شاہ کو بھی پہنچ گئی جو ایک زمانہ سے گوشہ نشین تھا۔ تمام حانات صلابت خاں سے دریافت کئے اور جب معلوم ہوا کہ سارے جھگڑے اور فساد کا باعث وہی ہے تو فوراً عہدے سے معزول کر کے قید کر دیا۔ نظام شاہی حکومت کی طرف سے صلح کے لیے اکثر اُمراء دلاور خاں کے پاس آئے، دلاور خاں بھی معاملات کو زیادہ بڑھانا مناسب نہ سمجھا کیونکہ جب اہلی شکایت رفع ہو گئی یعنی دلہن کو عزت و توقیر کے ساتھ میراں حسین کے سپرد کر دیا تو دلاور خاں نے مزاجت پر رضامندی ظاہر کی۔ بانی شروفساد یعنی صلابت خاں معزول کر دیا گیا تھا اس لیے گو لگندہ کی جانب سے بھی اطمینان تھا کہ اب وہ لڑائی کو روانہ کرنے میں تساہل نہیں کریں گے، اس لیے دلاور خاں نے یہاں سے نکل کر سرحد قطب شاہی کی راہ لی۔

۱۔ برہان مآثر نے لکھا ہے کہ جب احمد نگر سے شولا پور کے معاملہ پر بنگاڑ ہوا تو ابراہیم نے گو لگندہ سے اتحاد کیا اور محمد قلی قطب شاہ کی بہن سے شادی کر کے اپنا ساتھی اور معنوا بنا کر احمد نگر کا رخ کیا۔ گزشتہ دوسری طرح

جب محمد قلی قطب شاہ کو یس گن گئی کہ نو جیس کس فرض سے آرہی ہیں تو اس نے بھی نہایت تیزی سے مصطفیٰ خاں (امیر زبیل) کی ہمراہی میں جس کے ساتھ امین الملک، اعتبارخان، فخر الملک و امین خاں بھی تھے، چاند سلطانہ المعروف بہ لکھ جہاں کی سواری باد بہاری نلدرگ روانہ کر دی اور وہیں ابراہیم کا عقد لکھ جہاں کے ساتھ ہو گیا۔ چالیس روز تک عیش و نشاط کے جلسے ہوتے رہے جب ابراہیم کو معلوم ہوا کہ اس کی دلہن کی سواری آرہی ہے تو خود اس نے امراء و اعیان کے ساتھ آدھ کوس تک آگے بڑھ کر استقبال کیا اور بڑی جاہ و شہمت و تجمل کے ساتھ ابراہیم کی شادی نلدرگ کے تاریخی مقام پر ہوئی۔ یہ چونکہ دونوں مطالب حاصل ہو گئے تھے اس لیے بیجا پوری لشکر ابراہیم اور دلاور خاں کی سرکردگی میں کامرائی و کامیابی کے ساتھ بیجا پور میں داخل ہوا۔

ان حالات کے پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت دکن کی خارجی فضا اس قدر خراب ہو گئی تھی کہ جو چیزیں اتحاد و اخلاص پیدا کرنے والی ہوتی ہیں وہی رنج و فساد کا باعث ہوا کرتی تھیں۔ دلاور خاں نے کوشش تو اس لیے کی تھی کہ دونوں ریاستوں سے خوشگوار تعلقات پیدا ہوں، لیکن اُلٹا جب تک فوج کشی نہ کی گئی مطلب حاصل نہ ہوا۔ اس طرح جیسا پہلے لکھا گیا ہے اس کا ردوائی کا خلاف توقع نتیجہ برآ ہوا۔

احمد نگر پر حملہ | ابھی ان حالات سے فرصت نہ ملی تھی کہ بیجا پور کو پھر ایک بار احمد نگر کی طرف توجہ کرنی پڑی۔ رفتی نظام شاہ کی دیوانگی کے بارے میں اس سے پہلے بھی لکھا گیا ہے، اب اس کا جنون اور بڑھ گیا،

(بمسلسلہ گذشتہ) ان واقعات کی تفصیل دیتا ہے جو اوپر دی گئی۔ تاریخ قطب شاہی میں ان تفصیلات کا ذکر نہیں، اور نہ یہ بتلایا گیا ہے کہ محمد قلی نے اپنی بہن کی پالکی روانہ کرنے میں کچھ تساہل کیا، جس کی وجہ فوج کشی لاحق ہوئی۔ تحفۃ الملوک نے بھی یہی لکھا ہے کہ پہلے سرحد قطب شاہ کی طرف توجہ کی گئی اور شادی کے بعد سرحد نظام شاہ کی طرف (ملاحظہ ہو بہان تاثر، تاریخ قطب شاہی، تحفۃ الملوک و تاریخ فرشتہ)۔
۱۔ تاریخ قطب شاہی۔

اس جنون میں اس نے اپنے بیٹے سے شہید ہوا گیا تھا، اس لیے اس کو قتل کر دینا چاہتا تھا اور اپنے وزیروں اور مشیروں کو اس کام کے لیے مقرر کیا، مگر کوئی ذی ہوش آدمی ایک بے گناہ کو قتل کرنے میں کیا بچپی لے سکتا ہے جب یہ ناکام رہے تو انھیں معزول کر دیا، اب مرزا خاں کی باری آئی۔ یہ وکیل اسطنت ہو گیا تھا، اس نے یہ سوچا کہ بادشاہ دیوانہ ہے اسے معزول کر کے میرا حسین کو تخت نشین کر دیا جائے چونکہ وہ تنہا اس کام کو انجام نہیں دے سکتا تھا اس لیے بیجا پور سے مدد طلب کی۔ ابراہیم کی بہن میرا حسین کو بیٹی تھی اس لیے بیجا پور نے مدد کا وعدہ کر لیا۔ ۱۹۹۶ء میں تیس ہزار سواروں کے ساتھ بیجا پوری افواج میرا حسین کی مدد کے لیے پنجپنیں خود ابراہیم بھی اس فوج کے ساتھ تھا، لیکن بیجا پور کی یہ فوج میرا حسین کو بادشاہ بنانے میں کوئی مدد نہ دے سکی کیونکہ اسی اثنا میں مرزا خاں کی کوششوں سے میرا حسین تخت و تاج کا مالک بن گیا تھا، اور احمد نگر میں اس کی تاج پوشی عمل میں آچکی تھی۔ ابراہیم کو جب یہ معلوم ہوا کہ میرا حسین بادشاہ ہو گیا ہے تو وہ بہت خوش ہوا اور مبارکباد کے لیے اپنے ہاں سے آدمی روانہ کئے، اور ساتھ ہی یہ بھی ارادہ تھا کہ احمد نگر جا کر اپنی بہن سے ملاقات کر کے پھر بیجا پور لوٹ جائے، مگر اتنے میں خبر ملی کہ میرا حسین نے بادشاہ ہو کر نہایت بیدردی اور بیرحمی کے ساتھ اپنے باپ کو قتل کر دیا ہے (جو دراصل مرزا خاں کے سمجھانے بجھانے سے میرا حسین نے کیا تھا)۔ ابراہیم کو یہ سن کر ریت رنج ہوا کہ ایک اخلاقی بیٹے نے اپنے ہاتھ کسی اور کے خون میں نہیں بلکہ اپنے باپ کے خون میں رنگے ہیں، نہایت غصہ اور غلگی کے عالم میں اس نے احمد نگر جانے کا ارادہ ترک کر کے بیجا پور کی راہ لی، اور جاتے ہوئے اس نے حسین کر کو میرا حسین کے پاس روانہ کیا۔ فرشتے کے اہاننا بقیہ بیان کے حامل ہیں، ابراہیم نے اس بیباک اور منہ پھٹ سفیر کے ذریعہ کہلا بھیجا کہ ”غرض از شکر کشی ما آمدن ما بدین حدود آں بود کہ ترابر تخت احمد نگر جلوس فرمودہ پدرت مرتضیٰ نظام شاہ را کہ گوشت اختیار کردہ بود در کنج خانہ بادر یکی از قلاع بموکلے سپردہ نگاہ داریم تا بفرار بال بغاوت قادر و اجملال مشغول باشد، کنون شنیدہ میشود کہ از وفات عاقبت و غضب سلطانی روز الست ترسد شدہ قصد پدربزرگوار نمودی، و احیاناً اگر زیادہ از حد خود را بوسہ اس شیطانی دادہ بد تو ہم بودی یکے از دو کار باسعنی کرد، یا اورانزد من با سستی فرستاد اورا بحفاظت تمام نگاہ داشتہ ترا از دغددہ

خلاص سازم یا آں کہ بہ نشتروفا چشم جہاں میں اورا گزند رسانیدہ مرکب ہلاک پدر پیر نیلکنی۔

اور ساتھ ہی یہ بھی کہلا بھیجا کہ ”پہنشی“ اس نہیں آتی، تیری سلطنت مبارک نہ ہوگی اور چند ہی روز میں تو اپنے گناہ کے مکافات کو پہنچے گا۔ اس سفیر کو روانہ کر کے بادشاہ اور دلاور خاں مع فوج کے اپنے مستقر کو واپس ہو گئے۔

دارالسلطنت کی طرف توجہ | جب ان دو تین مہموں سے فراغت حاصل ہوئی تو شاہی سواری بیجا پور کو چلی، بیجا پور پہنچنے کے بعد کچھ عرصہ تک تو حسب معمول انتظام سلطنت دلاور خاں کی زیر ہدایت چلتا رہا، ان مہموں کے بعد دلاور خاں کا سکہ ملک پر اور بھی اچھی طرح میٹھ چکا تھا، تمام انتظامات کی کنبی اس کے ہاتھ میں تھی۔ درحقیقت یہ وہ زمانہ تھا جبکہ حکومت اور بادشاہت ابراہیم نہیں بلکہ دلاور خاں کر رہا تھا کسی بڑے سے بڑے امیر عالی مرتبت سے عالی مرتبت عہدہ دار کی مجال نہ تھی کہ دکیل السلطنت کے سامنے دم بھی مار سکے، اس نے ایسا انتظام کیا تھا کہ نہ صرف ملک کا سیاسی نظم و نسق اس کے ہاتھ میں کنٹرول کیا گیا تھا، بلکہ محل کے اندر بھی وہ پورا پورا حاوی تھا۔ بادشاہ کو حق نہ تھا کہ اس کی اجازت کے بغیر گھونٹ بھر پانی پی سکے، بادشاہ کے ارد گرد جتنے ملازمین و خدمتگارا اور مقربین رہتے تھے وہ سب دلاور خاں کی آنکھ کے اشارے پر کام کرتے تھے۔ اس کے خلاف مرضی تنکا بھی نہ بل سکتا تھا۔ غرض دلاور خاں اس وقت ریاست کا روح رواں اور ایک طرح سے ”آمر مطلق“ ہو گیا تھا، وہ بیجا پور پر بادشاہت کر رہا تھا، شاید بادشاہوں کو کبھی کبھی اتنا مکمل اختیار حاصل نہ ہوا ہوگا، کیونکہ بالعموم بادشاہ اپنے مقربین اور معتدین کے اختیار تیزی پر بہت سارے امور سلطنت کی انجام دہی چھوڑ دیتے ہیں، مگر چونکہ دلاور خاں ایک متولی تھا اور بادشاہ نہ تھا اس لیے اس کے استقلال اور اس کی قوت کی بقاء کے لیے یہ ضروری تھا کہ دوسروں کو معاملات سلطنت میں کم سے کم دخل دینے کا موقع دے اور زیادہ سے زیادہ اختیارات اپنے ہاتھ میں رکھے، اس طرح قدرتی طور پر اس کی طاقت بڑھتی ہی گئی، لیکن جب دلاور خاں کی قوت معراج کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ عین اسی وقت ایک رد عمل ہوا۔ اول تو بادشاہ کو اپنے تالیق کا

غیر معمولی عروج پسند نہ تھا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ اس مقتدر نائب کے مقابلہ میں وہ بالکل مجبور محض ہے، اگرچہ سال ہی حال رہا تو ابراہیم کی بادشاہت کا تو نقطہ نام رہے گا اور بیجا پور پر اسلی اور حقیقی حکومت کرنے والا دلاور خاں حبشی ہو گا۔ ابراہیم کی والدہ بھی خائف ہو چکی تھیں اور کوئی تدبیر بھی بن نہ پڑتی تھی، کیونکہ جس کو نمک حلال اور وفادار سمجھ کر وزیر سلطنت بناتے ہیں وہ چند روز کے بعد ایسے پاؤں پھیلاتا ہے کہ الاماں خود بادشاہ کی بادشاہت خطرہ میں پڑ جاتی ہے، اب اعتماد کیا جائے تو کس پر، اور مدد لی جائے تو کس سے۔ دلاور خاں سمیت اب تک چار متولیان ریاست گزر چکے ہیں، جب ایک نے منگرمی کی تو دوسرے کو طلب کیا، جب دوسرے نے رنگ بدلا تو تیسرے سے مدد لی، جب تیسرے کی وجہ سے خرابیاں پیدا ہوئیں تو چوتھے کو وزیر سلطنت بنایا گیا، اگر ان میں سے ہر ایک دوسرے کا استاد ہی ٹھٹھکا گیا اب دلاور خاں کے زمانے میں خود متولی اس قدر حاوی ہو گیا تھا کہ اس نے مقابل کوئی بھی چوں نہیں کر سکتا تھا طاقت کا غیر معمولی طور پر بڑھالینا اشتباہ کا باعث ہو جاتا ہے، خصوصیت کے ساتھ اس وجہ سے کہ جنہوں نے بھی طاقت حاصل کی وہ شرارت پر آمادہ ہوئے، اسلئے سب سمجھے ہوئے ہی تھے کہ دیکھئے اب دلاور خاں کی یہ غیر معمولی طاقت کیا رنگ لاتی ہے۔

بادشاہ کی معزولی کی افواہ | اسی اثنا میں یہ خبر یا افواہ پھیل گئی کہ دلاور خاں ابراہیم کو معزول کر دینا چاہتا ہے اور اس کی جگہ اس کے بھائی اسماعیل کو جو اس وقت مصطفیٰ آباد میں قید ہے بادشاہ بنانے کا ارادہ رکھتا ہے اس خبر کا پھیلنا تھا کہ سارے شہر میں اک آگ سی لگ گئی۔ یوں بھی عوام الناس اور ملک کے مختلف طبقے دلاور خاں کی ترقی کو مشتتبہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے جب یہ خبر ملی تو ان کے نزدیک اس کا وجود آئیہ آسمانی سے کچھ کم نہ تھا، اس سرے سے اس سرے تک ایک سنسنی پھیل گئی کیونکہ ملک میں جب ایسے انقلابات رونما ہوتے ہیں تو ملک ان کے برے نتائج سے محفوظ نہیں رہ سکتا، روزمرہ کی معمولی معاشرتی، معاشی اور تجارتی زندگی پر ان کا گہرا اثر پڑتا ہے، اسی وجہ سے تجارتی اور زرعی طبقہ کسی ملک میں انقلابات کے موافق نہیں ہوتا، کیونکہ اس کے معنی حکومت کی مشنری کی سرے سے تبدیلی اور ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے ایسی حالت میں ملک میں خونریزیوں کا اندیشہ پیدا ہوتا ہے، ایک فریق دوسرے فریق سے گم گم تھا اور

دست و گریباں ہو جاتا ہے، جب کوئی خاص اہم سوال اٹھایا جاتا ہے تو اس کے متعلق آراء کا کتنا اختلاف ہوتا ہے، یہ تو بادشاہ کی تبدیلی کا مسئلہ تھا، ہر ایک طبقہ کے مختلف اغراض ہوتے ہیں اور وہ ان اغراض کے اعتبار سے کسی خاص فریق کے موافق یا مخالفت ہو جاتے ہیں، ذی حیثیت اور عالی مرتبت اُمراء کی جنگ میں متوسط اور امن پسند طبقہ پس جاتا ہے۔ ابھی ملک والوں کو اخلاص خاں کا وہ زمانہ یاد تھا جبکہ حمید خاں، اخلاص خاں اور دلاور خاں کی باہمی مخالفتوں میں عام شہری گھن کی طرح پس رہے تھے اور روزانہ کی جھڑپ میں بے گناہ لوگ مارے جاتے تھے۔ دوست محمد صاحب کے ساتھیوں کا دوکان میں ایک گولہ کی زد سے مارا جانا اس کی بین دلیل ہے۔ غرض جب عامہ خلافت کو اس کی خبر لگی تو وہ سرمایہ و پریشان ہوئے اور ڈر رہے تھے کہ پھر یہیں ملک میں ایک زبردست خانہ جنگی کا آغاز نہ ہو جائے (اور خانہ جنگی کا ہونا لازمی تھا اگر دلاور خاں کو یہ خیال آجاتا کہ بادشاہ معزول کر دیا جائے) کیونکہ ہزار دلاور خاں ملک میں انتہائی طاقت حاصل کر لے کر جب بادشاہ کی علیحدگی کا سوال اٹھے گا تو بہت سارے نمک ملال اور وفادار اُمراء بادشاہ کے لیے اپنی جان پر کھیل جائیں گے، لازمی طور پر ملک میں دو فریق پیدا ہو جائیں گے، کچھ تو حقیقی نمک ملالی اور وفاداری کے جذبات سے متاثر ہو کر ابراہیم کا ساتھ دیں گے اور کچھ دلاور خاں کو نکال باہر کرنے اور اس کے طوطا کا خاتمہ کرنے کے لیے اس کے علاوہ کچھ اپنی ذاتی مخالفتوں کاوشوں اور محاصرتوں کی وجہ سے بادشاہ کے طرفدار ہو جائیں گے اور کچھ محض فائدے کی غرض سے دلاور خاں کی ہمنوائی میں اٹھ کھڑے ہوں گے، بہر حال اس طریقہ سے سخت اندیشہ تھا کہ اگر زبردست شورش برپا ہو جائے، اور عوام کا طبقہ بھی بے چین تھا۔ بالعموم عام رعایا کو بادشاہ سے اک خاص وابستگی اور محبت سی پیدا ہو جاتی ہے، ابراہیم کو ابھی نوعمری تھا اگر اس کے اخلاق و عادات اس کی رحمہلی اور کریم النفسی کی روایتیں ملک میں عام تھیں، اس کو سخت شناسی پہنچ کر تنازعہ گزر چکا تھا کہ ملک کے جذبات اس سے وابستہ ہو جائیں، اور ملک کبھی یہ گوارا نہیں کرتا تھا کہ صرف دلاور خاں کے ذاتی فائدے کے لیے اپنے لائق، رحمہل اور مقبول بادشاہ کو

بے وجہ الگ کر دیا جائے۔ ان وجوہات کی بنا پر تمام شہر میں اک اضطراب سا تھا جب علم شہر کا یہ حال ہوتا
شاہی محل کا کیا عالم ہوگا، یہ خبر ایسی نہ تھی کہ ابراہیم اور اس کی والدہ کے کانوں تک پہنچتی، شاہی محل میں
ایک کہرام مچ گیا، بادشاہ اور اس کی والدہ گھڑی بھر نہ سوسکے، تمام رات پریشانی میں کٹ گئی،
ابراہیم اس وقت جوان ہو چکا تھا، وہ دلاور خاں کے اس خیال سے آگاہ ہو کر بوکھلا گیا۔

جب صبح طلوع ہوئی تو دلاور خاں حسب معمول سلام کے لیے حاضر ہوا اس کو خفیہ طور پر پہلے ہی
معلوم ہو گیا تھا کہ محل شاہی میں رات بھر کیا شہر برپا رہا، اپنے معمولی فرائض کی انجام دہی کے بعد
وہ بادشاہ کو خلوت میں لے گیا اور اس پریشانی کے متعلق استفسار کیا اس وقت دلاور خاں
اور ابراہیم کے درمیان جو گفتگو ہوئی اس کو اتفاقاً رفیع الدین شیرازی نے لفظ بہ لفظ سُن لیا،
کیونکہ رفیع الدین شیرازی کو جادار خانہ کسوت خانہ کا بھی صدر بنا یا گیا تھا، اس لیے وہ
بادشاہ کے قریب ہی رہتا تھا، اس وقت اتفاق سے وہ کسی دوسرے حصے میں پردے کے پیچھے
تھا کہ دلاور خاں نے بادشاہ کو خلوت میں لا کر گفتگو کی اور اس طرح اس نے سن لیا، ابراہیم ذرا
بچکی یا اس کے بعد جی کڑا کر کے چوڑھ سنا تھا من و عن دھرا دیا۔ دلاور خاں جب نفس معاملہ سے آگاہ ہوا تو اس نے
بے اختیارانہ اپنا سر پیٹ لیا اور کہا کہ باوجود اتنی وفاداری اور جاں نثاری کے شک و شبہ جاتا نہیں
اور نت نئے طوفان اُٹھائے جاتے ہیں، یہ کہہ کر اس نے اپنے گھر کی راہ لی اور جاتے ہوئے جو کچھ اہل دیوار
دربار حال میں موجود تھے انھیں کہتا گیا کہ آئندہ سرکاری کاروبار سب قلعہ میں انجام پائیں گے کوئی شخص
کسی حال میں بھی سرکاری کاروبار کی غرض سے اس کے گھر نہ آئے، وہ خود ان کی انجام دہی کے لیے
قلعہ حاضر ہو جایا کرے گا لیکن اس کے بعد اس پر اس قدر خوف دہراں طاری ہوا کہ وہ بالکل غائب
ہو گیا اور پانچ چھ روز تک گھر سے باہر قدم نہ ڈالا، تمام سرکاری کاروبار بالکل بند رہے، حکومت کی مشنری
سیکھت رُک گئی، یہاں روزانہ حکومتی کاروبار کی گرامر می رہتی تھی، ہاں ایک سناٹا چھایا ہوا رہنے لگا، سرکاری
کاروبار یکایک رُک جانے سے ملک کی پریشانیوں میں اور نیا دہی ہو گئی، ملک کے سپاہی مش لوگ اس پر
تے ہوئے تھے کہ اگر بادشاہ کا ذرا بھی اشارہ پائیں تو دلاور خاں کو مع اس کے سہنواؤں کے ان دواحدیں

یہ تیغ کڑا لیں۔ بادشاہ کی معزولی کی افواہ نے اس کی ساری طاقت کو یک قلم سلب کر لیا، اور وہ مقہور و محتجب کی طرح اپنی صورت چھپائے بیٹھا تھا، اس کو کوئی صورت اپنی خلاصی کی نظر نہ آتی تھی، اندیشے بڑھتے ہی بارہے تھے اس کو کسی پراقتدا باقی نہ رہا تھا، اور وہ کسی کو اپنے پاس آنے بھی نہ دیتا تھا حتیٰ کہ رومی خاں جس کی لڑکی دلاور خاں کے بیٹے عبدالقادر سے منسوب تھی اس پر بھی دلاور خاں کو بھروسہ نہ رہا تھا۔ کاروبار کے قفل کا یہ عالم تھا کہ رومی خاں جو قلعہ دار تھا قلعہ کے اندر جمائے سے احتراز کر رہا تھا، اور فیج الدین شیرازی کا بیان ہے کہ وہ دو پار روز تک بادشاہ کے کپڑے بدلنے کی خدمت انجام نہ دے سکا۔

جب چند روز سی طرح گذر گئے اور صورت حال کچھ ٹھیک نہ ہوئی تو اس امر کی کوشش کی جانے لگی کہ دلاور خاں پھر برسر کار ہو جائے، اس لیے کہ اگر حکومت یونہی معطل رہے تو یہ معلوم ملک میں کتنے فساد اور برباد ہو جائیں۔ شر و فساد پر جو طبقہ ہمیشہ آمادہ رہتا ہے وہ کیا کچھ ستم نہ ڈھائے اور ملک کو مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے، لہذا ان آئیوائے خطروں سے ملک کو بچانے کے لیے کوئی مصالحت کی صورت نکالنے کی از بس ضرورت تھی اور فی الحال سب سے اہم کام دلاور خاں کو سمجھا بھجا کر اس کے اپنے عہدے پر بحال کرنا تھا تاکہ کوئی نازک صورت پیدا ہو جائے تو کم از کم اس کا سد باب کیا جاسکے اب تقریباً ہر شخص یہ جان لیا تھا کہ دلاور خاں اس معاملہ میں بے تصور ہے اور وہ ایسی غداری کا مرتکب نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس کے افعال اس کی بے گناہی کو ثابت کر رہے تھے، ورنہ حقیقتاً اگر وہ غداری پر تیار ہوتا تو اس طرح خانہ نشین کیوں ہو جاتا۔ پہلے ہی سے ایسے انتظامات کرنا کہ ملک اور فوج اپنے قابو میں رہے اور کسی قسم کی مزاحمت نہ ہو سکے، یہ افواہ دراصل دلاور خاں کے انتہائی عروج کو ایک شائبہ شکل دینے کے لیے اڑائی گئی تھی چنانچہ ایک مصالحتی کمیٹی بٹھائی گئی اور اس کام نے یہ سید ثعلیم دیر جو عمید ریاست میں تھا اور خود دلاور خاں کے بیٹے اور امیرین توفی اسماعیل جیسے دلاور خاں اپنا بیٹا کہا کرتا تھا، اور رومی خاں منتخب کئے گئے، ان لوگوں نے دلاور خاں کو تمام شائبہ و فراز بھجایا اور بتلایا کہ خود اس طرح معزول ہو کر بیٹھ رہنا خلاف عقل بات ہے، ملک کے ہزار دوست و دشمن لگے رہتے ہیں

اس بد نظمی سے فائدہ اٹھا کر ممکن ہے شریرانفس طبقہ بغاوت کر دے اس لیے بہتر ہے کہ پیروہ معاملات سلطنت کی طرف رجوع کرے لیکن دلاور خاں پر ان باتوں کا کچھ بھی اثر نہ ہوا آخر کار اس کے ایک بیٹے محمد خاں نے جو نہایت دانشمند زیرک اور لائق و فاضل آدمی تھا اور اس کے علاوہ دلاور خاں پر بھی اس کا بہت اثر تھا، اپنے باپ کو سمجھایا کہ یہ طرز عمل ٹھیک نہیں ہے، اس میں سارے خاندان کی رسوائی ہے اور اگر اس وقت بادشاہ ذرا بھی اشارہ کرے تو اس کا سارا خاندان برباد ہو جائے گا، عزت و ناموس خاک میں بٹ جائے گی اور گھر کی عورتیں کہا روں اور چاروں کے حوالے ہو جائیں گی، اس نے اس فوجی سے اس کے طرز عمل کی غلطی ذہن نشیں کروادی کہ وہ معاملات سلطنت کی طرف رجوع کرنے پر راضی ہو گیا اس کا راضی ہونا تھا کہ محمد خاں نے رومی ماں کے پاس آدمی دوڑا دئے کہ دلاور خاں کو سمجھا لیا گیا ہے، اب کوئی تدبیر مصالحت کی کیجائے۔ رومی خاں خود قلعہ کے اندر جانے سے ڈرتا تھا اس لیے ایک معتد بدھیا کو ابراہیم کی والدہ کے پاس روانہ کیا کہ اس کا عندیہ لیا جائے، اس وقت ابراہیم اور ابراہیم کی والدہ دونوں دلاور خاں کے اس عجیب طرز عمل سے حیران و پریشان تھے ان کو بھی کچھ نہ سمجھتا تھا کہ کیا کیا جائے، اگر دلاور خاں نے واقعی ننگ حرامی کی تھی تو وہ ان حالات کے معلوم کرتے ہی خائے نشیں کیوں ہو گیا، وہ کچھ زور و قوت سے بھی نام لے سکتا تھا، مانا کہ ملک کا بیشتر حصہ اس کے خلاف ہو گیا تھا مگر پھر بھی وہ ایک زمانے سے وکیل السلطنت تھا، اسکا اثر و رسوخ بھی کافی تھا، اس کے حامی اور طرفدار موجود تھے آخر کچھ نہ کچھ قوت تو اس کے پاس تھی وہ کچھ تو ہاتھ پاؤں مار سکتا تھا، لیکن اس کا خاںہ نشیں ہو جانا اور از خود مغزولی یہ بتا رہی تھی کہ محض افواہ ہی افواہ ہے اور اس کے دل میں ننگ حرامی کا خیال تک نہ تھا چونکہ وہ محض خالی الذہن تھا اس لیے واقعات کا یکایک یہ رنگ دیکھ کر گھبرا گیا، پریشانی میں اس سے اور تو کچھ بن نہ پڑا صرف ذاتی ممانعت کے لیے خائے نشیں ہو گیا اس لیے ابراہیم اور اس کی والدہ کا دل دلاور خاں کی طرف سے صاف ہو چکا تھا اور بدگمانیاں جاتی رہی تھیں، اگر بغرض محال اب دلاور خاں کی جانب سے انھیں بدگمانی تھی بھی تو وہ اتنا ضرور سمجھتے تھے کہ دلاور خاں تنہا انھیں اتنا نقصان نہیں پہنچا سکتا جتنا کہ تمام ملک میں

شہر ش کی آگ پھیل جانے سے ہو سکتا تھا دوسرے ملک نے اس تھوڑے سے عرصہ میں بادشاہ سے جو اپنی وفاداری کا اظہار کیا تھا اس سے دلاور خاں کی قوت دفعۃً سلب ہو گئی تھی اور اس کی عقل بھی ٹھکانے لگ گئی تھی مگر وہ غداری کی طرف راغب بھی تھا تو ان حالات کے مشاہدے کے بعد اس میں ہمت نہ رہی تھی کہ اپنے خیال کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرے، اسی بنا پر ابراہیم کی والدہ کا بھی یہی خیال تھا کہ دلاور خاں حکومت کو پھر اپنے ہاتھ میں لے لے اس کے علاوہ جب اس کو معلوم ہوا کہ دلاور خاں کو منالیا گیا ہے تو اس نے رومی خاں کی بتائی ہوئی تدبیر پر عمل کر دینے کا وعدہ کر لیا۔

معاملت | دوسرے روز صبح ابراہیم کی والدہ نے اسے سمجھا بھاکر دلاور خاں کے گھر لوڑ کیا، دلاور خاں کی بدگمانی اور پریشانی دور کرنے اور عوام الناس پر یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ بادشاہ کو دلاور خاں پر کامل اعتماد ہے یہ طریقہ اختیار کیا گیا تھا، اس سے ایک طرف تو دلاور خاں کی تالیف قلب ہو گئی، دوسرے دلاور خاں کی جانب سے جو ملک میں بدگمانی و نفرت پھیل گئی تھی، وہ دور ہو سکتی تھی، کیونکہ اس سے یہ ظاہر ہو جائے گا کہ بادشاہ اپنے ریجنٹ پر پورا پورا اعتماد رکھتا ہے، جب بادشاہ کا ہی اعتماد ظاہر ہو جائے گا تو پھر عوام الناس کو دلاور خاں سے بدگمانی کی کوئی وجہ باقی نہ رہے گی۔ درحقیقت تمام ملک کی اسی بدگمانی نے دلاور خاں کی ساری طاقت اور اختیارات کو آن کی آن میں سلب کر لیا تھا غرض رومی خاں کی بتائی ہوئی تدبیر پر عمل کر کے بادشاہ بہ نفس نفیس دلاور خاں کی کوٹھی پر آیا، بادشاہ کی آمد کی خبر سننے ہی دلاور خاں نے دوڑتے ہوئے آکر بادشاہ کے پاؤں چوم لیے اور اپنی وفاداری کا اظہار کیا، بادشاہ نے بھی اسے تسلی اور دلاسا دیا اور اپنے ساتھ قلعہ کو لے گیا ابراہیم جس گھوڑے پر سوار ہو کر آیا تھا اسی پر دلاور خاں کو بٹھایا گیا اور خود ابراہیم سنگاں میں بیٹھ گیا اس سے بھی یہی منظور تھا کہ بادشاہ کا کامل اعتماد اہل ملک پر ظاہر ہو جائے، دلاور خاں کی کوٹھی سے شاہی محل تک اس طرح بادشاہ اور ریجنٹ کی سواریاں گئیں، خلقت نے بھی اس ملاپ کو بہ نظر استحسان و اطمینان دیکھا اور ملک میں ایک قسم کی طمانیت پیدا ہو گئی، بادشاہ نے مزید تالیف قلب کے خیال سے دلاور خاں کو بہت کچھ تحفہ و تحائف سے سرفراز کرنا چاہا مگر دلاور خاں نے عرض کی اس وقت حضور کے جسم پر جو لباس ہے

وہی عطا کر دیا جائے کہ وہ دنیا کے سارے میں بہا خلعتوں سے اس کو زیادہ بہتر بھٹائے، بادشاہ نے دلاور خاں کی یہ خواہش پوری کر دی، دلاور خاں نے اس کو اپنی خاص عزت افزائی پر مجبور کیا، اس لیے دین اور سر فرازی کے بعد دلاور خاں کو رسمی طور پر پھر سے وکیل السلطنت کے عہدے پر فائز کیا گیا، ادھر دلاور خاں کے ہاتھ میں ملک کے انتظامات آ گئے، اس کا دروائی سے وہ تمام پریشانیاں اور بدگمانیاں جو یہ معلوم کئے، بڑے فساد کا موجب ثابت ہوئیں، یکایک اس طرح دب گئیں جس طرح دبی ہوئی آگ پر پانی چھڑک دیا جائے تو وہ بھسم ہو جاتی ہے، جب حکومت کی مشنری چلنے لگی تو ملک کے اس عنصر کو جو فتنہ و فساد کی طرف مائل تھا، اپنی کارروائیوں کو عملی جامہ پہنانے کا موقع نہ رہا اور یکبارگی ملک میں امن و امان قائم ہو گیا۔

دلاور خاں کی استعماری تدابیر اس واقعہ کے بعد دلاور خاں کی آنکھیں کھل گئیں، وہ اچھی طرح دیکھ چکا تھا کہ ہزار طاقت و قوت اس کو حاصل ہو جائے، مگر ذرا سی غداری اور نیک حرامی کا خیال برباد کر دینے کے لیے کافی ہے۔ دلاور خاں اب تک خواب غفلت میں تھا اور اس کو اندازہ نہ تھا کہ ملک میں جذبہ بادشاہ پرستی کا کیا عالم ہے، حالانکہ وہ وکیل السلطنت اور ملک کا سب سے اعلیٰ اوطاق قوتورین عہدہ دار تھا، فوج اس کے حکم میں، قلعہ اس کے تحت، حتیٰ کہ بادشاہ بھی اس کے ہاتھ میں تھا مگر آن کی آن میں یہ سب اس کے قابو سے اس طرح نکل گئے جیسا کہ پہلے تھے ہی نہیں۔

لہذا دلاور خاں اب چونک گیا تھا، اس کی جان جاتے جانے بجلی تھی، وہ برباد ہونے ہوئے رہ گیا تھا اس لیے وہ پہلے سے بھی زیادہ اپنے استعماری تدابیر کرنے لگا، اب وہ مزید فوج جمع کرنے میں مشغول ہو گیا۔ (محض مزید فوج جمع کر لینا ہی کافی نہ تھا، بلکہ اس کو براہ راست اپنے ہاتھ میں رکھنا بھی از حد ضروری تھا کہ جب چاہے اور جس کے مقابل چاہے اسے لاکھڑا کر دے) اور اس زبردست فوج کی تیاری میں اسٹیٹ کا بے دریغ رو پیہ خرچ کرنے لگا۔ قدیم فوج کو بھی نئے ساز و سامان سے آراستہ کیا اور اس کی تنظیم و ترتیب کی، تقریباً پانچ چھ ہزار ہون خرچ کر کے نو ہزار سوار، چار ہزار پیادہ، تین ہون کی اس نے ایک ہزار دکر اور فوج تیار کر لی، بہتین ساز و سامان اعلیٰ درجہ کے گھوڑے، طاقتور تو منہ سپاہی

اور زبردست ماہرین فن جنگ جمع کئے گئے اور اس فوج کو بہترین جنگی اصولوں پر تیار کی ہوئی فوج بنائے میں اس نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی جب فوج تیار ہو گئی تو اس کی کفالت کا سوال پیدا ہوا جو کچھ روپیہ منظور تھا وہ پہلی فوج کی خوراک و ضروریات کے لیے تھا اب اس مزید فوج کے لیے خزانہ پر بار ڈالنا پڑتا تھا لیکن بادشاہ کی منظوری ضروری تھی اس لیے منظوری حاصل کرنے کے لیے یہ چال چلی کہ ایک فوجی مظاہرہ کیا۔ بادشاہ کو ایک برج پر بڑی شان و شوکت سے بٹھایا گیا اور نیچے سے یہ نئی تیار شدہ فوج نہایت آراستگی و پیراستگی کے ساتھ گزرے لگی۔ بادشاہ نے اس نئی فوج کا معائنہ کیے بڑی مسرت ظاہر کی، دلاور خاں کی تعریف و تحسین کی اور اس کو اس کے بیٹوں کو خلع پہنائے فاخرہ سے سرفراز فرمایا خلعت کے ساتھ ایک انگشتی بھی عنایت ہوئی جو الماس و یاقوت کی تھی، مرصع و زر نگار زین و لگام کے ساتھ ایک اسب تازی، ہاتھی، شمشیر و خنجر اور ان کی زرین میانیں، غرض دلاور خاں کو بہت کچھ سرفراز کیا گیا اس تمام عطا کا اندازہ رفیع الدین تقریباً دو لاکھ ہون بتاتا ہے، یہ تو نقطہ عطیہ اور تحفہ تھا، اب اس فوج کے اخراجات کے لیے ایک سو قرے مزید دلاور خاں کے تفویض کئے گئے بحال ریاست کو ہدایت دی گئی کہ یہ سو قرے فی الفور دلاور خاں کے حوالے کئے جائیں۔ اسی سلسلہ میں اکثر امرا کی جاگیروں کو ضبط کر کے دلاور خاں نے اپنا قبضہ کر لیا کہ فوج کی کفالت کا سامان ہو چنانچہ بلال حبشی جو کچھ خیالات فاسد پیدا کر رہا تھا اسے قید کر کے اندھا کر دیا گیا اور جاگیر چھین لی۔ شہزادہ خاں اور جلال نامی ایک شخص کی جاگیریں ضبط ہو کر دلاور خاں کے قبضہ میں آگئیں غرض اس طریقہ سے اس نے استحکامی تدابیر کا سلسلہ جاری رکھا۔ معصوم رفیع الدین شیرازی نے اس کا ردائی پر جو رائے ظاہر کی ہے وہ نہایت بہتر ہے، وہ لکھتا ہے کہ ازل عمل بیخیز اسوارانہ لشکر عالم پناہ کم شد۔ بر لشکر دلاور خاں افزود، غرض اوہیں بود کہ خود را سنگین سازد، و عالم پناہ را سبک گرداند ہمیشہ مستولی

۱۵۔ بسا این السلاطین۔

۱۶۔ تجفہ الملوک۔

باشہ و قدرت بردفع اونداشتہ باشند^۱ ان بلوں سے صورت حال پر نہایت اچھی روشنی پڑتی ہے، وہ صاف طور پر لکھتا ہے کہ ان تمام افعال سے اس کا مقصد یہی تھا کہ خود اس قدر طاقتور اور باقت ہو جائے کہ اگر بادشاہ چاہے بھی تو اسے حکومت سے خارج نہ کر سکے، تو اس کا خیال بادشاہ کو الگ کرنے کا نہ تھا بلکہ اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ وہ حکومت کا حریف بن جائے اور بادشاہ کو عضو معطل بنا کر خود حکومت کرنا چاہتا تھا، اس لیے ان غیر معمولی استحکامی تدابیر پر عمل کرتا تھا، دلاور خاں کے ہاتھ سے حکومت جا کر دوبارہ آئی تھی، لہذا وہ اس کی حفاظت کو اپنا ایمان سمجھتا تھا اپنے مزید استحکام کے لیے وہ نظام شاہی ریاست کے معاملات میں دخل دیتا ہے تاکہ اپنا اقتدار اور رسوخ بڑھے۔

احمد نگر دلاور خاں کو جب پورا استحکام حاصل ہو گیا تو اس نے احمد نگر کی طرف توجہ کی کیونکہ یہاں کے حالات اس امر کے متقاضی تھے، ابھی ان واقعات کو گذر کر مشکل ایک سال ہوا کہ کبیرا سن نظام شاہ قتل کر دیا گیا، احمد نگر میں سخت اختلافات پیدا ہو گئے، دکنی اور غیر ملکی فرقہ میں وہ خون ریزیوں ہوئیں کہ الاماں و اخصیظہ غیر ملکی فرقہ کا رہبر مرزا خاں مارا گیا اور دکنی فرقہ کو فروغ حاصل ہوا جس کا رہبر اندریدر جمال خاں مہدوی تھا اس نے اسماعیل کو دہرہ بان کا بیٹا تھا، بادشاہ تسلیم کر لیا جو ایک کم لڑکا تھا اور خود معاملات سلطنت پر حمادی ہو کر مختار کل بن گیا آدمی قابل اور کارداران ضرور تھا مگر مہدوی ہونے کی وجہ سے دوسرے طبقہ کے لوگ اسے پسند نہ کرتے تھے، ان وجوہات کی بنا پر احمد نگر کی حالت خراب ہوئی جا رہی تھی۔

جب احمد نگر میں یہ خبریاں رونما ہوئیں تو دلاور خاں کو یہاں کے معاملات میں دخل اندازی کر کے کچھ تو اپنی طاقت و رسوخ میں اضافہ کرنے اور کچھ نظام شاہی علاقے حاصل کر لینے کی سوجھی، جیسا کہ احمد نگریوں نے اس سے پہلے بیجا پور کی اندرونی خرابیوں سے فائدہ اٹھا کر کیا تھا، چنانچہ ۹۹۹ھ مطابق ۱۵۸۱ء میں پھر دوبارہ بیجا پور کی افواج نے احمد نگر کا رخ کیا، یہ وہیں یہاں سے روانہ ہو کر شاہ درگ پہنچیں اور وہاں فی الحال قیام گزریں ہوئیں، اس غرض سے کہ طبل خاں اپنی بھاری فوج کے ساتھ دلاور خاں سے یہاں ملتی ہو جائے اور اس کے بعد متحدہ قوت سے احمد نگر پر دھاوا بول دے۔

اہلبار کی دوسری ہم آواز لکھا گیا ہے کہ دلاور خاں نے بلیل خاں کے انتظار میں شاہ درگ پر اپنی نوہیں ٹیلے لیں
 تو اب یہ معلوم کرنا چاہیے کہ بلیل خاں کہاں گیا ہوا تھا اور کس لیے جب ابراہیم اور دلاور خاں میں لڑائی کی
 مدد کے لیے جا کر واپس آئے تو دلاور خاں نے بلیل خاں کو دوسری مرتبہ مالابار (کرناٹک) روانہ کیا کہ وہ
 جا کر کئی سال کا وصول طلب خراج حاصل کرے اور وہاں کے سرکش زمینداروں، راجاؤں کی اچھی طرح
 سرکوبی کرے۔ تاریخ فرشتہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تین سال کا خراج وصول طلب تھا جو تقریباً "سی" دیک لکھ
 بیجاہ ہزار ہوں تک بڑھ گیا تھا۔ یہ مالابار کی دوسری ہم آواز پہلی ہم آواز کا حال تو بالتفصیل دیا گیا اور
 اس کی ناکامی کے وجوہ بھی بتا دئے گئے بلیل خاں اسی وقت سے یہ چاہتا تھا کہ اسے موقع ملے تو وہاں کے
 زمینداروں کی اور بالخصوص شکر نائک کی تنبیہ کرے کہ دلاور خاں نے ایک عرصہ تک اس طرف توجہ
 نہ کی تھی، کچھ تو اس وجہ سے کہ اسے دوسرے معاملات نے گھیر رکھا تھا، اور کچھ بلیل خاں کی حماقت کے
 باعث وہ بگڑا ہوا تھا، لیکن جب احمد نگر سے فوجیں واپس ہوئیں اور اس کا کوئی خاص نتیجہ بھی برآمد نہ ہوا تو
 اس نے بلیل خاں کو مالابار کی طرف روانہ کر دیا اسے کیا معلوم تھا کہ اتنا جلد پھر احمد نگر پر حملہ کرنے کی
 ضرورت ہوگی اور فوجوں کی موجودگی لاحق ہوگی، لیکن زمانے نے ایسا جلد پلٹا کھایا کہ بلیل خاں کے مالابار
 جانے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد احمد نگر کے حالات بگڑ گئے اور حملہ کا موقع ملا چونکہ دلاور خاں کو جلد ہی تھی
 اس لیے وہ بلیل خاں کے آئیکا انتظار کئے بغیر فوجوں سمیت شاہ درگ آگیا اور صبارقتا قاصدوں کو
 مالابار روانہ کیا کہ وہاں کے حالات جس رنگ پر ہوں انھیں ویسا ہی چھوڑ کر بلیل خاں اپنی ساری فوجوں
 کے ساتھ شاہ درگ آجائے بلیل خاں کو دلاور خاں کا حکم تو ملا مگر وہاں کی صورت حال ایسی تھی کہ چھوڑ کر
 نہیں آسکتا تھا، اس لیے اس نے آنے میں تاخیر کی، ادھر دلاور خاں نے بلیل خاں کے انتظار میں ایک مہینہ
 گزار دیا اور شاہ درگ ہی میں پڑا رہا۔ مگر جب دیکھا کہ دیر کرنے سے جمال خاں کی توت بہت بڑھ جاتی
 ہے تو توقع کو مناسب نہ جانکر احمد نگر کی طرف کوچ کر دیا، جمال خاں کو بھی ان حالات سے آگاہ ہی تھی،
 بیجا پور کی فوج ملے پر آتے ہوئے دیکھ کر وہ بھی پندرہ ہزار سواروں کے ساتھ دلاور خاں کے مقابلہ کو
 نکلا، نصب آشی پر دونوں افواج نے بڑا وکیا چونکہ موسم بارش کا تھا اس لیے باقاعدہ جنگ شروع نہ ہوئی
 بلکہ تاریخ فرشتہ

البتہ کبھی کبھی جھڑپ ہو جاتی تھی جب میں روزی و نوحی گذر گئے تو جمال خاں نے کوشش کی کہ صلح ہو جائے، اور اکثر سفیر اور ذی اثر لوگوں کے ذریعہ گفت و شنید شروع کی کیونکہ ابھی وہ کمزور تھا اس لیے لڑنا نہیں چاہتا تھا اور دیر دلا درخاں بھی بلیل خاں کے آنے سے فوجوں کی کمی محسوس کر رہا تھا جب اس نے دیکھا کہ جمال خاں آمادہ صلح ہے تو ان شرائط پر صلح کر لی کہ جنگ کا ہر جانہ ادا کیا جائے اور ابراہیم کی بہن خدیجہ کو مع جہیز کے واپس کر دیا جائے (جو میرا حسین مقتول کی بیوی تھی) جمال خاں نے دونوں شرائط کی تکمیل کی، مقتادو پنجنہزار ہونٹھ فعل بہا (دیا ہر جانہ جنگ) ادا کئے، جب ان شرائط کی تکمیل ہو گئی تو بیجا پوری افواج واپسی کی تیاریوں میں تھیں کہ بلیل خاں اپنی فوج لیکر بڑی شان و شوکت سے ابراہیم کی خدمت میں حاضر ہوا۔

بلیل خاں اور دلا درخاں کی مخالفت اول الذکر کا مقید اور مخروم البصارت ہونا

جب بلیل خاں واپس آیا تو دلا درخاں اس سے بہت کبیدہ خاطر ہو چکا تھا کیونکہ اس نے حکم کی تعمیل میں تساہل کیا تھا، اگرچہ بلیل خاں کی یہ ہم کامیاب رہی تھی لیکن دلا درخاں نے اس پر شاہی فرمان کی خلاف ورزی کا الزام لگایا اور بادشاہ کو بدول کرنے کے لیے جو کچھ نقد و جنس وہ مالابار سے بطور خراج کے وصول کر لایا تھا، اس کی گھٹا گھٹا کر قیمت لگائی اور کہا کہ پوری رقم وصول نہیں ہوئی ہے لہذا بقیہ رقم کی تکمیل کی جائے، اس طریقہ سے یہ ثابت کرنا منظور تھا کہ نافرمانی اور تاخیر کے باوجود خاطر خواہ رقم وصول کر کے نہیں لایا جب دربار میں دلا درخاں نے اس پر یہ الزامات دھرے تو بلیل خاں نے میا کی سے جوابات دئے (کیونکہ جانتا تھا کہ بادشاہ اندرونی طور پر اس سے راضی ہے) اس نے حقیقت میں کوئی نافرمانی نہیں کی تھی، جس وقت شاہی فرامین پہنچے وہ تقریباً پوری رقم کو کامیاب بنا چکا تھا، سب زمیندار اور راجہ مطیع ہو چکے تھے، اور اب صرف روپیہ ہی وصول کرنا تھا، اگر ایسی حالت میں وہ کھل آتا تو ساری کی کرائی محنت کا ارت جاتی اور اس دوسری فوج کشی کا بھی کچھ نتیجہ نہ نکلتا۔ پھر جب کبھی ادھر تو جہ کی جاتی تو اتنی ہی کارروائی از سر نو کرنی پڑتی، اس لیے اس نے پندرہ دن کی دیری کو کچھ مضائقہ نہ جانکر رقم وصول کرنے میں معروض رہا، اور اس میں وہ حق بجانب بھی تھا، اگر وہ ان زمینداروں پر یہ ظاہر کر دیتا کہ اسے واپسی کے احکام آگئے ہیں تو ایک جتہ بھی وصول نہ ہوتا، فوج کی واپسی کو دلوگ مشکل کر دیتے اور شر و فساد پراٹھاتے، خرفض

اس نے بڑی خوبی سے دلاور خاں کے الزامات کا جواب دیا اور اپنے آپ کو ہر طرح جرم سے بری ثابت کیا، انہماک سے دلاور خاں پر الزام لگایا کہ اس کی اپنی جلد بازی نے بے وجہ معاملات کو خراب کر دیا اور نہ وہ اگر اور پندرہ روز شاہ درگ میں اس کا انتظار کر لیتا تو مالا بار کی فوجیں اس سے آملتیں اور اس احمد نگر کی حملہ کو ایک کامیاب حملہ بنا سکتے، بغیر فوج کے محض مٹھی بھر آدمیوں کے برے پراس نے بادشاہ کو اتنی تکلیف دی جس کا کوئی بہتر نتیجہ بھی نہ نکلا۔

غرض بلبل خاں کے استدلال کے سامنے دلاور خاں کی کچھ پیش نہ گئی اس لیے اس نے اپنی ناراضگی ظاہر نہ کی اٹل بادشاہ سے سفارش کر کے بلبل خاں کو ایک خلعت فاخرہ سے سرفراز کر دیا اور خود بھی بہت خندہ پیشانی سے پیش آیا اور خانگی طور پر اس سے کہا کہ اس کی اپنی سنجیدی محض مصلحت پر مبنی تھی کیونکہ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو لوگ یہی کہتے کہ اپنا آغوشی فرزند ہونے کی وجہ سے رعایت کی۔ دلاور خاں کی ان چکنی پٹری باتوں نے بلبل خاں کو غافل کر دیا، اس نے اپنی حفاظت کی کوئی تدبیر نہ کی بالآخر دلاور خاں موقع پا کر اسے قید کر لیا اور بعد کو اپنے حکم سے اس کی آنکھیں بھی نکلوادیں، حالانکہ دلاور خاں پراس بھی غلام کے بہت سے احسانات تھے، اس کی وجہ سے دلاور خاں نے اخلاص خاں کے مقابلہ میں کامیابی حاصل کی تھی اور اس کو اپنا آغوشی فرزند بنالیا تھا۔ بہر حال دلاور خاں سیاسیات کے میدان میں موت و محبت کے اصول و آئین کا لحاظ نہیں رکھتا تھا۔

برہان کی مدد کے لیے احمد نگر پر جو گذشتہ جملہ ہوا تھا وہ میرا حسین کے مارے جانے کے بعد ہوا تھا، اس حملہ کا جو کچھ احمد نگر پر حملہ۔

دیدہ گئی، اور اس کے علاوہ بلبل خاں کو جو اندھا کیا گیا اس کا بھی ذکر ہو چکا اب ۱۶۹۹ء میں پھر ایک ایسا موقع پیش آیا کہ بجا پور نے احمد نگر کے معاملات میں دخل اندازی مناسب سمجھی، اور بتایا گیا ہے کہ جمال خاں مہدوی، اٹھلعل کو بادشاہ تسلیم کر کے احمد نگر میں حکومت کر رہا تھا، اسماعیل برہان کا بیٹا تھا اور برہان اس وقت اکبر کے دربار میں پناہ گزین تھا، وہ اپنے بہائی مثنوی نظام شاہ کے عہد میں احمد نگر سے فرار ہو کر بجا پور آیا تھا، علی عادل شاہ کا زمانہ تھا، یہاں چند روز قیام کر کے وہ اگر جلا گیا اور

اکبر کے سلسلہ ملازمت میں داخل ہو گیا، اکبر نے اسے ایک جاگیر دے دی تھی اور مدد کا بھی وعدہ کیا تھا مگر اب تک اس کو کوئی ایسا موقع نہیں ملا۔ قنصلی نظام شاہ کے مرنے کے بعد احمد نگر میں جو طوائف الملوک جاتی رہی، اس سے برہان کے کچھ جوصلے بڑھ گئے، اور وہ اپنی موردنی سلطنت کے حامل کرنے کے خواب دیکھنے لگا جب اسے معلوم ہوا کہ جمال خاں مہمدوی اسی کے بیٹے اسماعیل کو بادشاہ تسلیم کر کے حکومت کر رہا ہے تو اس نے ارادہ کر لیا کہ دکن آکر کچھ قسمت آزمائی کرے، اکبر نے مدد دینی چاہی مگر برہان نے مدد لینے سے انکار کیا، اور کہا کہ اگر وہ اکبر سے مدد لینا تو پورا دکن اس کا مخالف ہو جائے گا، اور اس وقت تخت حاصل کرنے کی جو کچھ امید ہے وہ بھی جاتی ہے گی، لیکن اکبر کے حکم سے راجہ علی خاں نے مدد کا وعدہ کیا، برہان کی پہلی کوشش ناکام رہی، اس کے بعد راجہ علی خاں کی رائے سے اس نے بیجا پور سے مدد طلب کی، اور ایک خطا محمد قاسم فرشتہ کو لکھا (جو کچھ دنوں سے بیجا پور گیا تھا اور براہ رسم عادل شاہ کی ملازمت میں داخل ہو گیا تھا) محمد قاسم فرشتہ نے یہ خط دلاور خاں کے روبرو پیش کیا، دلاور خاں نے بھی مدد دینے کا عزم کیا، اس سے دلاور خاں کے دو تین قاصد تھے۔ سب سے پہلے یہ کہ ایک گڑی سلطنت میں دخل اندازی کر کے کچھ فائدہ اٹھائے، مثلاً کچھ علاقے لہجائیں یا کچھ قلعے حاصل ہو جائیں، اس کے علاوہ اگر کوشش کامیاب رہی تو برہان نظام شاہ بادشاہ ہونے کے بعد اس کا ممنون احسان ہو جائے گا، ایک ریاست اور ایک بادشاہ کو مفت میں ممنون بنالینا کوئی بُری بات نہ تھی نیز اس کا مقصد کچھ ذاتی استحکام بھی تھا یہ بات محتاج تشریح نہیں کہ جنگ اور حملہ کے وقت حاکم اعلیٰ کے اختیارات میں غیہ معمولی وسعت ہو جاتی ہے، خواہ وہ حاکم اعلیٰ بادشاہ ہو یا وزیر سلطنت یا کوئی اور عہدہ دار فوج براہ راست ماتحت اور تیار رہتی ہے، قانون اور آئین ایک حد تک معطل ہو جاتے ہیں اور صرف قانون جنگ پر عمل ہوتا ہے۔ غرض جنگ حکومت کرنیوالے کے لیے تو وسیع اختیارات کا باعث ہوتی ہے، دلاور خاں تو اپنے اختیارات اور قوت کو بڑھانے پر تیار ہو ہی تھا، اگر جنگ ہو تو وہ سب سالار رہے گا بادشاہ اس کے

تحت رہ سکتا ہے اور دیگر ایسے انتظامات کئے جاسکتے ہیں جو معمولی حالات میں ممکن نہیں، پھر مزید یہ کہ اگر کامیابی ہوئی تو قدر و منزلت بڑھ جاتی ہے، اور ملک پر اس کی عظمت و جلال کا سکہ میٹھ جاتا ہے۔

دلا درخاں نے ابراہیم سے بھی رسمی طور پر اس حملہ کی اجازت لے لی اور فوجوں کی تیاریوں میں مشغول ہو گیا، دو تین روز کے بعد ۱۶۸۷ء میں دلا درخاں نے ایک زبردست فوج کے ساتھ بادشاہ کے ہمراہ احمد نگر کی سرحد کا رخ کیا۔ ادھر برہان راجہ علی خاں دالی خاندیس کی مدد حاصل کر کے امرائے برار کی تالیف قلوب میں مصروف تھا اور عنقریب حملہ کرنا چاہتا تھا، تدبیر یہ تھی کہ دونوں طرف سے حملہ کر کے جمال خاں کو پیرس دیا جائے۔ غرض بیجا پوری فوج نے شاہ درگ کا رخ کیا، جمال خاں کو جب یہ معلوم اس نے ارادہ کیا کہ برہان اور راجہ علی خاں کے روکنے کے لیے برار کی طرف توجہ کرے اور برہان نے دلا درخاں کو یہ کہلا بھیجا کہ اگر بیجا پوری افواج شاہ درگ سے اور آگے بڑھ آئیں تو جمال خاں پہلے برار کی طرف رخ کرنے کی ہمت نہ کرے گا، اس سے مزید فائدہ یہ ہو گا کہ وہ امرائے برار جو جمال خاں کی قربت کی وجہ سے خائف ہیں، اور حلیفوں کا ساتھ دینے میں تساہل کر رہے ہیں اس وقت مل جائیں گے، جب جمال خاں بیجا پوری افواج کے مقابلہ کو آگے نکل جائے گا اس پر دلا درخاں شاہ درگ سے فوجیں بھرا کر دھاریوں کی طرف لے چلا۔

جس وقت شاہی فوج شاہ درگ میں تھی بادشاہ کو یہ مقام اور یہاں کی آب و ہوا بہت پسند آئی اس لیے یہاں کچھ قیام کیا، اسی قیام کے عرصہ میں دلا درخاں نے ایک سیاسی اور شاطرانہ چال چلی جس سے اس کا مقصد اپنا ذاتی استحکام تھا پہلے اشارہ کیا گیا ہے کہ اس حملہ سے منجملہ اور مقاصد کے دلا درخاں کا ایک یہ بھی مقصد تھا کہ اپنی قوت اور طاقت میں اضافہ کرے اس کی تصدیق حسب ذیل واقعہ سے ہوتی ہے، اور یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ عین اس وقت جبکہ وہ خارجی معاملات میں الجھا ہوا تھا اندرونی طور پر وہ اپنے ذاتی استحکام کی تدبیر سے بے خبر نہ تھا، بلکہ خود ان واقعات کو اپنے استحکام کا مہم معاون بنانا چاہتا تھا۔

جب بادشاہ اور دلا درخاں اپنی فوجوں سمیت بغرض جنگ شاہ درگ روانہ ہوئے تو

بیجا پور کی حکومت قدر تارومی خاں کے ہاتھ میں آگئی تھی جو بیجا پور کا قلعہ دار تھا اس کا ابراہیم سے کچھ دودھ کا رشتہ تھا) دلاور خاں کو یہ منظور نہ تھا کہ رومی خاں بیجا پور کا قلعہ دار رہے کیونکہ وہ اس کا ہوا خواہ نہ تھا اس کی مرضی تھی کہ قلعہ پر تنا بور کھنے کے لیے کوئی ایسا آدمی ہو جس پر اعتماد کر سکے اس لیے وہ رومی خاں کو بھال کر اپنے کسی عزیز یا ہوا خواہ کو قلعہ دار بنانا چاہتا تھا اور موقع کی تاک میں تھا چنانچہ جب بادشاہ مع فوج کے شاہ درگ آگیا تو اس نے رومی خاں کو بھالنے کے لیے یہ تدبیر کی کہ یکایک شہر میں چوروں اور ڈاکوؤں نے سر اٹھایا اور دن رات چوریاں ہونے لگیں شہریوں کی جان تک کی خیر نہ رہی اور ملک کے امن و امان میں خلل پڑ گیا، رومی خاں پریشان ہو گیا، اس نے ہزار اعظام کئے مگر قزاقوں کی دلیری برصتی ہی گئی اور شہر میں مار پیٹ، لوٹ کھسوٹ روز آہ کا ایک معمولی مظاہرہ لگتی (در اصل یہ چوروں کی شرارتیں، رومی خاں کو ہٹانے اور بدنام کرنے کے لیے دلاور خاں کی جدت طرازی کا نتیجہ تھیں) اسی نے چند لیٹروں کو جمع کر کے سکھایا، پڑھایا تھا جس کی وجہ سے شہر میں یہ ہلڑ ہو گئی۔

جب یہ لوٹ اور غارتگری ملک میں عام ہو گئی تو چاروں طرف سے بادشاہ کے حضور میں عرضیاں گزرتی گئیں اور بے شمار شکایتیں ملک کے انتظام کے متعلق بظاہر دلاور خاں تک بھی پہنچیں، دلاور خاں نے جب صورت حال کو دیکھا تو نہایت معصومانہ انداز میں بادشاہ سے اس امر کی اجازت چاہی کہ رومی خاں کو ہٹا کر اس کی جگہ کسی دوسرے قابل تر اور بہتر آدمی کو متعین کر دے تاکہ وہ چوری اور ڈاکوئی کا انسداد کر سکے اور ملک میں امن و امان پیدا ہو جائے، چونکہ رومی خاں سے بادشاہ کو اک خاص قسم کی وابستگی تھی اور دودھ کا رشتہ بھی تھا اور اسے چاہتا بھی تھا اس لیے بادشاہ نے دلاور خاں کی تدبیر کا ساتھ نہ دیا اور صاف کہہ دیا کہ رومی خاں ایک نہایت وفادار، نیک ہلال اور جان نثار آدمی ہے اس کو ہر منصب سے علیحدہ کرنا مرا سزا ظلم ہو گا، وراس کے علاوہ وہ کچھ نا اہل بھی نہیں، مگر نہ معلوم کیا وجہ ہوئی کہ اس مرتبہ اس کے انتظام کے متعلق اتنی شکایات وصول ہوئیں وہ ہمارے خانہ زادوں میں سے ہے، ہم جب تک ہم پر نہیں اس کو اسی منصب پر بحال رکھیں گے، البتہ اسے یہاں سے تاکید کر دی جائے کہ وہ ملک کے انتظام سے بے خبر نہ رہے اور ان ویلر اور جیوٹ ڈاکوؤں کا اچھی طرح انتظام کر دے۔ بادشاہ کے اس جواب سے

دلاور خاں کی آرزو پر اس سے بڑگی اور اس کی تمام شاہراہ چالیں صرف ایک نبی سے رد ہو گئیں۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ براہیم بن سنشور کو پہنچ چکا تھا اور اچھے برے کو سمجھنے لگا تھا وہ تار گیا تھا کہ دلاور خاں بہت حوصلہ مند ہے اور نو دس کو ایک عضو مغل بنا کر آپ حکومت کرنا چاہتا ہے، وہ دل میں سمجھا ہوا تھا کہ حکومت اور سلطنت اس کی اپنی آباؤی ہے نہ کہ دلاور خاں اور اس کے آباؤ اجداد کی اس لیے شاہانہ مت روز بروز اس میں پیدا ہوتی جا رہی تھی۔ تاریخوں کے مطالعہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ براہیم کے سنشور کو پہنچنے کے بعد یہ بالکل سلامتی تھا کہ اس نے ریجنٹ کی صلاح کو ایک طرف رکھ کر اپنے احکام نافذ کئے اور دلاور خاں کو بھجوا دیا کہ وہ اس کے حکم پر عمل کرے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ نے اب غم کر لیا تھا کہ یا تو شکوہ دلاور خاں ہی کرے یا وہ خود اسی بنا پر دلاور خاں کو اس نے انتظام میں کوئی دخل نہ دینے دیا، دلاور خاں ہلاکا ہوشیار اور فرس تھا، وہ کب یہ ظاہر کرتا کہ بادشاہ کے اس حکم سے اس کی امیدوں پر پانی پھر گیا یا رومی خاں کو ہٹانے میں بجز انتظام ملکیت کے اس کی کوئی خاص ذاتی دلچسپی تھی، لہذا اس سے یہ ظاہر کیا کہ ایک ذمہ دار وزیر کی طرح اس نے صلاح دی تھی، اب بادشاہ کی مرضی کا اسے قبول کرے یا نہ کرے۔

جب یہ دار خانی گیا تو دلاور خاں پرست ہمت اور کمزور نہیں ہو گیا بلکہ پہلے سے بھی زیادہ قوت کے ساتھ دوسرے دانوں پر چلنے لگا کہ کم از کم ان کے ذریعہ اپنے خرافات کو مغلوب کرے۔

دلاور خاں کی ک زمانے سے خواہش تھی کہ بادشاہ کو اس کی والدہ سے علیحدہ کر دیا جائے کیونکہ یہ عورت بہت فرس اور دانا تھی، بادشاہ کو وقت بے وقت اپنے بہترین مشوروں سے مستفید کرتی تھی اور اس ڈھنگ پر نے چلتی تھی کہ دوپوری طرح ریجنٹ کے قبضہ میں نہیں رہتا تھا اس کا خیال تھا کہ اس ہشیار عورت کی علیحدگی سے بادشاہ پر اس کا قابو بڑھ جائے گا اور وہ من مانے حکومت کر سکے گا، یہ وہ تدبیر تھی جو اس سے پہلے بھی اکثر متولیان سلطنت اختیار کر چکے تھے بچنا بچنا کاٹل نے چاند بی بی کی طاقت اور قوت کو رفتہ رفتہ کم کر کے اسے حکومت کے معاملات سے بے اہل بے دخل کر دیا تھا، اور کشور خاں نے اسے قید کر کے ستارہ روا کر دیا تھا اس زمانے میں چاند بی بی تو تھی نہیں کہ اس کے خلاف کوئی کارروائی کی جاسکے اور دلاور خاں نے براہیم کی والدہ کو پھر براہیم سے الگ کرنے کی کوشش کی اس کا مقصد یہی تھا کہ بادشاہ کو جس کی وجہ سے قوت حاصل ہے جکی خراست کی

بدولت وہ اس کے داروں کو خالی دیتا ہے، اسی کو ہٹا دیا جائے۔ یہ فکر تو اس کو روز اول ہی سے تھی مگر جب رومی خاں دلا دلا معاملہ پیش آیا تو دلا درخاں نے سمجھا کہ ہونہ ہوا بادشاہ نے اپنی والدہ کی رلے اور مشورہ پر ہی عمل کیا در نہ کیسں اور کم عمر لڑکا اتنی گہری خیال کیا جائے۔ وہ کھلم کھلا شاہی خاندان کی اتنی ذی وقار عورت کو قید بھی نہ کر سکتا تھا، اور کشور خاں سب سے بڑا قوت بھی نہ تھا لہذا اپنی بیباکانہ حرکت سے ایسی بدنامی کا شیکہ اپنے سر لے کہ سب بازار لوگ گالیاں دیں اور صلواتیں سنائیں، اس کے نام پر لاجوں بھیجیں اور اس پر اہلیس کی طرح لعنت کریں، لہذا یہاں اس نے ایک زبردست چال چلی۔ یہ تو بتلادیا گیا ہے کہ بدمعاش کے خوش آنے سے بادشاہ فوجوں سمیت اس وقت شاہ درگم میں ٹھہرا ہوا تھا، اب تھوڑے اور قیام کے بعد علاج تھی کہ غنیم کے مقابلے کے لیے آگے بڑھیں، بادشاہ کے ساتھ اس کی والدہ بھی موجود تھی، بادشاہ کو کمزور کرنے کے لیے دلا درخاں اس کی والدہ کو یہیں چھوڑ کر آگے بڑھنا چاہتا تھا، اسی غرض سے اس نے اپنے زمانے کو بھی بیجا پور سے بلوایا جب کوچ کا وقت آیا والدہ ابراہیم سے درخواست کی کہ اب فوجیں غنیم کے لیے جا رہی ہیں شکست و فتح نصیبوں سے ہوتی ہے، میدان جنگ کا اپنے ہاتھ رہنا محض خدا کی دین اور عنایت ہے ورنہ کسے یقین کہ کون جیتے اور کون ہارے، کون جیتے اور کون مرے، مارے مرنے کے لیے تو جاتے ہیں ایسی صورت میں شاہی محل بھی ساتھ ہو تو پریشانیاں بڑھ جاتی ہیں، اس کی حفاظت کے لیے وقت، فوج، روپیہ سب ہی لگتا ہے، اور پھر وہ اطمینان طلب بھی حاصل نہیں رہتا جو حرم محترم کے شہنشاہ محفوظ نامہ سے ہوتا ہے، لہذا مناسب یہی ہے کہ سرکاری ہیں آرام فرمائیں اور ہم مردانہ و ارمیدان میں کلکرو دشمن کو مار بھگا آتے ہیں، والدہ ابراہیم کو یوں بھی اپنے بادشاہ بیٹے سے بڑی محبت تھی، اس سے قطع نظر وہ متولیان ریاست کے رنگ و ڈھنگ دیکھ چکی تھی، اور پھر دلا درخاں کے گرگٹ والے رنگوں سے تو خوب واقف تھی، بھلا وہ اس قصاب کو کیوں پتیا نے چلی، نہایت مستعدی سے کہا کہ جب میرا لڑکا میدان جنگ میں جا رہا ہے، جب اس کی لاکھوں کی جان خطرے میں ہے تو مجھ بڑھیا کی زندگی اور موت کیا اہمیت رکھتی ہے، میں ہر حال میں اپنے بیٹے کے ساتھ رہوں گی اور جو کچھ اس پر پڑے گی میں سہوگی۔ دلا درخاں اپنا سامانہ لیکر رہ گیا، سوائے اس کے کچھ بن بچہ کہ شاہی مستعدی کی تعریف کرے اور حکم بجالائے غرض اہل دیں

کر کہ اس پر راضی ہو گیا اور مجبوراً اپنے زمانے کو ہیں چھوڑ کر کوچ کی تیاریاں کرنے لگا۔

احمد نگرى افواج سے مقابلہ جب جمال خاں کو اطلاع ہوئی کہ برہان دکن میں آگیا ہے اور راجہ علی خاں اس کی پہلے فتح اور اسکے بعد شکست

مدد کے لیے تیار ہے، اُمرائے راجہ میں اکثر شیعہ اور غیر ملکی ہیں، دکنی سرگروہ پر دانت پس رہے ہیں، اور جوق جوق اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو رہے ہیں، اور دلاور خاں بھی برہان کی حمایت پر فوجیں لیکر شاہ درگ آگیا ہے تو وہ پریشان ہوا کہ چاروں طرف سے نرغے میں گھر گیا ہے مگر چونکہ نہایت بہادر اور دلیر تھا اس لیے ہمت نہ ہاری بلکہ مردانہ وار مقابلہ کرنے اور جان دینے کے لیے تیار ہو گیا (حقیقت یہ ہے کہ جس بہادری سے لڑ کر اس نے جان دی ہے اور آخر وقت تک کوشش کئے گیا ہے اس پر بے اختیارانہ زبان سے تعریف کے جملے نکل جاتے ہیں مختصر یہ کہ اس نے افغانی بہادری کے جوہر دکھا دیئے، اس سے بحث نہیں کہ وہ کس قدر حق بجانب تھا مگر کچھ بھی اس نے اپنا مقصد اور نصب العین بتالیا تھا خواہ وہ غلط ہو کہ صحیح اس کی حمایت میں اس نے ذرا بھی کوتاہی نہیں کی اور مفہور بھر کوشش کرتا رہا حقیقی عظمت دراصل اسی کا نام ہے کہ انسان اپنا جو نصب العین بنالے اس پر آخر وقت تک کاربند رہے خواہ اس میں کامیابی ہو کہ ناکامی) اور اپنی فوجوں کو آراستہ کر کے احمد نگر سے نکلا، اس وقت جیچا پوری لشکر اس سے بہت قریب تھا، اور اسی کے حملہ سے وہ ذرا خوفزدہ بھی تھا۔ لہذا پہلے اس نے اسی طرف توجہ کی، جب دونوں لشکر بالکل قریب ہو گئے تو موزوں درنا سب مو قعوں کو منتخب کر کے پڑاؤ کیا، اور لڑائی کی تیاریاں ہونے لگیں، دلاور خاں کی طرح جمال خاں اپنے ساتھ جنگ میں اپنے بادشاہ اسماعیل کو لایا تھا، چند روز تک تو یہ فوجیں ایک دوسرے کے مقابل پڑی رہیں اور آئے دن کچھ نہ کچھ جھڑپ ہو جاتی تھی مگر ابھی تک جنگ باقاعدہ طور پر شروع نہ ہوئی تھی، غالباً کچھ موسم ناموافق تھا یا یہ کہ ایک فریق دوسرے فریق کی حرکتوں کا بغور مطالعہ کر رہا تھا کہ جہاں ذرا سی غفلت ہو تو قابو پالے، آخر کار باقاعدہ طور پر جنگ شروع ہو گئی، خوب کشت و خون ہوا، ابھی کوئی قطعی فیصلہ نہ ہونے

لے یہ تفصیل بسا تین اور تحفۃ الملوک سے لی گئی ہے۔

پایا کہ رات ہو گئی، رات بھی اندھیری گھپ، لہذا دونوں فوجوں نے مناسب سمجھا کہ مات کی مات جنگ ہو تو نہ
 کر کے کلی مسجد میں طبل جنگ بجا کر میدان میں کود پڑیں، دوسرے دن صبح صبح میدان کا زنا گرم ہوا، دونوں
 فوجیں ایک دوسرے سے بھڑکیں، جال خاں نے اس جنگ میں اپنی دانائی اور خصوصیات کا زبردست
 اظہار کیا۔ ایک پختہ کار اور آزمودہ کار جرنیل کی طرح اس نے اس بیوقوفی کو اپنے نزدیک نہ آنے دیا کہ ایک ہی
 مرتبہ اپنی پوری فوج کو میدان میں الجھا دیا جائے، اور اگر اتفاق سے میدان ہاتھ سے جاتا رہے تو سولے
 سو سو پاؤں رکھ کر بھاگنے کے چارہ ہی نہ رہے۔ وہ ایک بہترین سپاہ کے ساتھ اپنی اصلی فوج سے
 علیحدہ ہو گیا اور بادشاہ کو نیکو ایک موقع کی جگہ تلاش کرنی اور اسی میں چھپ کر بیٹھ رہا، اور جنگ شروع
 ہوئی، دلاور خاں نے اپنی پوری فوج کو بیک وقت میدان میں مشغول کر دیا، اس کا دروائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ
 عادل شاہی افواج کا سیلاب و منصور میدان سے واپس ہوئیں، جب غنیمت پران کو غلبہ حاصل ہوا اور
 نظام شاہی فوج کے قدم میدان سے اٹھ گئے تو یہ اپنی ساری جنگی تنظیم و ترتیب کو بالائے طاق
 رکھ کر نہایت نامعانت اندیشانہ طور پر شکست خوردہ فوج پر ٹوٹ پڑی، نظام شاہی فوج
 تاب مقاومت نہ لا کر میدان سے بھاگ کھلی، اور اس کے ساتھ ہی عادل شاہی فوج لوٹ مار کی
 فکر میں چاروں طرف پھیل گئی، مال غنیمت کی تلاش روپیہ اور دولت کے لالچ میں فوج کا بیشتر حصہ دور دور تک
 نکل گیا، یہ فتحیاب فوج اس بد نظمی کے ساتھ تیز تر ہوئی کہ شکست خوردہ فوج بھی نہ ہوئی ہوگی نیز عادل شاہی
 فوج کا ایک بہترین دستہ جو نہایت بہادر و دلیر اور آزمودہ کار (۸۰۰) ہندوؤں پر تکل تھا جنکی بدولت
 فتح حاصل ہوئی تھی، اسی مال غنیمت کی دھن میں میدان سے نکل کھڑا ہوا جال خاں ان سب حالات کا
 اپنی کین گاہ سے مطالعہ کر رہا تھا، اور موقع کا طالب تھا جب میدان بالکل صاف نظر آیا اور دلاور خاں
 کے پاس معدودے چند سپاہی رہ گئے تو یہ اپنی کین گاہ سے کھلا ابھی راستہ ہی میں تھا کہ عین اس ملک اور
 آنکس خاں سے اس کا مقابلہ ہو گیا، عین اس ملک اور آنکس خاں ابتدائی سے دلاور خاں سے ناراض
 تھے (اس لیے کہ جب دلاور خاں کی طاقت میں سید اضافہ ہو گیا اور ہر طرح وہ ریاست پر چھا گیا تو
 اس کے دشمن بن گئے) اس وقت شاہی فرمان کی تعمیل اور محض رسمی طور پر یہ اپنی فوجیں لیکر میدان میں

آئے تو تھے، لیکن جب جنگ شروع ہوئی تو اپنے کو علیحدہ ہی رکھا اور ایک طرف کو ہٹ گئے، لڑائی میں قطعاً حصہ نہ لیا، بھلا ان کو کیا غرض پڑی تھی کہ جانفشانی سے لڑیں، خون بہائیں اور نام دلاور خاں کا ہو جو ان کا قریب، دشمن اور حریف تھا۔ ممکن ہے کہ انھی آپس کے جھگڑوں کی بنا پر دلاور خاں کو شکست دینے کے لیے انھوں نے جنگ میں حصہ نہ لیا ہو مگر جب بادشاہ کی اقبالندی سے بجا پوری افواج کو فتح حاصل ہوئی تو یہاں براہیم کو اس کی اپنی کامیابی پر مبارکباد دینے کے لیے اپنے اپنے مقام سے ٹھکر خرا ماں خرا ماں چلے جا رہے تھے کہ اتفاقاً ایک بلانے ناگہانی کی طرح جمال خاں سے ٹدھ پڑ ہوئی، دونوں فوجوں کی حالت میں بڑا فرق تھا ایک تو اپنی ہزیمت سے غضبناک اور انتقامی جوش میں پور دشمن کو تباہ و برباد کرنے اور اپنی جان تک دینے کے لیے کمین گاہ سے نکلی تھی اور دوسری محض شادمانی اور کامیابی سے مسرور خنداں و فرحان جشن منانے کے لیے لا پر واہی سے انجان آگے بڑھ رہی تھی، لہذا اس ٹدھ پڑ کا نتیجہ یہ ہوا کہ عین الملک اور تاکس خاں جمال خاں کے حملے کی تاب نہ لاسکے اور دیوانہ وار جس طرف منہ اٹھا بھاگ نکلے، جمال خاں کو اس کامیابی سے بڑی خوشی ہوئی، اس کی کھوئی ہوئی دولت ہاتھ آگئی اور اُجڑی ہوئی امیدیں تازہ ہو گئیں، شاہی فوج کا یہ حصہ بڑی بدحواسی سے اپنی جانیں مٹھی میں لیکر بھاگا تھا، اس سرسبکی میں ساز و سامان کی کس کو فکر تھی، جمال خانیوں نے اس خداداد مال غنیمت سے خوب فائدہ اٹھایا، تقریباً پچاس ساٹھ ہاتھی اور کئی گھوڑے نظام شاہیوں کے حصے میں آئے، ان کی ہمت بند ہو گئی اور جو صلے بڑھ گئے، گو جمال خاں کو اس لڑائی میں کامیابی ہوئی مگر یہ معرکہ کچھ اس کی فوج کی بہادری سے سر نہیں ہوا تھا بلکہ کہنا چاہیے کہ محض اتفاقی تھا اور قسمت نے ساتھ دیا، البتہ جیلہ جنگ کو اس میں بہت دخل ہے۔ دلاور خاں جب اس اچانک حادثہ کی خبر لگی تو اس نے اپنی اس پاس نظر و ڈرائی، دیکھا تو یہ دیکھا کہ جمال خاں ایک سیلاب کی طرح اُمڈا چلا آ رہا ہے اور یہاں بے سرو سامانی کا یہ عالم کہ مدافعت تک ممکن نہیں، ساری فوج دور دور بکھری ہوئی تھی، اب کچھ جمع کرنا اور منظم کرنا کچھ کھیل نہ تھا، جو کچھ باقی ہے وہ جمال خاں کی گرد کو نہیں پہنچتی، ایسی حالت میں لڑنا عین حاققت تھی اور زبردستی دشمن کے ہاتھ میں پھنسنا تھا، دلاور خاں اگر لڑتا تو شکست یقینی کھاتا اور خود دیا تو مارا جاتا یا قید ہو جاتا، نیز بہت ممکن تھا کہ بادشاہ پر بھی کوئی

آفت آجاتی اس وقت میں بہت حاضر و مافی سے کام لیا اور باقی ماندہ سپاہیوں کو لیکر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور تمام حال کہہ سنایا اور صلاح دی کہ اب یہاں ٹیڑھی غلطی ہے جتنا جلد ممکن ہو کوچ کرنا چاہیے، بادشاہ بھی راضی ہو گیا۔ دلاور خاں انتہائی سرعت اور تیزی کے ساتھ بلاہیم کو لیکر میدان جنگ سے گھوڑے اڑاتا ہوا نکل گیا، تھوڑی دور تک تو نظام شاہیوں نے پیچھا لگا کر کچے بعد ہمت نہ بڑی اور بے سود سمجھ کر آقا قب چھوٹ دیا۔ تمام رات اس تاریکی میں کہ منہ کو کچھ دکھائی نہ دیتا تھا شاہی فوج پہاڑی علاقوں میں فرار ہوئے یہ مصرعہ تھی: "شہرہ فرخ طے کرنے کے بعد دوسرے دن بارہ بجے شاہ درگ پہنچے اور بادشاہ کو آرام کرنے کا موقع ملا اگرچہ زیادہ سامان دشمن کے ہاتھ لگا تھا، مگر اس کو ہستانی علاقے میں راتوں رات بھاگنے سے اور راست کی ناہواریوں سے مال و اسباب کو خاصہ نقصان پہنچا، اس طریقہ سے یہ جنگ ختم ہوئی، اور فی الحال جمال خاں ہی کامیاب رہا۔ دلاور خاں کی یہ شکست دراصل اتفاقی تھی، اس سے دلاور خاں کی بہادری اور جرئیت کا غصہ و صیانت پر کچھ اثر نہیں پڑتا جمال خاں کی تدبیر و تحقیقت نہایت غیر متوقع تھی اور ایسے اتفاقی واقعات سے بعض وقت بہتر سے بہتر جرنیل بھی مغلوب ہو جاتے ہیں، یہ کہا جاتا ہے کہ دلاور خاں کو ذرا ہتھیاری اور دانائی سے کام لینا چاہیے تھا، اور دشمن کو حقیر جاننا ایک اچھے جرنیل کے خصوصیات سے بعید ہے، اس نے یقیناً بہت بے پروائی کی جس کی وجہ شاید یہ ہو کہ اسے اپنی کامیابی کا پورا یقین تھا، بالخصوص ان حالات کے مد نظر جو اس سے پہلے یا ابھی ابھی احمد نگر کی ریاست میں رد نما ہو چکے تھے اس جنگ کی تفصیلات فرشتہ بالکل دوسرے طریقہ سے دیتا ہے اور اکثر جگہ ان دونوں بیانات میں اختلاف نظر آتا ہے۔ چونکہ یہ اختلاف اہم بھی ہے اور دلچسپ بھی اس لیے فرشتہ کی تفصیلات کو من و عن درج کیا جاتا ہے۔

احمد نگر کی افواج سے مقابلہ شاہ درگ میں دلاور خاں نے اپنے ذاتی انتظام کے لیے جو تدبیریں کیں ان کے ناکام رہنے کے بعد وہ دھاراسیوں روانہ ہوا کیونکہ برہان کی جانب سے اس امر کی خواہش کی گئی تھی کہ برار کے امرا جو جمال خاں سے خائف ہیں اس کے دوسری طرف متوجہ ہو جائے۔ برہان سے مل جائیں گے جمال خاں نے بھی یہ دیکھا کہ جیسا پوری افواج یہاں تک بڑھ آئی ہیں تو وہ براہ کا قصد ترک کر کے

ان کے مقابلے کو نکلا، پہلے اس نے سید امجد الملک مہدوی کو جو سر لشکر برار تھا لکھا کہ وہ برہان اور راجہ علی خاں کے حلوں کو روکے اور ممکن ہو تو برار کے اُمراء کو کسی صورت سے بھی ان حملہ آوروں سے بچتی نہ ہونے دے، اور ادھر خود دلا درخاں کے مقابلہ کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔ جمال خاں کا خیال تھا کہ کسی طرح ابراہیم اور دلا درخاں سے صلح کر لے جیسا کہ اس نے پہلے کی تھی، اور جب یہ خطرہ ٹل جائے تو پھر برہان اور راجہ علی خاں کا ایک ہی حملہ میں کام تمام کر دے جمال خاں کو سب سے بڑا خوف بیجا پور کی جانب سے تھا، اس پر جب وہ دونوں طرف سے گھر گیا تو بہت پریشان ہوا، وہ کسی طرح بیجا پور کی بلا ٹالنا چاہتا تھا، مگر جمال خاں کے غلات خود اس کی قسمت تھی، چنانچہ اس نے دھانا سیون پہنچتے ہی سب سے پہلے صلح کی گفت و شنید شروع کر دی، اپنے سفیروں کو روانہ کیا، چاچلوسی کی، اور بہت کچھ دینے دلائے گا وعدہ بھی کیا، لیکن دلا درخاں نے ایک نہ سنی پہلی دفعہ جب اس نے جمال خاں کے مقابل میں منہ موڑا تھا تو اسے بہت گراں گذر تھا، اور بلیل خاں کی سستی پر اپنی ناکامی کو محسوس کر کے اس غریب کی آنکھیں کھلوادیں تھیں، اب اس کو ہرگز ہرگز صلح منظور نہ تھی، جمال خاں کی موجودگی سے اس کا کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا تھا، البتہ برہان اگر تخت نشین ہو جائے تو احمد نگر کی ریاست اس کی ممنون ہو جاتی، اسی بنا پر اس نے صلح سے قطعاً انکار کیا، ادھر دلا درخاں یہ دھوکہ ہوا کہ اس کا حریف اور مد مقابل کمزور ہو گیا ہے اور لڑنے کی ہمت نہیں رکھتا، اسی اثناء میں بعض ایسے واقعات پیش آئے کہ جس سے دلا درخاں مزید دھوکہ میں پڑ گیا۔ سب سے پہلے تو یہ کہ نظام شاہ فوج کا ایک حبشی سردار ہنگ خاں، جمال خاں کی کسی بات پر ناراض ہو کر دلا درخاں کے لشکر سے آگیا جس سے جمال خاں کی قوت کو کافی ضرب لگی۔ جب جمال خاں نے دیکھا کہ صلح کی کوشش میں وقت گزر رہا ہے اور فوج اس سے بد دل ہو کر ساتھ چھوڑ رہی ہے تو اس نے لڑائی کا عزم مصمم کر لیا، اور اپنی جگہ چھوڑا ایک بہتر مضبوط اور اونچے مقام پر پکپ ڈال دیا تاکہ دشمن پر قابو رہ سکے۔ دلا درخاں کے جاسوس اور خوشامدیوں نے جمال خاں کی اس حرکت کو یوں سمجھا یا کہ وہ میدان سے فرار ہونا چاہتا ہے، اور نالگ دوں کے جنگل کی راہ اختیار کرنے کی فکریں ہے، ان خبروں سے دلا درخاں کو جمال خاں کی کمزوری کا یقین داخل ہو گیا، لہذا فوراً تیس ہزار کی فوج کے ساتھ بلا سوچے سمجھے اور

ابراہیم سے بغیر اجازت لیے وہ روانہ ہو گیا تاکہ دو چار ہاتھ مار کر جمال خاں کو گرفتار کر لے۔ یہاں اس نے بڑی بیوقوفی کی، جب وہ دشمن کے لشکر سے دو تین کروہ کے فاصلہ پر آگیا تو اسے یہ تک معلوم نہ تھا کہ یہ سامنے والی فوج جمال خاں کی ہے یا ابراہیم کی، جس سے کچھ عرصہ پہلے وہ جد ہو چکا تھا۔ اتنے میں جاسوسوں نے یہ تحقیق خبر پہنچائی کہ جمال خاں مقابلہ کے لیے تیار اپنی فوجیں لیے ہوئے پڑا ہے۔ یہ سنتے ہی دلاور خاں کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے، اس کو خیال نہ تھا کہ جمال خاں لڑنے کے لیے تیار ہو گا۔ دلاور خاں کی فوج بے ترتیب ہو گئی تھی، سپاہی جھکے ہوئے تھے۔ راستہ کے نشیب و فراز اور وادیوں اور گھاٹیوں کی ناہمواریوں نے اس کے لشکر کو پریشان کر دیا تھا، صورت حال ایسی نہ تھی کہ دلاور خاں، جمال خاں سے لڑتا، لیکن اب، واپس ہونا بھی باعث ننگ تھا، اس سے اس کی بُر دلی اور نامردی ظاہر ہوتی، وہ عجیب کشمکش میں تھا کہ اسی اثنا میں بادشاہ کی طرف سے کچھ سواروں نے آکر کہا کہ ابراہیم کی مرضی آج جنگ موقوف رکھنے کی ہے کیونکہ سپاہ بہت بد نظم ہو گئی ہوگی، اور ایسے میں لڑنا ہزیمت اٹھانا ہے مگر دلاور خاں نے یہ لکھکر بھیجا کہ ندی جمال خاں کو ابھی ہتھیاری اور شیریں پہنا کر حاضر خدمت کرتا ہے اور دو ایک حملوں میں دشمن کو تباہ و تاراج کر دیتا ہے۔ غرض دلاور خاں نے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں، پانچ چھ ہزار امرا لے کر برکی کو اپنی فوج سے علیحدہ کر کے اس کام پر مامور کیا کہ عقب سے دشمن کو تنگ کریں اور کسی کو ناہ فراغتیا کرے نہ دیں، اور خود ہمدانی الاول کو میدان کارزار میں جم گیا، عالم خاں، آنکس خاں اور عین الملک یوں تو پہلے ہی سے دلاور خاں کے مخالفت تھے، اب یہ دیکھ کر کہ شاہی احکام کے خلاف یہ آمادہ جنگ ہے، شکست کی صورت بنا کر میدان سے الگ ہو گئے اور سیدھے داراسنگ کی راہ لی کہ بادشاہ کے حضور میں حاضر ہو جائیں۔ اس طرح دلاور خاں اکیللا رہ گیا، مگر باوجود اس کے ہنایت بہادری سے مقابلہ کرتا رہا۔ اور ایسے زبردست حملے کئے کہ جمال خاں کی فوج تتر بتر ہو گئی۔ جب عادل شاہیوں کو کامیابی ہوئی تو فوج کا اکثر حصہ مال غنیمت کی تلاش میں ادھر ادھر بکھل گیا اور میدان کی فکر کو چھوڑ کر اپنے کام میں مشغول ہو گئے، دلاور خاں صرف دو سو سپاہیوں کے ساتھ میدان میں رہ گیا۔

جمال خاں مع اپنے داماد خداوند خاں کے اسماعیل نظام شاہ کے ہمراہ ایک بہترین فوجی دستہ

ہوئے کہیں گاہ میں چھپر بٹھا تھا، جب اس نے میدان کا یہ رنگ دیکھا اور دلاور خاں کو بھی تنہا پایا تو اپنی کہیں گاہ سے کھل کر دلاور خاں پر ٹوٹ پڑا، دلاور خاں کو اس اچانک حملے کا لگان بھی نہ تھا، وہ یہ سمجھا تھا کہ میں نے میدان مار لیا ہے، مگر جب یہ نئی آفت سربراہی تو پریشان ہو کر صحت سات آدمیوں کے ساتھ میدان سے بھاگ نکلا، کیونکہ اس وقت مقابلہ کرنا جان جو کھوں کا کام تھا، انھیں سات ساتھیوں میں ہمارا مورخ فرشتہ بھی تھا، راستہ میں دلاور خاں کو معلوم ہوا کہ عالم خاں، آکس خاں اور عین الملک پہلے ہی بادشاہ کے پاس چلے گئے ہیں، ان سے دلاور خاں کو خطرہ تھا، وہ جانتا تھا کہ یہ لوگ اس سے پہلے پہنچ کر بہت کچھ زہر انگلیں گے، اس کی ہزیمت و نافرمانی، اس کے غرور و تکبر کو بدترین رنگ اور پیرایہ میں پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی، اس لیے اس نے اپنی رفتار کو تیز کر کے ان لوگوں سے پہلے ہی تین ہزار سپاہ کے ساتھ داراسنگ پہنچا، راستہ میں اس کی ہزیمت خوردہ فوج اس سے ملحق ہو کر تین ہزار تک تعداد پہنچ گئی تھی، داراسنگ پہنچ کر دلاور خاں نے اس خوف سے کہ کہیں جمال خاں تعاقب نہ کرے بادشاہ کو یہاں سے چلنے کی رائے دی، اس طرح بیجا پوری افواج اپنی تباہی کے بعد شاہ درگ روانہ ہوئیں جمال خاں کو اس غیر متوقع کامیابی سے بڑی دشمنی ہوئی اور اس کی ہزیمت گردن جان سی آگئی، اس نے داراسنگ تک مفرد فوج کا تعاقب کیا، لیکن جب یہ لوگ یہاں سے بھی بھاگ نکلے تو ان کا پیچھا چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہوا، جہاں برہان اور راجہ علی خاں پاؤں پھیلارہے تھے، بے حساب مال غنیمت اور تین سو ہاتھی اور بے شمار اسلحہ جات جمال خاں کے ہاتھ لگے۔

برہان کی مدد کے لیے جب دلاور خاں اس بے سرو سامانی سے شاہ درگ واپس پہنچا تو اسے بڑی دلاور خاں کا فوج روانہ کرنا سخت ہوئی، اس داغ ناکامی کو دور کرنے اور اپنے حریف کو نیچا دکھانے کے لیے افواج کی درستگی و آراستگی میں ہر تن مشغول ہو گیا، اور چند دنوں کی محنت و مشقت سے ایک زبردست فوج تیار کر لی جب یہ دس ہزار کی فوج تیار ہو گئی تو دلاور خاں نے ایک لائق سپہ سالار کے زیرِ کمان اس کو شاہ درگ سے روانہ کر دیا تاکہ جلد از جلد وہ برہان نظام شاہ کی فوج سے ملحق ہو جائے، جس میں راجہ علی خاں اور دیگر ذی اثر اُمراء برابر بھی شریک ہیں۔

جمال خاں بھی اس عرصہ میں بیکار نہ رہا، اس کے لیے یہ جنگ موت و حیات کی اہمیت رکھتی تھی، اس کی اس کے خاندان کی آبرو اور اس کے فریق کی خیر اسی میں تھی کہ وہ اس جنگ کو کامیاب بنائے اور نہ جس طرح اس دشمنی فریق نے غیر ملکی زین پر غلبہ پکار مرزا خاں اور اس کے ساتھیوں پر مظالم توڑے تھے جس بیدردی سے ان کا خون بہایا تھا جس میاکی سے انھیں سر بازار رسوا کیا تھا اور جس سنگدلی سے انھیں امان نہ دی تھی، اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ ظلم و ستم غیر ملکی فریق کے ہاتھوں دشمنوں پر ڈھائے جائیں گے اگر انصاف کی بجائے برہان احمد نگر کے تخت کا مالک بن گیا ان وجوہات کی بنا پر جمال خاں اور اس کا فریق مرنے اور مارنے پر تیار تھا جس وقت جمال خاں نے بیجا پوری افواج کو شکست دی اور دلاور خاں ابراہیم کو لیکر میدان سے بھاگا اور سیدھے شہر درگ کی راہ لی تو جمال خاں نے یہ معلوم کر کے وہ درمیان میں کہیں وقفہ نہیں لیکا، اس کے تعاقب میں وقت اور محنت صرف کرنے کی بجائے اپنے دوسرے دشمن کے مقابلے کے لیے تیاریاں شروع کر دیں اس وقت جمال خاں کا اک اک لمحہ قیمتی اور نہایت اہم تھا اگر وہ تعاقب ہی میں وقت گزار دیتا تو ممکن تھا کہ برہان راجہ علی خاں سمیت احمد نگر بن گھس آتا اور جمال خاں محض سورت دیکھتا رہ جاتا اس احساس نے جمال خاں کو مجبور کیا کہ وہ دلاور خاں اور ابراہیم کو اپنے حال پر چھوڑ کر احمد نگر لوٹے اور وہاں جا کر سستا لینے کے بعد از سر نو فوجوں کی ترتیب و تنظیم کر لے۔ نیز دار السلطنت احمد نگر کے انعامات ٹھیک کر کے اور کسی معتمد امیر کو حاکم بنا کر برہان کے مقابلہ کے لیے پھر احمد نگر سے باہر نکلے۔ قبل اس کے کہ بیجا پوری افواج برہان کی مدد کو پہنچیں اس کا خاتمہ کر دے اور اس طرح یہ فتنہ دب جائے غرض جمال خاں احمد نگر میں چند دن ٹھیکر کر تازہ دم ہو گیا، اور اپنی فوجوں کو لیکر برابر روانہ ہو گیا جس طرف سے کہ برہان کے حملہ کا اندیشہ تھا۔ حقیقت میں جمال خاں نے نہایت تیزی اور خوبصورتی سے تمام انعامات ٹھیک ٹھاک کر لیے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف ایک بہادر جرنیل ہی تھا بلکہ ایک منظم مدبر بھی۔ یہ اس کی بد قسمتی تھی کہ وہ اپنے ارادوں میں کامیاب نہ ہو سکا اور پورا دکن اس کے خلاف ہو گیا اگر حالات اتنے ناموافق نہ ہوتے تو یقیناً جمال خاں کو شاندار کامیابی نصیب ہوتی اور وہ اپنے آپ کو دکن کی

عظیم نشان شخصیت بنا کر دکھاتا جب وہ احمد نگر سے براہ کارادہ کر کے نکلا، اس وقت اس کو اطلاع ہوئی کہ دلاور خاں اپنی ہزیمت کا بدلہ لینے اور برہان کی مدد کے لیے دس ہزار سوار کی ایک جوار فوج رو لہ کر رہا ہے۔

اس خبر و حشت اثر کے سننے ہی وہ سمجھ گیا کہ اب کامیابی دشوار ہے۔ کامیابی خواہ حاصل ہو یا نہ ہو۔ اس مقصد میں جس کے لیے اس نے اپنی زندگی وقف کر دی تھی، مرنا دشوار نہیں تھا اور یہی حقیقی جوہر کی پہچان ہے۔ اگر جمال خاں کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا نہ معلوم ان پریشان کن حالات میں کیا کر بیٹھتا۔ اس قدر غور و ہر اس اس پر طاری ہو جاتا کہ کچھ کرتے دھرتے نہ بنتی اور ہاتھ پاؤں پھول جاتے۔ لیکن وہ تو صرف جمال خاں ہی تھا کہ پیشانی ہمت پر ٹھکن نہ پڑی، اور برابر برہان کی طرف بڑھا چلا گیا۔ اس نے براہ پہنچنے میں انتہائی تیزی کی اور بالخصوص اس وجہ سے کہ پہنچنے سے عادل شاہی افواج کا سیلاب اٹھا چلا آ رہا تھا۔ پانچ چھ روز کے عرصہ میں بڑی کوشش کے بعد برہان کے لشکر کے قریب عادل شاہی افواج سے پہلے جمال خاں پہنچ گیا۔ یہاں انہیں بعد معلوم ہوا کہ تھوڑی بہت مدد کی توقع جو بعض اُمراء سے تھی وہ بھی جاتی رہی اور تمام اُمراء شرفاؤں برہان کیساتھ لڑنے مرنے پر آمادہ ہیں۔ ابھی برہان کے ساتھ راجہ علی خاں ملحق نہ ہوا تھا بلکہ برہان نے یہاں آکر خود اپنی ایک فوج تیار کر لی تھی جس میں زیادہ تر اُمراء احمد نگر شریک تھے اور راجہ علی خاں کا انتظار تھا۔ اسی حال میں اس نے جمال خاں کی آمد کی خبر سنی تو لڑائی کے لیے تیار ہو گیا۔ جمال خاں آتے ہی بغیر کسی پس و پیش کے بجلی کی طرح برہان کے لشکر پر ٹوٹ پڑا۔ یہ پہلی یورش ہی ایسی زبردست تھی کہ برہان کا لشکر قز لزل ہو گیا غرض آثار یہ کہہ رہے تھے کہ برہان کو شکست ہوگی، جمال خاں یلغار کر کے فوج کے اندر تک گھس گیا اور مینہ و میسرہ کو تر بتر کر دیا اگر ایک آدمہ گھنٹہ کی ہمت ملتی تو برہان ختم تھا، اور اگر برہان ختم ہو جاتا تو ایک کیا دس راجہ علی خاں اور بی دلاور خاں بھی جمال خاں کا کچھ نہ بگاڑ سکتے مگر مشیت ایزدی اس کے خلاف تھی۔ عین اس وقت دلاور خاں کا لشکر ہوا کے پر لگائے ہوئے آدھکا، اور ادھر راجہ علی خاں طبل جنگ بجا کر میدان میں اُتر گیا اس فوجی امداد سے برہان کی

فوج میں جان اگئی، اس کے پاؤں جم گئے، امیدیں بڑھ گئیں، حوصلے جو پست ہو چکے تھے ایک لمحہ میں بلند ہو گئے، ادراک وہ پہلے سے بھی زیادہ جم کے ساتھ لڑنے لگے جب جمال خاں کی فوج تین طرف سے شکنجہ میں جکڑ دی گئی تو سوائے اس کے کوئی صورت ہی نہ تھی کہ لڑ کر جان دیدے جمال خاں نے اس بہادری سے ان تینوں کا مقابلہ کیا کہ دشمنوں کے بھی چپکے چھوٹ گئے اور وہ اس کی جانبازی کا لوہا مان گئے۔ اس حالت میں خواہ کوئی کتنا ہی بہادر اور جانبازیوں نہ ہو فوج کو اپنے قابو میں لانا بڑا مشکل کام ہے۔ اول تو مخالفین کی فوج کی تعداد بڑھ گئی تھی اور دوسرے وہ لوگ تازہ دم تھے، جمال خانی لڑتے لڑتے تھک گئے تھے، مگر آفریں ہے کہ انھوں نے پست ہمتی اور بُزدلی سے کام نہیں لیا، جنگ نہایت زور و شور سے جاری تھی کہ اسی اشارہ میں ایک یر جمال خاں کے آگے، اور وہیں اس کا خاتمہ ہو گیا۔ خداوند خاں جو جمال خاں کا داماد تھا، وہ بھی اسی معرکہ میں کام آیا جب ان دونوں سرداروں کی موت دفعتاً واقع ہو گئی تو لشکر جو محض ان ہی کے بل بوتے پر لڑ رہا تھا بھلا غنیمت کا کیا مقابلہ کر سکتا۔ رہا ان کا بادشاہ اسماعیل سودہ ابھی ایک کسں بچہ تھا، اسی حالت میں میدان کے رنگ کو بدلنے کی قابلیت اس میں کہاں سے آئی، جب فوج اپنے سردار سے محروم ہو جاتی ہے تو اس کو سوائے بھاگنے کے کچھ سوچنا ہی نہیں۔ غرض ان کو مکمل اور فاش شکست ہوئی، اسماعیل کو قیدیوں کی طرح باپ کے سامنے لایا گیا، محبت پدری کو جوش آیا، برہان نے اپنے پچھڑے ہوئے بیٹے کو سینہ سے لپٹا لیا، اور اس کے بعد وہ منصور و کامیاب احمد نگر کے طرف متوجہ ہوا۔ برہان کے حلیف اس سے وہیں رخصت ہوئے، راجہ علی خاں نے تھوڑی دیر تک برہان کا ساتھ دیا اور پھر مع اپنی مال غنیمت کے جس میں دو ہزار گھوڑے اور کئی ہاتھی اور بہت کچھ متفرق مال تھا، خاندیس روانہ ہوا۔

۱۔ فرشتے نے اس دوسری جنگ میں بھی تھوڑا بہت اختلاف کیا ہے جو بسا تین اور تھنہ الملوک کے بیانات سے مختلف ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ جمال خاں دشمن کی فوج سے مقابل ہونے سے پہلے بہت لمبا چوڑا راستہ قطع کر کے آیا تھا، راستہ میں کہیں پانی کا نام و نشان نہ تھا۔ اس کی فوج بہت پیاسی تھی اور لگی سے ہر ایک کا

دلاور خاں کے بچے سے یہ تو بار بار لکھا جا چکا ہے اور خود واقعات کے مطالعہ سے بھی واضح ہو جاتا ہے کہ ابراہیم کی رہائی دلاور خاں اس وقت ملک کے تمام امور سیاسی و انتظامی پر عادی تھا، حتیٰ کہ بادشاہ پر بھی اس کو پورا پورا اختیار تھا، وہ جیسا چاہتا حکومت کرتا تھا، اس نے ابراہیم کو ایک طرف کر رکھا تھا، ہمیشہ اسی کوشش میں لگا رہتا تھا کہ اپنے اختیارات میں مزید وسعت ہو اور کوئی اس کی حکومت میں دخل اندازی نہ کر سکے مختصر یہ کہ اس وقت وہ ریاست بیجا پور کا مطلق العنان حاکم تھا۔ ابراہیم کو یہ پیریں اور دلاور خاں کے یہ افعال ناگوار تھے، وہ جس طرف نظر ڈالتا دلاور خاں کے ہی آدمی نظر آتے تھے، اب وہ جوان ہو گیا تھا اور چاہتا تھا کہ خود حکومت کرے مگر دلاور خاں نے ایسا جملہ دیا تھا کہ کچھ کرتے بن نہ پڑتی تھی، سوائے جشن و آرام کرنے اور رسمی طور پر اجازت نامہ دینے کے اسے کوئی کام ہی نہ رہا تھا، جس طریقہ سے اکبر کے سن بلوغ کو پہنچ جانیکے بعد بھی زمام سلطنت ابراہیم خاں کے ہاتھ میں تھی، تقریباً ہی حال دلاور خاں کا تھا جس طرح اکبر ابراہیم خاں کی سخت نگرانیوں اور عملی قیود سے تنگ آگیا تھا بالکل یہی عالم ابراہیم کا تھا کہ اس کے سر پر چڑھے ہوئے نوکر کی گستاخیوں سے وہ زچ ہو گیا تھا۔ یہ بہت ممکن ہے کہ دلاور خاں اور ابراہیم خاں ٹکراؤ نہ ہوں، وہ اپنے بادشاہ یا ملک کے بدخواہ نہ ہوں، ان کے ارادے اپنے آقا لے ولی نعمت کی موروثی حکومت غصب کر نیکے نہ ہوں، وہ ظالم و سفاک نہ ہوں، مگر وہ اپنی طبیعت سے مجبور تھے، ان کی فطرت میں حکومت کر نیکا شوق تھا، جب ایک مرتبہ انھوں نے حکومت کا مزہ چکھ لیا تھا تو وہ نہیں چاہتے کہ یہ نعمت ان سے

دبقیہ غاشیہ نوگزشتہ) بُرا حال تھا، تریب تھا کہ پیاس سے ہی بہت ہلاک ہو جائیں لیکن بڑی ملکوں کے بعد ان لوگوں کو اتنا پانی مل گیا کہ جانیں بچ گئیں۔ ایک تو فوج ٹھکی مانی تھی، دوسرے تشنگی سے اس کا بُرا حال ہو چکا تھا اور ایک لمبا سفر طے کر چکی تھی، ان حالات میں دشمن سے مقابلہ ہوا، جال خاں کیساتھ دس ہزار مہدوی تھے انھوں نے بہادری سے اپنے سردار کی ماتحتی میں لڑ کر جان دی (فرشتہ)۔
(تن میں جو تفصیل دی گئی ہے وہ تحفۃ الملوک اور بسا تین سے لی گئی ہے)۔

چھین لیجائے، یا یہ کہ وہ اپنی دانست میں یہ سمجھتے ہوں کہ ہنزادوں کی عمریں ابھی ایسی نہیں کہ امور مملکت و معاملات سلطنت کو بالکل ان کے تفویض کر دیا جائے، اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر ان دونوں کے حالات پر نظر ڈالی جائے تو محکمی کی بونٹک بھی ان کے افعال سے نہیں آتی، بلکہ تھوڑی بہت سختی اور سخت گیری نے ان کی اکثر چھائوں پر بھی پردہ ڈال دیا ہے، ورنہ اگر یہ ذرا سی سمجھ سے کام لیتے تو غالباً زیادہ عرصہ تک حکومت ان کے ہاتھ میں رہتی، اور بادشاہ بھی ان سے خوش رہتے، ملک کو ان کی قابلیتوں سے زیادہ عرصہ تک مستفید ہونے کا موقع ملتا، صرف ضرورت اس امر کی تھی کہ وہ بادشاہ کی ذہنیت کا اندازہ کر کے اس کے پورے اختیارات پر بحال کر دیتے اور پھر خود بحیثیت ایک ملازم کے اس سے اپنے اختیارات حاصل کرتے، کیونکہ بادشاہ چاہے وہ کتنا ہی حکومت کا شائق کیوں نہ ہو اسے کسی نہ کسی وزیر یا وکیل کی ضرورت ہوتی ہے جس کے ہاتھ میں تقریباً ملک کے تمام انتظامات ہوتے ہیں اور جو ملک کا سب سے بڑا عہدہ دار ہوتا ہے بہر حال ابراہیم اب دلاور خاں کے ضرورت سے زیادہ حاوی آجلنے سے بیزار سا ہو گیا تھا، اور چاہتا تھا کہ جہاں تک جلد ہو سکے دلاور خاں کو نکال کر رہے، اب اس کا بیٹا صبر لہ نہ ہو چکا تھا وہ محض موقع اور وقت کا منتظر تھا۔

دلاور خاں کے مکمل زوال کے بیان کرنے سے پہلے ان دو ایک باتوں کا ذکر بھی کر دینا چاہیئے جو خصوصیت کے ساتھ اس عرصہ میں بادشاہ کو ناگوار گذریں، چنانچہ تاریخ فرشتہ سے واضح ہے کہ جب فوجیں جمال خاں کے مقابلہ سے ہزیمت خوردہ واپس ہوئیں اور اس کے بعد پھر ایک ہزار فوج برہان کی امداد کے لیے شاہ درگ سے روانہ کر دی گئی تو اس وقت بادشاہ یہ چاہتا تھا کہ کچھ دن اور یہاں قیام کرے، کیونکہ اس کو یہاں کی دلغیب آب و ہوا، خوبصورت اور حسین قدرتی مناظر، میوہ دار اور گھنے درختوں کے سحر کن چھنڈ، صاف و شفاف پانی نہریں اور ندیاں، اونچے نیچے ٹیلے، غیر ہموار لیکن خوبصورت گھاٹیاں اور حسین وادیاں نہایت پسند آگئی تھیں۔ اس سے بحث نہیں کہ اس وقت یہاں ٹھہرنا تو بہت مصلحت تھا یا نہ تھا، لیکن چونکہ بادشاہ کی خواہش تھی اس لیے دلاور خاں کا فرض تھا کہ کم از کم وہ اس کی خوشنودی کے لیے شاہی حکم کی تعمیل کرتا، دلاور خاں کو تو صرف یہ فکر تھی کہ

جلد سے جلد یہاں سے کوچ کر دے۔ لہذا دوسرے ہی روز بادشاہ کی مرضی کے بالکل خلاف اس نے کوچ کا حکم دیدیا۔ (دوسرے جمال خاں سے جو جنگ ہوئی اس میں بادشاہ کی یہ مرضی تھی کہ فی الحال جمال خاں پر حملہ نہ کیا جائے، اور اس نے دلاور خاں کو خصوصیت کے ساتھ کہلا بھیجا کہ آج جنگ موقوف رکھی جائے، مگر بادشاہ کے صریح احکام کے خلاف اس نے جمال خاں سے جنگ چھیڑ دی اور شکست کھائی، شکست اور عدد دل خمی ابراہیم کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹک رہی تھی۔ نیز بلبل خاں کے قتل کا واقعہ بھی اسے سخت ناگوار گذرا تھا۔ ان تینوں واقعات کو اس کے زوال کے فوری اسباب سمجھا جاسکتا ہے، بہر حال ابراہیم اب دلاور خاں سے متنفر ہو گیا تھا، اور چاہتا تھا کہ کسی طرح بھی اس کے بچنے سے چھٹکارا لے۔

ابراہیم نے اپنی نجات کے توڑ جوڑیوں شروع کئے کہ عین اسلک کنعانی آنکس خاں اور علی خاں (جن میں ہر ایک ذی مرتبت اور پایہ کا امیر تھا) کے پاس اپنے ایک دو آدمی روانہ کر کے ان سے اس معاملہ میں گفت و شنید کی، بادشاہ نے جن لوگوں کو ان کے یہاں بھیجنے کے لیے منتخب کیا تھا، وہ دو ہندو ادنیٰ درجہ کے ملازمین تھے، جن پر یہ گمان بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ وہ بادشاہ کے اتنے بڑے معاملہ میں رازدار ہوں گے۔ اسی بنا پر ابراہیم نے اتنی ہشیاری سے اس کام کے لیے ان لوگوں کو منتخب کیا کہ سوائے ان کے جتنے با اثر اور اس کے اپنے مقرب تھے، وہ سب دلاور خاں کے حکم میں تھے۔ بادشاہ ان لوگوں پر اعتماد نہیں کر سکتا تھا اس کا رد وانی میں ابراہیم کی والدہ بھی شریک تھی، ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ دلاور خاں کے غرور و تکبر اور طاقت و اقتدار کے باعث عین اسلک اور آنکس خاں اس سے نفرت کرتے تھے، اور دل سے چاہتے تھے کہ بادشاہ اس کے بچنے سے چھٹکارا لے، ابراہیم اور اس کی والدہ کو بھی معلوم تھا کہ دلاور خاں سے ان امیروں کو کتنی نفرت ہے جس کا کافی ثبوت گذشتہ جنگ ہی میں مل گیا تھا، اسی وجہ سے ابراہیم نے بالخصوص ان سے گفت و شنید شروع کی، جب یہ دونوں ہندو بادشاہ کا یہ پیغام لیکر گئے کہ وہ دلاور خاں کی سخت گیر یوں سے تنگ آکر ان کی امان میں آنا چاہتا ہے اور ان سے توقع رکھتا ہے کہ وہ اس کی مدد کریں گے اور دلاور خاں سے نجات دلائیں گے (بالخصوص

اس وجہ سے کمان کے آبا و اجداد میں شاہی خاندان کے واسطے کیا کیا خوفشانیاں اور جاں نثاریاں کی ہیں اور کس قدر خوشگوار تعلقات رہے ہیں، عین الملک اور آنکس خاں نے جب یہ خبر سنی تو خوشی سے پھولے نہیں سماتے لگے، اس کے معنی یہ تھے کہ آئندہ دلاور خاں ذلیل و خوار ہوگا اور حکومت میں ان کا اپنا بول بالا رہے گا۔ غرض انھوں نے بادشاہ سے وعدہ کر لیا کہ وہ ہر طریقہ سے اس کی مدد کے لیے تیار ہیں اور تندرید بتائی کہ ابراہیم مع اپنے چند ساتھیوں اور رازداروں کے ٹھیک آدمی رات کو جب تمام لشکر فاضل پڑا سوتا رہے گھوڑے پر سوار ہو کر شاہی کیمپ سے نکلے اور عین الملک اور آنکس خاں کے کیمپ میں آجائے، جو شاہی کیمپ سے قریب ایک آدھ کوس کے فاصلہ پر ڈالا گیا تھا، بادشاہ کو یہ تدبیر پسند آئی اور اس نے کسی کو اس کی خبر نہ کی، جب رات ہو گئی تو دلاور خاں جس کا ڈیرہ شاہی ڈیرہ کے بالکل قریب تھا، بادشاہ کو اپنی خواب گاہ میں پہنچا کر خود اپنے ڈیرہ میں شب بسر کرنے کے لیے آگیا بیان کیا جاتا ہے کہ دلاور خاں اسی رات اپنی بد قسمتی سے ایک حسین و جمیل کے دھال کے مزے لوٹ رہا تھا، جس پر وہ ایک زمانے سے عاشق تھا، اس لیے اس نے حکم دے رکھا تھا کہ کسی صورت میں بھی آج رات کوئی اس کے آرام میں خلل انداز نہ ہو یہ واقعہ من گھڑت یا صحیح، ابراہیم کے لیے تو اچھا ہی ہوا کہ وہ باآسانی دلاور خاں کی قید سے چھوٹ گیا۔ غرض جب آدمی رات ہو گئی تو ابراہیم خاموشی کے ساتھ اپنے ڈیرہ سے نکلا اور ایک جاں نثار ملازم سے (جو شاہی غلام تھا اور جس کا نام لغشدار خاں تھا) کہا کہ ایک گھوڑا حاضر کرے، یہ شخص سید شاہی مہطل گیا، اور جلو دار شاہی سے ایک گھوڑا شاہی سواری کے لیے ہانہ کر کے کو کہا جلو دار نے کچھ پس پیش کیا اور پھر دلاور خاں کے حکم کے بغیر گھوڑا دینے سے قطعاً انکار کر دیا، جب اس وفادار ملازم نے دیکھا کہ اس کو رنگ کی شرارت سے سارا بنا بنایا کام بگڑ جاتا ہے تو غصہ سے بیتاب ہو کر وہیں اس کے ایک ایسا زبردست تھپڑ رسید کیا کہ وہ چکر اکر گر پڑا اور بیہوش ہو گیا۔ دوسرے جلو دار نے جب یہ رنگ دیکھا تو فوراً حکم کی تعمیل کی گھوڑا حاضر کیا گیا اور بادشاہ چپ چاپ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ نکل گیا، الیاس خاں راستہ میں ملا اور اس بے وقت روانگی کے متعلق کچھ استفسار کیا، ابراہیم نے کہا کہ یہ وقت باتوں میں گنوا نیکا نہیں بلکہ ہر لمحہ قیمتی ہے اگر تو چاہتا ہے تو ہمارے ساتھ ہولے۔ بادشاہ کا اشارہ

پاتے ہی یہ بھی مع ایک سوسا تھیوں کے ہمراہ ہو گیا تھوڑے ہی عرصے میں بادشاہ کی سواری میں اسلک اور
 آنکس خاں کے کیمپ میں پہنچ گئی۔ یہ لوگ تو چشم براہ بیٹھے ہوئے تھے، جب بادشاہ آن پہنچا تو انکی جان میں
 جان آگئی، فی الحال بادشاہ کے آرام کا انتظام کر دیا اور خود دلا درخاں کے مقابلہ کیلئے تیاریاں
 کرنے لگے۔ بادشاہ کی فراری کی خبر پھیلنے پھیلنے پھیل گئی، جو وفادار تھے اس کے جھنڈے کے نیچے جوق جوق
 آکر جمع ہو گئے، جن میں رفیع الدین شیرازی اور قاسم فرشتہ (موضنین) بھی تھے۔ اس طرح تھوڑے ہی
 عرصہ میں تین ہزار سپاہیوں کی ایک اچھی فوج تیار ہو گئی، اور چند ہاتھیوں کی ایک قطار سامنے لگا دی
 گئی کہ اگر دلا درخاں ہمت کر کے لڑنے کے لیے آئے تو اسے ہاتھیوں سے کچلوا دیں۔ اور یہ تیاریاں
 ہو رہی تھیں اور ادھر دلا درخاں اپنی معشوقہ دلنواز کے وصال سے لطف اندوز ہو رہا تھا، خدا
 کر کے جب صبح ہوئی تو وہ آنکھیں ملتے ہوئے اٹھا منہ ہاتھ صاف کر کے غسل خانہ سے بادشاہ کے سلام
 کی غرض سے باہر نکلا تو دیکھا کہ شاہی کیمپ کی دنیا ہی بدل گئی ہے، ہر طرف ایک بے مینی اور اضطراب
 کی کیفیت ہے۔ جسے دیکھ کر گوشیاں کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ دلا درخاں یہ حال دیکھ کر ٹاٹ گیا کہ معاملات
 کچھ ٹھیک نہیں، دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ وہ سونے کی چڑیا جسے قفس میں بند رکھ کر خود حکومت کے
 مزے لوٹ رہا تھا، گزشتہ شب ڈراسی غفلت کے باعث ہاتھ سے نکل گئی، دلا درخاں ہاتھ ملتا رہ گیا، عمر بھر
 وہ ہمیشہ مسعد، تیار اور ہشیار رہا، مگر شومی قسمت سے آج ہی اسے غافل ہونا تھا، یہ بھی زمانے کی ستم ظریفی
 ہے، وقت ہاتھ سے نکل گیا تھا، اب وہ کبھی کیا سکتا تھا، اور سمجھ گیا ہو گا کہ اب جو کچھ کارروائی کی جائے گی وہ
 بعد از وقت ہوگی، مگر انسان کو ہمت نہیں ہارنی چاہیئے اور آخر وقت تک کوشش کرنی چاہیئے، دلا درخاں
 ایسی ہی متعل طبیعت رکھنے والا آدمی تھا، وہ جانتا تھا کہ اس کی ترقی کا آفتاب رو بہ زوال ہے اور غروب
 ہوا ہی چاہتا ہے، چلو ایک آخری کوشش اور یہی کہیں بعد کو یہ غلش نہ رہ جائے کہ کاش یوں کیا ہوتا تو کام بن جاتا
 تدبیر اور ہمت تو اس کے غلام تھے ہی اب ان دونوں سے وہ کام لینا چاہتا تھا، گو بادشاہ کو پھر سے اپنے
 قبضہ میں لانا دلا درخاں کے بس کی بات نہ تھی، اس نے خیال کیا کہ اب جو کچھ کوشش وہ کرے گا محض اسکی
 اپنی قسمت آزمائی ہوگی، اگر اپنی کھوئی ہوئی عظمت کے رعب و داب سے جو لوگوں کے دلوں پر ہرانت

چھایا ہوا تھا کام کل جائے تو ٹھیک ہے، اور نہ نکلے تو دہی ہو گا جو ہونا ہے۔ غرض خدا کا نام لیکر وہ اپنی
 فوج کے ساتھ نہایت شان و شوکت سے عین الملکی کیمپ کی طرف بڑھا اور اپنے ساتھ اپنے بیٹوں کو بھی
 لے لیا، جب بادشاہ کا کیمپ بالکل تھوڑے سے فاصلہ پر رہ گیا، یعنی ایک تیر کے فاصلہ پر، تو اپنی بیشتر فوج
 وہاں چھوڑ دی اور صرف پانچ سو سواروں اور چند ہاتھیوں کے ساتھ سیدھے کیمپ کی راہ لی۔ جب
 بادشاہ کو معلوم ہوا کہ دلاور خاں اس پر جبر کرنے کے لیے آ رہا ہے تو عین الملک کو دلاور خاں کے روکنے
 کے لیے مقرر کیا عین الملک اور آنکس خاں نے وعدہ کرتے وقت تو بڑی کشادہ دلی سے کام لیا تھا،
 لیکن جب کام کا وقت آ پڑا تو ان کا بھرم کھل گیا، وہ دلاور خاں کے دشمن تھے، نفرت کرتے تھے مگر
 اس کی عظمت و شوکت کے آگے ان کی روح پر داز کر جاتی تھی، ان کی ہمت نہ بڑی کہ اس کا مقابلہ
 کریں، اس وقت عین الملک نے اسی بزدلی کا ثبوت دیا ہے کہ شاید ہی کسی نے دیا ہو، جب دلاور خاں
 قریب پہنچا تو بجائے اس کی مدافعت کے اسے کہلا بھیجا کہ بادشاہ بے بلائے آپ ہی آپ ہمارے کیمپ میں
 چلے آئے ہیں، چونکہ شاہی سواری کو روکنا خلاف آداب ہے اس لیے ہم نے ان کو ٹھیرا لیا ہے، آپ
 آکر بخوشی بادشاہ سلامت کو لیجا سکتے ہیں دلاور خاں نے جب یہ سنا تو سمجھا کہ کام نکل گیا، ابراہیم کو جن پر
 ناز تھا وہی ایسے نکلے، مدعی سست اور گواہ چست کا مضمون تھا، اس لیے دلاور خاں اپنی پیشانی پر بل
 ڈال کر اور غضب آلود ہو کر بادشاہ کے حضور میں پہنچا، سامنے جو ہاتھیوں کی قطار تھی وہ بھی ہٹا دی گئی اور
 کسی نے روکا تو کاٹک نہیں۔ وہ تیزی کے ساتھ بڑھتا ہوا بادشاہ تک پہنچ گیا اور نہایت درشت اور
 تحکم نہ لہجہ میں گویا ہوا کہ ”آدمی مات کیوں یکا یک تبدیل مقام کرنا سخت نامناسب تھا، اب حضور کو
 چاہیے کہ اپنے اصلی کیمپ کو میرے ہمراہ چلیں۔“ بادشاہ نے جو اس کے طور دیکھے تو آگ ہو گیا، آج وہ دن
 تھا کہ اس کا نوکر اس سے تحکم نہ لہجے میں گفتگو کر رہا تھا، بلکہ حکم دے رہا تھا، ابراہیم نہایت سنجیدہ مزاج تھا،
 غصہ کو پی گیا اور اپنی حقیقی شان و شوکت کا لمبا ناکھکھ بجائے دلاور خاں کے اس جملہ کا جواب دینے کے
 صرت اتنا کہا کہ کوئی نہیں جو اس نیکو نام کی گستاخیوں کا بدلہ لے، اور مجھے اس سے نجات دلائے، ان کی زبان سے
 اتنا نکلنا تھا کہ ایک جہاں نثار غلام جس کا نام ادب خاں تھا، برق کی مانند کوندا، اور دوسرے ہی لمحے

دلاور خاں پر تھا، ایک ایسا زبردست تلوار کا دار کیا کہ اگر دلاور خاں ذرہ سی غفلت کرتا اور اس دار کو خالی دینے کی کوشش نہ کرتا تو وہیں ڈھیر تھا لیکن دلاور خاں بھی بہادر مستعد اور کئی معرکہ مارا ہوا آدمی تھا، اسی لیے تو اتنا دل بھی کیا تھا، وہ ان تمام پیش آنیوالے واقعات کو سمجھتا تھا اور سمجھ کر ہی اپنے آپ کو موت کے منہ میں ڈالاتا تھا، اس نے بڑی بھرتی سے پیچھے ہٹنے کی کوشش کی لیکن وہ پوری طرح بچ نہ سکا، اس کے تلوار لگی پراچٹنی ہوئی، اس کے گھوڑے سے نیچے گرتے ہی قریب تھا کہ کام تمام ہو جائے مگر بعض دلاور خاں کے ہمدرد بھی وہاں موجود تھے، چنانچہ ایک فیلبان نے اپنا ہاتھ درمیان کر دیا اتنی مہلت ملنی تھی کہ دلاور خاں اٹھا اور اپنے داماد کے پیش کئے ہوئے گھوڑے پر سوار ہو کر سرپٹ بھاگا، یوں اس کی جان تو بچ گئی مگر اس کی شوکت و عظمت کا آفتاب اب ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا، اس کا بھاگنا تھا کہ اُس کے بیٹے محمد خاں اور حیرت خاں بھی اس کے ساتھ ہو لیے، شاہی فوج نے اس کا قاتل مناسب نہ سمجھا، جب اس کی فوج نے اپنے افسر کی یہ حالت دیکھی تو خود پریشان و منتشر ہو گئی اور بادشاہ کو اس ”مطلق“ سے ہمیشہ کے لیے نجات مل گئی۔ جس وقت دلاور خاں وہاں سے بھاگا اسی وقت سید البرہم ناولشا ثانی، حقیقی معنی میں بادشاہ بیجا پور کی حیثیت سے حکومت کرنے لگا، اب تک وہ متولیان ریاست کے ہاتھ میں گویا ایک بے جان مورت تھا کہ جس طرف چاہو موڑ لو۔ سید البرہم اور دلاور خاں کا یہ سین بالکل اس سین کے مماثل ہے جو کسی زلزلے میں انگلستان کے ایک بادشاہ اور ایک سرکش امیر کلیسا کے درمیان واقع ہوا تھا۔ ہنری بھی سیکٹ کی سرکشیوں اور نافرمانیوں سے بیزار ہو گیا تھا، بالآخر بادشاہ اور اس امیر کلیسا کی کشمکشوں کا خاتمہ ہوا کہ ایک وقت بادشاہ اس کی نافرمانیوں اور شرارتوں سے بہ تنگ آکر بچار اٹھا کہ ”کیا کوئی نہیں جو مجھے اس غدار کی غداریوں سے نجات دلائے“ بادشاہ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ ایک جاں نثار نے ادب خاں کی طرح اپنی وفاداری کا ثبوت دیا، فرق صرف اتنا ہے کہ یہاں دلاور خاں اپنی جان بچا کر بھاگ گیا تھا اور وہاں سیکٹ کٹ کر ڈھیر ہو گیا۔

دلاور خاں نے سید سے بید پیچ کر پناہ لی مگر یہاں ٹھیرنا بھی بے سود سمجھ کر اس نے پھر احمد نگر کا رخ کیا، جہاں اس وقت بہان تخت نشین ہو چکا تھا، یہاں پہنچے ہی اس نے دربار میں رسائی

حاصل کرنی اور تھوڑے ہی دنوں میں برہان کی ناک کا بال بنگلیا یہاں رہ کر اس نے ان دور یا ستوں کے درمیان لڑائیوں اور فتنہ و فساد پر پائے جن کی تفصیل آگے آئیگی دلاور خاں اپنے دو بیٹوں محمد خاں اور حیرت خاں سمیت بھاگ نکلا مگر اس کا ایک لڑکا کمال خاں جو داراسنگ کی طرف فرار ہوا تھا بہت جلد پکڑا گیا اور شاہی سپاہیوں کے ہاتھ اس کا خاتمہ ہوا۔

دور و کالت پر اک عام نظر [دلاور خاں کے بھاگ جانیکے بعد "عبدالبرہیم" کا چونکہ ایک نیا دور شروع ہوتا ہے جبکہ خود ابراہیم بنفس نفیس مہمات و انتظامات ملکی میں مشغول ہو جاتا ہے اور چونکہ یہیں اس طویل زمانے کا اختتام ہوتا ہے جسے "عبدالرحیم" اگر کہا جائے تو مناسب ہے، ابوالبرہیم کی تخت نشینی یا علی عادل شاہ کی موت سے لیکر اب تک جاری تھا، علی عادل شاہ کی موت تقریباً ۱۱۹۷ھ میں ہوئی اور دلاور خاں کی فزاری ۱۱۹۷ھ کا واقعہ ہے، اس طریقے سے تقریباً دس سال کا طویل زمانہ گزر چکا ہے، یہ یاد ہو گا کہ بادشاہ تخت نشینی کے وقت نو سال کچھ مہینے یا قریب قریب دس سال کا تھا، تخت نشینی کے بعد سے اب تک دس سال گزر چکے ہیں تو گویا اس طرح اس کی عمر اس وقت تقریباً بیس سال کی تھی تخت نشینی کے بعد سے یہ دس برس تو ایسے گزرے ہیں جس میں بادشاہ محض معطل رہا، اور یکے بعد دیگرے متولیان سلطنت غالب آتے رہے اور اپنی اپنی قابلیت و لیاقت کے اعتبار سے اچھا یا برا انتظام مملکت انجام دیتے رہے، اس طویل زمانے کی تاریخ گذشتہ صفحات میں پیش کر دی گئی ہے، حقیقت میں یہ زمانہ بادشاہ کی کسی نہ کسی وجہ سے بیجا پور کے لیے ایک بڑا آشوب زمانہ تھا، ایک طعن بادشاہ کم عمر تھا تو دوسری طرف کوئی نیک حلال، وفادار اور سچا خادم ملک نہ ملنے کی وجہ سے ملک میں ایک عام خرابیوں کا سلسلہ پیدا ہو گیا تھا جس میں کچھ وقفہ سے کمی اور زیادتی ہوتی رہی، چونکہ امراء نے ملک ایک طاقتور عنصر سلطنت تھے اور جب کوئی ان کو اپنے قابو میں رکھنے والا نہ رہا تو انھوں نے ملک میں ایک شور مچا دیا اور ہر ایک کو زیادہ تر یہی فکر تھی کہ اپنا ذاتی فائدہ ہو، ملک کے بڑے بڑے عہدے اپنے اور اپنے عزیزو اقارب اور مہنواؤں کے ہاتھوں میں رہیں اور دوسرے اپنے رقیب حکومت کے دائرے سے خارج ہو جائیں کسی کو بھولے سے بھی یہ خیال نہ آتا تھا کہ اسٹیٹ ایک پبلک ٹرسٹ ہے، اس کا انتظام ہونا چاہیے کہ

ریاست بھی قائم رہے اور ملک کے امن و امان میں بھی خلل نہ پڑے اگر اتنا احساس بھی اس وقت کسی امیر کو ہوتا تو یہ خانہ جنگیاں ہی برپا نہ ہوتیں، اخلاص خاں اور دلاور خاں کی کشمکش میں جو گولہ باری ہوئی تھی اس میں کئی معصوم جانیں تلف ہو گئیں، جو متولی سلطنت مقرر ہوتا وہ پہلے چاند بنی بنی کے اختیارات سلب کرنے کی کوشش کرتا، کیونکہ اس کی موجودگی اس کی اپنی من مانی حکومت میں روڑے اٹھاتی تھی، کورنگی اور باہمی مخالفتوں کا یہ عالم تھا کہ یہ چیزیں ملک اور وطن فروشی کی حد تک پہنچ چکی تھیں چنانچہ اخلاص خاں کے زمانے میں قطب شاہی اور احمد نگری حملے کے وقت جبکہ بیجا پور کا محاصرہ ہو چکا تھا بجائے اس کے کہ متحدہ و متفقہ طور پر ان غیر ملکی دشمنوں کو مار کالے صرف اخلاص خاں سے مخالفت کی بنا پر بیض اُمرائے سلطنت انھیں سے مل چکے تھے بد نظمی کی یہ حالت کہ جس کا موقع ملتا وہ اپنے حریف کو گرفتار کر لیتا، قید کر دیتا اور خود اس کی جگہ پر مامور ہو جاتا جب بڑے بڑے امراء کا یہ حال ہوا اور جب انکی کشمکش کی یہ کیفیت ہو تو اندازہ ہو سکتا ہے کہ ملک کا اندرونی انتظام کس قدر درہم برہم ہو رہا ہوگا، کوئی کسی کا پرسان حال نہ تھا حتیٰ کہ جن کے سپرد انتظام مملکت اور امن و امان قائم کرنا تھا، جن کے ذمے عدل و انصاف کا پھیلانا، اہل ملک کو جابروں اور ظالموں کے دست ستم سے محفوظ رکھنا تھا وہی اپنے ذاتی اغراض کے لیے ملک میں غارتگری اور لوٹ مار کی دھوم مچا دینے سے پیچھے نہ ہٹتے تھے، اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ملکی ہمدردی اور سچی وفاداری کا جذبہ کہاں تک ان امیران وطن فردش کے سینوں میں اس وقت موجزن تھا، غرض امن عامہ کا کوئی صحیح طور پر فرمان اور محافظ نہ تھا۔ بادشاہ کے ساتھ ان امیروں کی وفاداری کا یہ عالم تھا کہ کئی مرتبہ یہ تحریکیں انھیں اُمراد کے جلسوں میں پیش ہوئیں کہ بادشاہ کو معزول کر دیا جائے، قید کر دیا جائے اور دوسرے کو تخت پر بٹھا دیا جائے، یہ اس وجہ سے نہیں کہ بادشاہ نا اہل ہے، نا لائق ہے، بیوقوف ہے اور عیش پسند ہے، بلکہ صرف اس لیے کہ ایک اچھے قابل اور ہونہار لڑکے کو بادشاہ بنا کر یہ زیادہ عرصہ تک اندھیر نگری نہیں چلا سکتے تھے، اور اگر اس کی جگہ کسی نا اہل کو تخت نشین کر دیں تو پھر دل کھول کر اپنی دراز دستیوں سے کام لے سکیں گے۔ اس کے علاوہ چونکہ اس وقت اُمراد کا ایک فریق

بادشاہ کی طرف داری کر رہا تھا اس لیے فقط اس کو کمزور کرنے کے لیے یہ اپنا ایک نیا دعویدار پیش کرنے سے نہیں جھکتے تھے، یہ تدبیریں محض اس واسطے عملی صورت اختیار نہ کر سکیں کہ دوسروں نے اس بنا پر مخالفت کی کہ اگر کسی اور کو بادشاہ بنا دیا جائے تو بادشاہ بنانیوالا فریق زیادہ طاقتور ہو جائے گا۔ غرض ملک میں اس طویل زمانے میں برابر کشمکش جاری رہی، کبھی علی الاعلان، کبھی اندرونی سازشوں کے ذریعہ، کبھی ریشہ دوانیوں اور دیگر طریقوں سے، بہر حال جب تک ابراہیم کے ہاتھ میں حکومت نہیں آئی اس وقت تک خود اس کو بھی یقین نہ ہوگا کہ کسی روز وہ بھی اپنے باپ دادا کی طرح بادشاہ کہلائے گا، اور ان ظالموں کے پنجہ سے صحیح و سلامت بچ کر نکل جائے گا، مگر چونکہ وہ ایک اقبال مند بادشاہ تھا اور ساتھ ہی صاحب تدبیر بھی، اس لیے ان سازشوں کی اس کے آگے کچھ پیش نہ گئی اور وہی کامیاب نکلا۔

دلاور خاں کا کیرکڑ | دلاور خاں کے عروج، ترقی اور زوال کا اس قدر مطالعہ کیا جا چکا ہے جس سے بآسانی اس کے کیرکڑ کا انداز کیا جاسکتا ہے۔ دلاور خاں سب سے پہلے تو ایک حبشی تھا اور ان تین میں کا ایک تھا جو کچھ عرصہ تک بجا پور میں "اتحاد ثلاثہ حبشیان" قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے اسی کے بعد اس کی ترقی شروع ہوتی ہے، وہ اپنی فطری فراست، دانائی، چال بازی اور بہادری کے باعث ان دونوں پر غالب آکر آخر کار تنہا مختار السلطنت بن بیٹھتا ہے۔ دلاور خاں چونکہ حبشی تھا اس لیے اس کی فطرت میں بہادری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی عموماً حبشی اچھے جنرل اور عمدہ سپاہی ہوتے ہیں، انھیں کی طرح وہ موت سے بالکل خائف نہ تھا، اس کے لیے اپنی ترقی و عروج کی خاطر جان پر کھیل جانا معمولی بات تھی، مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ بیوقوفوں کی طرح اپنی زندگی کی کوئی قدر نہ کرتا ہو، اور اس میں وہ بہادری نہ تھی جس کو "بیوقوفانہ بہادری" کہتے ہیں، بلکہ وہ ایک حقیقی بہادر جنرل کی طرح بعض اوقات اپنی جان کو خطرے میں ڈالنے سے بھیچے نہ ہٹتا تھا۔ غرض دلاور خاں کی بہادری میں کچھ کلام نہیں اس کا خروقت بادشاہ کے سامنے سے بھاگ جانا بزدلی اور حماقت نہیں بلکہ ایک دانشمندانہ فعل تھا، ایسے موقع پر جبکہ بادشاہ کا بالہ قطعی طور پر بھاری ہو چکا تھا اور اس کے ارد گرد اسی کے حامی و ہمنوا تھے، دلاور خاں کا ٹھیرنا خلاف مصلحت تھا اگر وہ اس وقت ٹھیرتا اور بیوقوفانہ بہادری دکھانے کی کوشش کرتا تو سوائے

مارے جانیکے اور کیا ہو سکتا تھا، اس کا محاسبہ اس کے بھاگ جانے کو ہم بُردلی سے تعبیر نہیں کر سکتے، بلکہ یہ چیز اس کے تدبیر مستعدی اور حاضر دماغی پر دال ہے۔ ایسے موقعوں پر جبکہ دوسروں کے حواس باختہ ہو جاتے ہیں وہ نہایت اطمینان اور سنجیدگی سے کام کرتا تھا، ہمت اور استقلال اس میں بہت کافی تھا، وہ جس بات کے پیچھے پڑتا اسے پورا ہی کر کے چھوڑتا تھا، اور آخر وقت تک برابر کوشش کئے جاتا تھا اور بڑی مشقت سے اپنی ہار ماننے کے لیے تیار ہوتا، اس کی خصوصیت اس کو ہمیشہ دوسروں کے مقابل میں کامیاب بنادیتی تھی، جہاں دوسرے لوگوں کو ناامیدی اور یاس گھیر لیتی ہے وہاں دلاور خاں اور بھی جری و بہادر ہو جاتا تھا، اگر احمد نگری فوج کے مقابل میں وہ ذرا بھی مایوس ہو کر عدم مستعدی سے کام لیتا اور اپنی حاضر دماغی کھو دیتا تو جل خاں وہیں اس کا کام تمام کر دیتا، مگر ایسے نازک وقت میں وہ اپنے حواس کو قابو میں رکھ کر برقی کی مانند بادشاہ کو لے اڑا کر آئی ہوئی بلا ٹل گئی، یہی خصوصیات تھیں جو اسے بادشاہ کے سامنے سے صحیح و سلامت لے گئیں، ورنہ اس کے مارے جانے میں کوئی بات باقی نہ رہی تھی۔

اس کا تدبیر اتنا بڑھ گیا تھا کہ ایک سازشی اور غدار کی سفایکوں تک پہنچ گیا تھا، گو اندرونی سازشوں سے ایسا کام لینا غالباً ایک مذموم فعل ہے مگر میکا دلی کا اس باب میں فتویٰ ہے کہ ایک سیاست کے لیے ہر بات روا اور ہر چیز جائز ہے۔ اس کی اس خصوصیت کی مثال اس سے ملتی ہے کہ اس نے اخلاص خاں اور حمید خاں کو اشتعال دیکر لڑا دیا اور خود تماشا دیکھنے لگا، ادھر یہ آپس میں لڑ کر کمزور ہو رہے تھے اور ادھر وہ اپنے کو طاقتور کئے جا رہا تھا، اپنی انھی شا طرانہ چالوں سے اس نے ترقی کی۔ غرض اسی کا تدبیر ایک حد تک مبتذل طریقہ کا تھا، اور اپنے مقصد کے حصول کے لیے وہ مذموم سے مذموم طریقہ اختیار کرنے سے پیچھے نہ ہٹتا تھا (چوروں والا واقعہ اس کی کافی دلیل ہے) انتقام کا مادہ بھی اس میں ضرورت سے زیادہ تھا، بلبل خاں کو اندھا کرنا، اپنے ساتھیوں اخلاص خاں اور حمید خاں سے اس کا سلوک، اور برابر ہم سے بدلہ لینے کے لیے برہان کو ترغیب دے کر بیجا پور پر چڑھا لانا، سب اس کی مثالیں ہیں، فریب کاری اس کا ایک ادنیٰ کرشمہ تھا چنانچہ بلبل خاں کو اس نے دھوکہ ہی سے اندھا کیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس میں بعض ایسی خوبیاں بھی تھیں جو حقیقت میں قابلِ تعریف ہیں و مفود

ایک اچھا خاصہ عالم و فاضل آدمی تھا اس نے اپنی اولاد کو بڑی اچھی تعلیم دلائی تھی چنانچہ اس کا ایک لڑکا اپنے زمانے کے قابل ترین اشخاص میں شمار ہوتا تھا جس کو بادشاہ کے استاد ہونے کا شرف بھی حاصل تھا، دلاور خاں اکثر علماء و فضلاء کی صحبت کو پسند کرتا تھا اور بیشتر علماء اور قابل لوگوں کی اس نے قدر و منزلت کی، گجرات اور دیگر علاقوں سے اکثر قابل لوگوں کو اس نے جمع کر لیا، بیجا پور میں اس کے زمانے میں علمی سرپرستی کافی ہوئی ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ علم نواز اور ایک روشن طبیعت رکھنے والا انسان تھا انتظام مملکت میں بھی وہ کچھ بُرا نہ تھا گو اپنی حوصلہ مندی سے اس نے پوری حکومت اپنے قبضہ میں کر رکھی تھی، مگر گتے ہاتھوں ملک کا ایسا ٹھیک انتظام کیا تھا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں سب امن و امان سے زندگی بسر کرنے لگ گئے تھے اخلاص خاں کے دور میں یہ چیز ناپید تھی، اور ملک میں چاروں طرف ہنگامے برپا نظر آتے تھے اس کی کاروائی، بہادری اور جرنیلانہ قابلیتوں کی وجہ سے ملک کو بہت جلد ہمسایہ دشمنوں سے نجات مل گئی، اس نے احمد نگر کو ایسی موثری امداد دی کہ اس ریاست کو اپنا مسمون بنا لیا، اس نے ملک کی فوجی طاقت میں اضافہ کر دیا، اس وقت بیجا پور پر حملہ کرنا تو بڑی بات تھی خود دوسری ریاستیں بیجا پور کی امداد کی طلبگار بنتی تھیں، مالا بالا راور کرناٹک کے علاقوں پر نہیں بھیجکر وہاں کا انتظام ٹھیک کر دیا، اور یہ وہ کام تھا جس کی طرف اگلے متولیان ریاست نے توجہ تک نہ کی تھی، اور مصطفیٰ خاں کے مرنیکے بعد خراج آنا موتوں ہو چکا تھا اسی کے عہد میں ابراہیم اور اس کی بہن کی شادیاں ہوئیں جس کی بدولت قطب شاہی علاقہ سے مکمل مسلح ہو گئی لیکن گوناگوں وجوہات کی بناء پر احمد نگر سے لڑنا پڑا جس میں بیشتر بیجا پور کو فتح حاصل ہوئی اس کے دور میں سب سے پہلے مغلوں سے تعلقات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے کیونکہ دلاور خاں ہی کے نام اکبر کا فرمان آیا تھا کہ برہان کی مدد کی جائے۔ یہ فرمان خود دلاور خاں کی مرضی سے آیا تھا، اس کا مقصد ہمیشہ یہ رہتا تھا کہ دوسری ریاستوں سے خوشگوار تعلقات پیدا کر کے اپنے حالات درست کر لے، اور اپنی ریاست کو اس دھنگ پر رکھے کہ دوسرے اس سے خائف رہیں، مجموعی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ دلاور خاں اپنی خارجہ پالیسی میں ہنایت کامیاب رہا اور اندرونی انتظام بھی تحفۃ الملوک۔

اس کا ٹھیک رہا، مگر اس کی یہ سلسل کوشش کہ براہیم کو عضو مطلق بنا کر خود کار و بار سلطنت چلائے اس کی پیشانی پر کلنگ کا ٹیکہ ہے۔ تذکرۃ الملوک سے واضح ہے کہ اس نے یہاں تک کوشش کی کہ بادشاہ کو معزول کر دے، مگر جب یہ تدبیر الٹی پڑی تو قسمیں کھا کر اس نے اپنے آپ کو بے قصور ثابت کیا۔

غرض دلاور خاں اپنی مختلف خصوصیات کے اعتبار سے انتظام مملکت کے لیے غیر موزوں آدمی نہ تھا، بالکل بیرم خاں کی طرح وہ دشمنوں کا سرکینا ملک کا انتظام کرنا اور امن و امان پیدا کرنا خوب جانتا تھا مگر بسا تھ ہی ضرورت سے زیادہ بیرم خاں کی طرح حوصلہ مند اور حکومت کا خواہاں بھی تھا، اسی مناسبت نے دونوں کو اس پر مجبور کیا کہ اپنے اپنے بادشاہوں کو عضو مطلق بنا رکھیں اور اس کا نتیجہ دونوں کے حق میں برہوا کہ دونوں باغی سمجھے جا کر ملک سے کھالے گئے۔ بیرم خاں کی طرح یہ بھی بہت سخت گیر اور تند مزاج تھا، ماتحتین سے نہایت سختی کے ساتھ اپنے حکم کی تعمیل چاہتا تھا، غرض یہ عجیب بات ہے کہ دلاور خاں اور بیرم خاں میں جو قریب قریب ایک ہی زمانے میں ہوئے ہیں اور دو ہم عصر بادشاہوں کے ریحٹ رہ چکے ہیں، چند خاص فطری مناسبتیں پائی جاتی ہیں اور بعض جگہ تو دونوں کے حالات اور افعال و اعمال میں بھی یکسانی پائی جاتی ہے، جس طرح بیرم خاں اپنی ریحٹ کے زمانے تک آمر مطلق رہا، اسی طرح دلاور خاں بھی حکمرانی کے مزے لوٹتا رہا، آخر میں دلاور خاں کی ساری کمزوریوں کا لحاظ رکھتے ہوئے بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ بلا شک و شبہ اپنے زمانے کی بڑی شخصیتوں میں شمار ہونے کے قابل ہے، اس کی ترقی ذاتی قابلیت کی بدولت ہوئی، اگر دلاور خاں میں خصوصاً وہ کمزوری نہ ہوتی دینی بادشاہ کو عضو مطلق کر دینے کی خواہش جس کے معنی قریب قریب سلطنت کے غضب کرنے کے ہیں تو واقعی وہ ہر حیثیت سے ایک قابل تعریف شخص ہوتا۔ اس چیز سے قطع نظر دلاور خاں کے عہد حکومت پر نظر ڈال کر اس کے تدبیر

لے۔ مگر اپنی جگہ یہ ظاہر کر دیا گیا ہے کہ یہ محض افواہ تھی اور اس کی کوئی اصلیت نہ تھی، اگرچہ تحفۃ الملوک نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔

انتظام بہادری اور اس کے غیر مالک سے تعلقات وغیرہ کی بناء پر کہا جاسکتا ہے کہ وہ بیجا پور کے متولیوں اور وزیران سلطنت میں سب سے اچھا اور سب سے زیادہ قابل ریجنٹ تھا۔

بائنسٹم

احمد نگر سے جنگ اور دلاور خاں کا خاتمہ

احمد نگر سے جنگ | دلاور خاں کی فراری کے بعد سے ہی ابراہیم کی حقیقی بادشاہت کا زمانہ شروع ہوتا ہے، اور متولیوں کا دور دورہ ختم ہو جاتا ہے چونکہ ابراہیم کی حقیقی بادشاہت کا زمانہ ہمارے موضوع سے خارج ہے، اس لیے یہاں پر اس سے یا اس کی حکومت سے متعلق کسی کارروائی پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں لیکن اس باب میں اس جنگ کا تذکرہ بالتفصیل کیا جائے گا جو ابراہیم کے زمام حکومت ہاتھ میں لیتے ہی کرنی پڑی کیونکہ اس کا متعلق براہ راست دلاور خاں سے ہے، اور اس جنگ کے اختتام کے ساتھ ہی دلاور خاں کا خاتمہ بھی ہو جاتا ہے۔

دلاور خاں کی فراری کے ساتھ ہی بیجاپور کو احمد نگر سے اک اور جنگ کا سابقہ پڑا اگر دیکھا جائے تو یہ جنگ دراصل پچھلی جنگ اور دلاور خاں کی فراری کے واقعات کا ختمہ ہے اور پر لکھا گیا ہے کہ دلاور خاں بیجاپور سے بھاگ کر احمد نگر میں پناہ گزیں ہوا تھا۔ جب وہ احمد نگر پہنچا تو وہاں اس کی بڑی آؤ بھگت ہوئی، اور برہان نظام شاہ جس کی مدد کے لیے بیجاپور کی سلطنت نے اتنا کچھ کیا تھا ان تمام احسانات کو یک نخت بھلا بیٹھا، اور ایک دوست ہمسایہ ریاست کے مفرو را اور معتب ملانم کو اپنے ہاں جگہ دی۔ اس سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ برہان کے ارادے بیجاپور کی نسبت کچھ ٹھیک نہیں تھے، ورنہ یہ طریقہ تو ہمسایہ ریاستوں میں مذموم قرار دیا گیا تھا کہ جب ایک ریاست کا معتب شخص دوسری ریاست میں آئے تو اسے پناہ دی جائے۔ یہاں نہ صرف پناہ دی گئی بلکہ اس شخص کو اپنا مشیر خاص بنا لیا گیا اور اس کی رائے پر بیرون تعلقات کا سا پنڈہالا جانے لگا۔ ابراہیم نے جب سنا کہ دلاور خاں بکرمیج و سلاطنت احمد نگر پہنچ گیا ہے تو اسی وقت وہ کھٹک گیا کہ اب کچھ نہ کچھ گل ضرور کھلے گا۔ دلاور خاں گھر کا بھیدی تھا، اس کا ایک ایسی ریاست میں جا کر پناہ لینا جو ہمیشہ سے بیجاپور کی رقیب رہی ہو کچھ معمولی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔

غرض روزِ اول ہی سے اس کا علم ہو چکا تھا کہ احمد نگر سے زیادہ عرصہ تک تعلقات اچھے نہیں رہ سکتے۔ اگر برہان کی جگہ کوئی اور بادشاہ ہوتا تو غالباً یہ جنگ واقع نہ ہوتی۔ کیونکہ جس ریاست نے ابھی ابھی اس کو تخت نشین کرائے میں اتنی جان ہاکوشش کی ہو اسی ریاست کے خلاف جارحانہ کارروائی کسی احساس رکھنے والے سے ممکن نہ تھی۔ لیکن برہان نے اس کی مطلق پروا نہ کی اور دلا درخاں نے اسے کچھ اس طرح اُبھارا اور درغلایا کہ وہ آمادہ جنگ ہو گیا۔ دلا درخاں نے اسے یقین دلایا کہ اس وقت بادشاہ کم عمری کی وجہ سے کاروبارِ سلطنت سنبھالنے کے قابل نہیں ہے اور قطعاً نااہل ہے، اور دوسرے جو کچھ امراء اور عہدہ دار ہیں وہ آپس کی خانہ جنگیوں اور خود غرضیوں میں اتنے الجھے ہوئے ہیں کہ اگر ایسے میں سرحد پر حملہ کر دیا جائے تو بہت سارے سرحدی علاقے جو دستِ اختیار سے چل گئے ہیں پھر قبضہ میں آجاسکتے ہیں۔ بالخصوص علاقہ شولا پور جس کے لیے احمد نگر ہمیشہ بیجا پور پر دانت پستان مٹاتا تھا، دلا درخاں کی ان ترغیبوں سے برہان کے منہ میں پانی بھرا آیا اسی اثنا میں جبکہ تعلقات کچھ کشیدہ ہوتے جا رہے تھے، ابراہیم کے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ لڑکے کی پیدائش پر اسے چاروں طرف سے تہنیت نامے اور مبارکبادیاں آئے لگیں، اور بالخصوص لڑکے کے ماموں قلی قطب شاہ نے تو بیشش بہا تحائف بھجوائے جس میں ایک مرصع زر نگار گہوارہ بھی تھا، اور تہنیت و مبارکباد کے لیے ایک سفارت خاص طور پر بیجا پور روانہ کی۔ بلاطین و کن باہمی تعلقات کی یہ ایک خصوصیت رہی ہے کہ ایسے موقعوں پر تہنیتی سفارتیں بھیجی جاتی ہیں، اور جب کوئی ریاست معمول کے خلاف رسوم کے ادا کرنے میں پہلو تہی کرے تو دوسری ریاست اس کو کشیدگی اور رنجش پر محمول کرتی تھی، اور اسے اپنی ایک تحقیر سمجھتی تھی۔ چنانچہ ابھی ہوا کہ احمد نگر کی جانب سے کوئی تہنیت نامہ مبارکباد نہیں آئی۔ ابراہیم کو یہ بات سخت ناگوار گذری، اس پر طرہ یہ ہوا کہ دو ماہ کے اندر اندر ہی لڑکے کا انتقال ہو گیا۔ احمد نگر کی ریاست کم از کم اس وقت تعزیت کی رسم ادا کر کے ابراہیم کے اس رخ میں شریک ہو کر اپنی گذشتہ نازیبا حرکت کو بخلا دے سکتی تھی، اگر وہ حقیقت میں بیجا پور کی دوستی کی کچھ قدر کرتی مگر وہاں دلا درخاں موجود تھا۔ اور وہ تو یہی چاہتا تھا کہ ان دونوں ریاستوں کے تعلقات خراب ہو جائیں، اور ان دونوں کی لڑائی میں وہ خود کامیاب ہو جائے۔ برہان اس کی رائے پر

عل کر رہا تھا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ احمد نگر کی اس پہلو تہی کا باعث بھی وہی ہوا۔ ابراہیم کو اپنے لڑکے کے مرنے کا بہت رنج ہوا، اور کیوں نہ ہوتا آخر اولاد تھی، وہ بھی پہلی حسب معمول اس حادثہ پر دوسری ریاستوں نے تعزیت نامے بھیجے اور اظہار ہمدردی کیا مگر احمد نگر اس دفعہ بھی بالکل خاموش رہا، گویا کچھ جانتا ہی نہیں۔ احمد نگر کا یہ سکوت ابراہیم کو پہلے سے بھی زیادہ برا معلوم ہوا۔ اب اس نے دل میں ٹھان لیا کہ اس احسان فراموش ریاست اور اس کے بادشاہ دونوں کو ان کے غرور کا مزہ چکھا دے۔ چنانچہ ایک سفارت ملا عنایت اللہ کی سرکردگی میں بیجا پور سے روانہ کی گئی اور کہلا بھیجا کہ دلاور خاں یہاں کا ایک مفرد اور معنوب خانہ زاد ہے، مناسب تو یہ تھا کہ احمد نگر کی ریاست از خود اسے اپنی پناہ میں نہ لیتی، اور آپس کے تعلقات کی خوشگوار ی کو نا خوشگوار ی سے بدلنے کا موقع نہ دیتی۔ لیکن احمد نگر نے اپنا کرسی فرض ادا کرنے سے پہلو تہی کی ہے اس پر بھی درگزر کیا جاتا ہے، اور یاد دہانی کے طور پر احمد نگر کو یہ لوگ روانہ کئے گئے ہیں کہ دلاور خاں جو یہاں سے سرکشی اور بغاوت کر کے بھاگا ہے اس کو ہمارے حوالے کر دیا جسے سخت بیجا پور احمد نگر سے اس وقت بھی اچھے تعلقات رکھنے پر تیار ہے۔ مگر احمد نگر کی ریاست تو اس امر کے لیے تیار ہی نہ تھی، اس نے اس سفارت کا کچھ بھی اثر نہ لیا اور دلاور خاں کو واپس دینے سے قطعاً انکار کر دیا۔ نہ صرف اکلھائی کیا بلکہ بیجا پور پر حملے کے لیے تیاریاں شروع کر دیں۔

جب برہان نظام شاہ ایک زبردست فوج تیار کرنے میں کامیاب ہو گیا تو مع امرائے دولت اور دلاور خاں کے عازم بیجا پور ہوا۔ ابراہیم کو جب ان کارروائیوں کی خبر لگی تو اس نے بھی چپکے چپکے ایک فوج تیار تو کر لی مگر بظاہر اس حملہ کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ جب نظام شاہی لشکر عادل شاہی سرحدوں پہنچ گیا تب بھی یہاں سے ان کے مقابلہ کے لیے کوئی فوج روانہ نہیں کی گئی، اور برہان برابر لوٹ مار کرتا ہوا بیجا پور کی طرف چلا آ رہا تھا۔ جب فوجیں منگل وار سے منگلوار تک پہنچ گئیں اور دیکھا کہ مدافعت کے لیے بیجا پور کی طرف سے ذرا بھی کوشش نہیں ہو رہی ہے تو برہان پریشان ہوا، اور خیال کیا کہ کہیں یہ سب دھوکا تو نہیں دیا جا رہا ہو، اور اس طرح غافل کر کے بیجا پور والے چاہتے ہوں کہ وہ انکی

ریاست کے اندر چلا آئے اور جب چاروں طرف سے گھر جائے تو اس کا اور اس کی فوج کا قلع قمع کر دیں، اس لیے وہ چاہتا تھا کہ یہیں سے واپس ہو جائے، لیکن دلاور خاں گرگ بارہا دیدہ تھا اس نے سمجھایا کہ بھلا اس وقت بیجا پور میں ایسا کون بڑا جرنل یا بڑا آدمی ہے جو اس عاقلانہ تدبیر پر عمل پیرا ہو کر ہم کو گھیر لے گا، ایک بادشاہ ہے سو وہ بھی کم عمر اور عیش و نشام میں مشغول، ہم کو بلا خون و خطر آگے بڑھے چلے جانا چاہیئے اور کسی اچھے موقع پر قبضہ کر کے عادل شاہی فوج کا انتظار کرنا چاہیئے کہ جب وہ مقابلہ کو آئے تو کاٹ کر رکھ دیں، پھر شتو لاپور اور شاہ درک ہی کیا چیز ہیں، بیجا پور کی ریاست بھی ہماری ہے۔ یہ بات برہان نظام شاہ کی بھی سمجھ میں آگئی اور وہ اپنے خیال کو بدل کر آگے بڑھا اور دریائے جیورہ (جیما) تک پہنچ گیا، اب بیجا پور سے وہ سی کر وہ کافا سلسلہ رہ گیا، یہاں ایک پرانا قلعہ تھا جو کسی ہندو راجہ کے عہد کا بنا ہوا تھا، اگر اب خستہ اور اجڑی ہوئی حالت میں تھا بلکہ زمین کے برابر ہو چکا تھا دلاور خاں کی رائے سے اس کی تعمیر شروع کی گئی اور راتوں رات اس کے بنانے کی طرف تمام احمد نگر کے لشکر متوجہ ہو گیا، بہت جلد یہ قلعہ بنکر اس قابل ہو گیا کہ فوجوں کو پناہ دیکے اور اس کے اندر رہ کر دشمن کا اچھی طرح مقابلہ کر سکیں قلعہ کی تیاری کی خبر بھی ابراہیم کو ملی مگر ابراہیم نے قلعہ اس سے بے پروائی ظاہر کی، اور کہا کہ برہان نظام شاہ اس مہم میں کامیاب نہیں ہوگا، جو قلعہ وہ تیار کر رہا ہے اس کی کیفیت بچوں کے گھروندے کی سی ہوگی۔ حقیقت اس مہم میں برہان نظام شاہ کو جتنی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑا تقریباً اتنی ہی بلکہ اس سے زیادہ ابراہیم نے بے اعتنائی برتی، اور خود بہ اطمینان کٹی محو عیش و عشرت رہا موسم بارش کا تھا، چار طرف کیچڑ اور پانی تھا، عموماً اس زمانے میں فوج کشیاں جاری بھی ہوں تو روک دیجاتی ہیں، کیونکہ نقل و حمل میں بڑی مصیبتیں پیش آتی ہیں مگر باوجود ان تمام موسمی تکالیف کے برہان نے اپنی فوجی تیاریاں برابر جاری رکھیں، اسی دھواں دار بارش کے

۷۔ فرشتہ۔

۸۔ برگس۔

موسم میں قلعہ کی تیاری کچھ آسان کام نہ تھا، لیکن اس نے قلعہ بھی تعمیر کر لیا، افسوس تو اس کا بے کفریہ کی ساری محنتیں، کارکن گئیں، نقصان بھی اٹھانا پڑا اور جو ذلت و رسوائی اس کو اس جیل میں ہوئی وہ گویا اس مہم کا نفع خالص تھا، ادھر یہ بیچارے کمپیوں میں پڑے مصیبت اٹھا رہے تھے اور ادھر بیجا پور میں رنگ رلیاں ہو رہی تھیں، برہان متعجب تھا اور اہل احمد نگر بھی حیران تھے کہ آخر اتنی بے پروائی کیا معنی رکھتی ہے۔

باقاعدہ ایک مجلس مشورت میں یہ مسئلہ زیر بحث رہا کہ ابراہیم کیوں اتنی لاپرواہی کر رہا ہے، بعضوں نے کہا کہ کم عمری اور ناتجربہ کاری ہے، بعضوں نے نااہلی اور تساہل چرچا کر لیا، بعضوں نے اندرونی خرابیوں، امراء اور فوج کا اختیاریہ سے باہر ہونا ظاہر کیا، بعضوں نے اس کی نوجوانی کے مد نظر عیش و عشرت کو اس کا باعث گردانا بغرض جتنے منہ اتنی باتیں، مگر کسی کا تیر نشانیہ نہیں بیٹھا، دلا درخان بھی یہی خواب دیکھ رہا تھا کہ اس کی عدم موجودگی کی وجہ سے بیجا پور میں اتنی ہمت نہ رہی کہ جو فوج سرحدوں کے اندر تک آکر اس قدر لوٹ مار چکا رہی ہے، اس کی مدافعت کر سکے چنانچہ اس نے ایک تدبیر کی، وہ تو دل سے چاہتا تھا کہ ملکن ہو تو پھر بیجا پور چلا جائے اور بادشاہ پر تقابو پاکر اسی طرح حکومت کرے۔ دلا درخان کا برہان کو اس جنگ پر آمادہ کرنے کا مقصد ہی یہی تھا کہ ابراہیم مجبور ہو کر پھر اسے اپنے پاس بلانے، اس لیے اس نے خفیہ طور پر ابراہیم کے پاس چند آدمی روانہ کئے کہ فدوی ہمیشہ ملک و مالک کا وفادار رہا ہے اور اب بھی ہے، اعلیٰ حضرت کی نفلی اور عتاب نے مجبور کیا کہ جان بچا کر بھاگ نکلے، اس وقت دشمن زبردستی حملہ آور ہے، اور اس کی مدافعت کی کوئی شکل نظر نہیں آتی، اگر اب بھی اس غلام کی خطا معاف کر کے پھر مہات ملکی پر سرفراز فرما دیا جائے تو ان احمد نگریوں کو مار بھگاتا ہوں، جب ابراہیم کو یہ پیام پہنچا تو وہ بہت خوش ہوا، کیونکہ جس خیال سے وہ بیچا لیں چل رہا تھا بالکل صحیح نکلا، اور اس کا جادو چل گیا، اس نے بھی کہلا بھیجا کہ حقیقت میں اس وقت مجھے وفادار اور دمک حلال ملازمین کا صحیح اندازہ نہ تھا، اب میری آنکھیں کھل گئی ہیں، اور خوب سمجھنے لگا ہوں کہ کون اچھا ہے اور کون برا، جلد بازی اور تیزی سے کشیدگی پیدا ہو گئی تھی، اب اگر کچھ دل میں رنجش ہے تو دور کر کے سیدھے ہمارے حضور میں چلے آؤ۔ دلا درخان

یہ خبر سکر باغ باغ ہو گیا، کیونکہ اس کی منہ مانگی مراد پوری ہو گئی تھی اس کے بعد اس نے ابراہیم کے پاس چند اور آدمیوں کو بھیج کر یہ شہر منظور کرالی کہ اس کے اپنے جان و مال کو کوئی گزند نہ پہنچایا جائے گا، بادشاہ نے اسے بھی قبول کر لیا، پھر تو فوٹا دلاور خاں نے میدان جنگ سے اپنے بیٹے محمد خاں اور چند ساتھیوں سمیت بیجا پور کی راہ لی (بیان کیا جاتا ہے کہ برہان سے اجازت لیکر وہ روانہ ہوا، مگر عقل سلیم تسلیم نہیں کرتی کیونکہ برہان نے محض اس کے بل بوتے اور دشورے پر حملہ کیا تھا، دلاور خاں اُس حملے کی روح رواں تھا اگر برہان کو یہ معلوم ہوتا کہ دلاور خاں اس طرح خفیہ طور پر بیجا پور سے خط و کتابت کر رہا ہے تو اسے جاسوس سمجھ کر موت کے گھاٹ اتار دیتا اور واپس جائیگی اجازت کبھی نہ دیتا) جب وہ بیجا پور پہنچا تو پہلے آستان بوسی کے لیے حاضر ہوا، اس وقت ابراہیمؑ دو ازادہ امام باغ گیا ہوا تھا، عصر کا وقت ہو چکا تھا کہ اس کی سواری قلعہ ارک کی طرف جانے لگی اسی وقت دلاور خاں حاضر درگاہ ہوا، بادشاہ نے خندہ پیشانی سے اس کا استقبال کیا اور ان سب کے ہمراہ قلعہ کی راہ لی، الیاس خاں کو حکم ہوا کہ دلاور خاں کو سوار کر کے قلعہ کے اندر لائے، جب وہ قلعہ کے اندر پہنچا تو دلاور خاں کا ماتھا ٹھنکا اور انداز و فضا سے وہ تازہ لگیا کہ اس کے ساتھ دغا کی گئی ہے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ دلاور خاں کو پکڑ کر اس کی آنکھیں نکال دیجائیں۔ دلاور خاں پریشان ہوا اور الیاس خاں کے ذریعہ سفارش کروانی چاہی اور بادشاہ کو یاد دلایا کہ وہ اپنی جان بخشی اور حفاظت مال کے وعدہ پر بیجا پور آیا ہے، ایسے میں وعدہ خلافی کرنا بادشاہوں کے شان کے خلاف ہے مگر ابراہیم نے ایک نہ سنی وہیں اس کی آنکھیں نکلوادی گئیں (بیان کیا جاتا ہے کہ بادشاہ نے اس کے جواب میں کہا کہ "بیشک میں نے جان و مال کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے، لیکن آنکھ نکلوانے سے نہ جان جاتی ہے نہ مال ہی ضبط ہوتا ہے" ظاہر ہے کہ یہ دونوں چیزیں عذر لنگ میں جب وعدہ کی اسپرٹ پر غور کیا جائے اور محض الفاظ پر نہیں تو بے کم و کاست کہا جاسکتا ہے کہ بادشاہ نے وعدہ خلافی کی گو اخلاقی اعتبار سے ابراہیم کا یہ فعل قابل تعریف تو کیا ایک مددک مذموم ہے مگر اخلاقیات کو اس طرح سیاسیات سے ملا دیا جانے تو سلطنت کے کاروبار نہیں چل سکیں گے، دلاور خاں کا

پکڑا جانا اور اس کو معذور کر دیا جانا بیجا پور کی سلامتی اور امن کے لیے ضروری تھا ورنہ وہ
 جب تک دشمن کے کمپ میں رہتا بیجا پور اور ابراہیم کو حین نہ لینے دیتا، اور قطع نظر اس سے خود
 دلاور خاں نے اپنے زمانے میں دوسروں کے ساتھ جو سلوک کئے تھے وہ اس سے کم نہ تھے۔
 جیسا کرے، ویسا بھرے جو چیز اس نے دوسروں کے لیے جائز رکھی تھی وہ اس پر روا ہوئی اگر وقت
 ابراہیم اپنے وعدہ کا لحاظ کر کے اسے چھوڑ دیتا تو خود اس کی خیر نہ تھی چند ہی دنوں میں وہ رنگ
 دکھاتا کہ سب کے ہوش اُڑ جاتے، اب تو اس کو ابراہیم سے کاوش بھی ہو گئی تھی، کچھ تعجب کا مقام نہیں کہ
 وہ ابراہیم کو سرے سے معزول کر کے اس کے بھائی کو تخت نشین کر دیتا، اور اپنے پرنے ہمد حکومت کو
 تازہ کر لینا غرض دلاور خاں کے ساتھ جو کچھ کیا گیا اچھا کیا گیا، مگر یہ ساری چیزیں ملکر بھی اخلاقی
 نقطہ نظر سے ابراہیم کے اس فعل کی کمزوری اور برائی کو نہیں چھپا سکتیں، اس کے بعد وہ قلعہ کھکھتہ میں
 قید کر دیا گیا اور تقریباً دس سال مزید زندگی کے بعد اسی قید کی حالت میں فطری موت سے مرا۔
 اس وقت نظام فوج اپنی رات دن کی کوششوں سے بہترین موقع پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھی۔
 قلعہ بھی تیار ہو گیا تھا، غلہ اور آذوقہ کافی جمع کیا جا چکا تھا غرض وہ آمادہ بیکار تھے، بیکار نہ بیٹھ
 سکتے تھے اس لیے اطراف و اکناف میں لوٹ مار مچا رکھی تھی۔ دلاور خاں سے فراغت پاتے ہی
 ابراہیم نے فوج کے اجتماع کا حکم دیا اور جلد سے جلد ایک زبردست فوج تیار کر لی گئی سب سے
 پہلے کوئی سات یا آٹھ ہزار کی ”برکی“ فوج برہان کے مقابلہ کو روانہ کی گئی کہ وہ برہان نظام شاہ کی
 فوج کے اطراف گھیر ڈال کر اسے تنگ کرنا شروع کرے اور رسد بند کر دے۔ برکی فوج کی خصوصیت
 یہ تھی کہ ترقا نہ جنگ وہ خوب کر سکتی تھی جو فوجیں میدانوں میں لڑنے کی عادی ہوتی ہیں ان کا مقابلہ
 نہیں کر سکتی تھیں اس فوج کے سپاہی ہنایت تیز گھوڑوں پر بیٹھے ہوئے ہوں گے کی طرح آتے
 اور غفلت کے کسی موقع میں خوب قتل و غارت کر کے ان کے سنبھلنے سے پہلے ہی گھائیوں اور پہاڑیوں
 غائب ہو جاتے۔ بیجا پور اس قسم کی فوج کی ایک زمانے سے سرپرستی کر رہا تھا اور ایسی ایک زبردست
 فوج جمع کر لی تھی جو ہمیشہ دشمن کو دوران جنگ میں تنگ کرنے کے لیے متعین کی جاتی تھی، اس کے بعد

اصلی فوج پریشان شدہ دشمن کا خاتمہ کر دیتی تھی، چنانچہ اس جنگ میں یہی ہوا کہ جب برہان نظام شاہ کی فوج کو برکی فوج نے پریشان کر دیا، اور ان کی رسد بند کر دی تو اس کے بعد رومی خاں کو سپہ سالار بنا کر دس ہزار کی فوج کے ساتھ بھیجا گیا، اور ایک ہر اول تین ہزار سواروں پر مشتمل الیاس خاں سرفہستہ کی سرکردگی میں روانہ ہوا! اس وقت نظام شاہی فوج بیورہ کے کنارے ٹھہری ہوئی تھی برکی فوج کے مقابلہ میں برہان نظام شاہ نے اپنے کئی دستے روانہ کئے مگر سب مغلوب ہوتے گئے۔ حتیٰ کہ یہ برکی فوج ندی کو عبور کر کے جس طرف برہان کی اصلی فوج تھی وہاں تک پہنچ گئی برہان نظام شاہ اب خود ان کے مقابلہ کے لیے آیا اس وقت یہ برکی فوج ذرا غافل تھی حملہ سے پریشان ہو گئی اور بیورہ کو عبور کرنے لگی اسی اثنا میں الیاس خاں اور رومی خاں بھی آپکے تھے، برکی فوج نے دریا کو عبور کر لیا اور اصلی شاہی فوج سے ملتی ہو گئی، مگر جب برہان نظام شاہ نے ان کے تعاقب میں بیورہ کو عبور کرنا چاہا تو یکایک طوفان ہوا اور پانی چڑھ آیا۔ برہان نظام شاہ کی فوج پریشان ہو گئی اور وہ اپنے کیمپ واپس ہو گیا۔

اسی دوران میں برہان نظام شاہ کے لشکر میں سخت قحط کی وجہ سے ایک عام پریشانی پھیل گئی، اس قحط کی فہستہ یہاں تک پہنچی کہ غلہ اور آذوقہ کی کمی اور چارہ کی قلت و کمیابی سے انسانوں اور جانوروں کی شرح اموات بہت بڑھ گئی، رسد بالکل بند ہو گئی، خاقوں سے فوج نیزا اور تنگدل ہونے لگی، یہ بلائے آسمانی یہیں ختم نہیں ہوئی بلکہ فوج میں اک عام وبا پھیل گئی جس کی وجہ سے فوج کی تعداد گھٹنے لگی اور حالت ابتر سے ابتر ہو گئی، برہان ہکا بکا ہو گیا اور اس سے کچھ کرتے دھرتے نہ پڑتی تھی بالآخر اس امر پر مجبور ہوا کہ قحط اور وبا سے نجات پانے کے لیے دو تین منزل اپنی سرحد کی طرف پیچھے ہٹے اور وہاں ٹھہر کر غلہ وغیرہ حاصل کرے اور فوج کو از سر نو ترتیب دیکر تازہ دم ہو کر پھر میدان میں آئے، اس تدبیر کو عمل کر کے وہ میدان جنگ سے ہٹ گیا، اور اپنی فوج کی حالت درست کرنے میں مشغول ہو گیا۔ چند دنوں کے بعد جب ان دونوں مصائب سے نجات ملی اور تھوڑا بہت اطمینان نصیب ہوا تو وہ پھر عادل شاہی فوجوں کے مقابلہ کے لیے آگے بڑھا مگر اب اس نے حملہ کامرکز بدل دیا

اور شولا پور کا رخ کیا کہ اس کا محاصرہ کر کے اپنا قبضہ کر لے۔ ابراہیم عادل شاہ نے اسے جنرلوں کو حکم دیا کہ وہ دریائے بیورہ کو عبور کر کے آگے بڑھیں اور برہان نظام شاہ کو راستہ میں روک دیں تاکہ وہ شولا پور کا محاصرہ نہ کر سکے۔ غرض بجلی کی طرح الیاس خاں دردمی خاں اس کے حکم کی تعمیل کے لیے نکلے اور راستہ ہی میں برہان کو جالیا، جب نظام شاہیوں نے دیکھا کہ راستہ بند ہے اور شولا پور پہنچنے کے لیے سوائے جنگ کے چارہ ہی نہیں تو انہوں نے جنگ کی تیاری شروع کر دی اس وقت نظام شاہی فوج کی کمان نورنگ خاں وکنی امیر لال امرائے براہ کے ہاتھ میں تھی، گو میدان بیجا پور کے ہاتھ میں رہا مگر مقابلہ اتنا زبردست ہوا کہ آخر وقت تک نظام شاہی فوج میدان میں ڈٹی رہی بیجا پور سی فوج کو فتح حاصل کرنے کے لیے کافی خونریزی اور خونفشانی سے کام لینا پڑا، جب نورنگ خاں یا نور خاں مارا گیا تو نظام شاہی فوج کے پاؤں اکٹھ گئے اور تتر بتر ہو گئی اور اس طرح ہزیمت خوردہ با حال تباہ خستہ و مجرد برہان نظام شاہ سے جاملی جو ایک ”کرہ“ کے فاصلہ پر جنگ سے ہٹ کر ٹھیرا ہوا تھا، اس جنگ میں بہت کچھ مال غنیمت بیجا پور کے ہاتھ لگا جس میں ”یکصد و شصت“ فیل ہزار اسب و اسلحہ پیش ماڑا و فرشتہ کی روایت کے بموجب ”سند فیل بزرگ کوہ تمثال و چہار صد سو اڑھائی“ ایک فتح نامہ بادشاہ کے پاس روانہ کیا گیا جس میں اس پتہ کی تفصیلی کیفیت تھی، بادشاہ نے خوش ہو کر دردمی خاں و الیاس خاں کو بیش قیمت خلعت عطا کئے۔

اگرچہ بیجا پوریوں کو اس جنگ میں ایک زبردست کامیابی حاصل ہوئی اور نظام شاہی فوج نے اس بُری طرح شکست کھائی تھی کہ اب مقابلہ کی تاب نہ لاسکتی تھی مگر اس پر بھی پوری طرح عاجز نہ ہوئی تھی اس لیے بیجا پوریوں نے اپنے فوجی کارروائیاں جاری رکھیں اور نظام شاہی فوج کو

۱۔ فرشتہ بساتین میں اس نام کو نور خاں لکھا گیا ہے۔ برکس نے بھی اس کو قبول کیا ہے۔

۲۔ بساتین صفحہ ۲۲۰۔

۳۔ فرشتہ۔

و قتا فتنا تنگ کرنے لگے، گو وہ پیچھے ہٹے جا رہے تھے مگر ان کا تعاقب کیا جا رہا تھا، فوج کی بد حالی اور خشکی ہی برہان نظام شاہ کے لیے کیا کم تھی لیکن ایک پُرانی مثل کے بمصداق کہ "مُصِیبت کبھی تنہا نہیں آتی" اس کی اندرونی پریشانیاں اس واقعہ سے اور بھی بڑھ گئیں کہ بعض سربراہ آدرہ امراء جن میں دکنی اور حبشی عنصر زیادہ تھا اس کوشش میں تھے کہ برہان کو معزول کر کے اس کے بیٹے اسماعیل کو تخت نشین کر دیں، یہ سازش ابھی پوری طرح مکمل نہ ہونے پائی تھی کہ برہان کو اس کا علم ہو گیا، اور وہ عادل شاہی افواج کو بالائے طاق رکھ کر اب اس فکر میں لگ گیا کہ کسی طرح احمد نگر قلعہ سے جلد پہنچ جائے، تاکہ یہ سازش فرو ہو سکے، سازشیوں اور غداروں کو سزا دی جائے اور اپنے استحکام کی فکر کرے اس غرض سے وہاں سے کوچ کر کے وہ قصبہ کرور مالیان کی طرف بڑھا جو حدود احمد نگر میں تھا۔ رومی خاں اور الیاس کو جب یہ خبر ملی تو بُری طرح اس کا تعاقب کرنے لگے، ایسی حالت میں برہان کو اتنا ہوش کہاں رہا تھا کہ ان کے مقابلہ کی تدبیر کرتا اس لیے آمادہ صلح ہو گیا، اور سمجھ گیا کہ بیجا پوری فوج سے اس وقت خلاصی نصیب نہیں ہو سکتی جب تک کہ باقاعدہ صلح نہ کر لی جائے، اور صلح کی سلسلہ جنبا بانی شروع کی جب ابراہیم کو برہان کی ان پریشانیوں اور صلح کی درخواست کی خبر ہوئی وہ جان کر بھی انجان ہو گیا اور اس درخواست کی جانب سے بے التفاتی برتی، اور بعد ازاں اس کا ردوائی کو ڈال رکھتا کہ احمد نگر کی ریاست اور برہان کو اس کا پورا پورا احساس ہو کہ وہ بیجا پوری دربار کے آگے جہ سائی کر رہے ہیں، ایک مہینے کے بعد کہیں ابراہیم عادل شاہ نے اس درخواست کی طرف توجہ کی اور وہ بھی اس وقت جبکہ برہان نے دیگر سلطانین دکن سے اس معاملہ میں مدد چاہی۔ قلی قطب شاہ والی گو لکنہ کی جانب سے مصطفیٰ خاں استر آبادی اور رابع علی خاں و عبدالسلام نے اس صلح کے مسئلہ میں بڑی دیکھی لی۔ جب ابراہیم کو معلوم ہو گیا کہ برہان بالکل عاجز آ گیا ہے اور اسے اپنے کردار کی کافی سزا مل چکی ہے تو

لے امیر زمیل کو مصطفیٰ خاں کا خطاب دیا گیا تھا اور یہ شخص بھی استر آبادی تھا جس کا ذکر اس سے پہلے آ گیا ہے۔

سلسلہ گفت و شنید جاری کیا۔ صلح کی درخواست پر بادشاہ نے یہ بتایا کہ برہان نظام شاہ سے بیجا پور کی جانب سے کبھی کچھ قرض نہ کیا گیا، اُننا وقتاً فوقتاً مدد دی گئی، لیکن اس نے ان احسانات کو بھلا کر سرحد بیجا پور میں قدم رکھ کر لوٹ اور غارتگری شروع کر دی اور تمام جاہلانہ کارروائیوں کی ابتدا اسی طرح سے ہوئی ہے، بیجا پور نے محض اپنی مداخلت کی ہے اس طرح سارا الزام احمد نگر کی ریاست پر عائد ہوتا ہے، لہذا احمد نگر کو اس جاہلانہ کارروائی کا ہرجانہ ادا کرنا چاہیئے، اور اس ہرجانہ کی تفصیل یہ ہے کہ برہان نے جو قلعہ حدود عادل شاہی میں تعمیر کیا ہے اسے وہ خود اپنے ہاتھ سے سمار کرے، اس صلح کی گفت و شنید اور اس کے شرائط کے طے کرنے کے لیے جو شخص بحیثیت نمایندہ کے بیجا پور کی جانب سے مقرر کیا گیا تھا وہ شاہ نواز خاں تھا، شاہ نواز عالی مرتبت خدام عادل شاہی سے تھا، اور اس خاندان کا بڑا وفادار اور جاں نثار تھا، بیجا پور سے غیر معمولی وابستگی تھی اور ساتھ ہی بڑا راست باز تھا سچی بات کہنے میں بہت بیباک تھا، تاریخ فرشتہ میں اس صلح کی نسبت ایک واقعہ درج ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خان دیشا نے اپنی بیباکانہ گفتگو سے بیجا پور کی شان رکھ لی اور احمد نگر کو یہ محسوس کرایا کہ وہ بیجا پور کے درپر جسیں سائی کر رہا ہے صلح کی گفت و شنید کے لیے ایک خاص مجلس منعقد کی گئی تھی، جب اس کارروائی کی تکمیل کے لیے شاہ نواز خاں نظام شاہی لشکر میں گیا تو اس کی بڑی تعظیم و تکریم ہوئی، اس مجلس میں اکثر ریاستوں کے ایٹمی اور حکام دکن موجود تھے، یہ مجلس اپنے رعب و داب کے اعتبار سے بہت بڑی مجلس تھی جس وقت گفتگو شروع ہوئی تو برہان نظام شاہ نے خاموشی اختیار کی اور اپنے منہ سے صلح کی بابت پہلے ایک لفظ نہ کہا اس کا مقصد یہ تھا کہ یوں تھوڑی دیر خاموش ہو جائے تو خود شاہ نواز خاں ہی صلح کی گفتگو چھیڑے گا اور اس طرح حکام دکن اور مسلمانین دکن کے ذیشان المپیوں پر یہ ظاہر ہوگا کہ صلح کی خواہش خود بیجا پور کی طرف سے کی جا رہی ہے اور احمد نگر محض اسے قبول کر رہا ہے۔ شاہ نواز خاں ایک زہیں اور معاملہ فہم آدمی تھا، برہان کا مطلب آنکھوں آنکھوں میں تاثر کیا اور خود مہربان ہو گیا حتیٰ کہ وقت گزرنے لگا دونوں طرف سے

اصل معاملہ کی جانب اشارہ تک ہوتا نظر نہیں آتا تھا، آخر کار مصطفیٰ خاں اور عبدالسلام نے از خود مجلس پر یہ ظاہر کیا کہ برہان نظام شاہ کی یہ خواہش ہے کہ ابراہیم عادل شاہ سے صلح ہو جائے، اور کیے اسی کے متعلق گفت و شنید کرنا چاہتے ہیں، تب شاہ نواز خاں بیباکی سے یہ کہہ اٹھا کہ ”برہان نظام ظاہر و روشن است کہ دوستی عالم پناہ نہالے است شمرش بجز راحت و کامرانی نیست، و اخراجات از صراط مستقیم محبت و دلائے شاہ عدالت و سنگاہ شجریست کہ برش غیر محنت و کلفت نے دوستان جانی را دشمن تصور کردن و دشمنان نہانی را دوست داشتن و بگفتہ سیاه و بیان کو باطن لشکر کشیدن از حزم و اندیشہ دور است“ ان الفاظ سے برہان نظام شاہ کے چہرے کا رنگ اڑ گیا، اور ابراہیم عادل شاہ کی عظمت اور اس کے مقربین درگاہ کی جاں نثاری اور وفاداری کا ایک زبردست ثبوت ملا۔ غرض صلح اس شرط پر ٹھہری کہ برہان نظام شاہ اپنے ہاتھ سے اس قلعہ کو برباد و سمار کر دے گو برہان جانتا تھا کہ اس کے لیے اس سے بڑھ کر اور کوئی ذلت نہیں ہو سکتی، مگر اس وقت ایسا مجبور تھا کہ سوائے اس شرط پر راضی ہونے کے چارہ ہی نہ تھا، چنانچہ وہ قلعہ گیا اور خود اپنے ہاتھ سے اس کا ایک پتھر کھلا اسکے بعد وہ قلعہ ڈھا دیا گیا، اس طرح اس ”دلاور خانی جنگ“ کا نتیجہ احمد نگر کے حق میں بجز ذلت و رسوائی اور کچھ نہ ہوا، لیکن بیجا پور کے لیے یہ جنگ ایک زبردست کامیابی ثابت ہوئی اور باخصوص اس جنگ کے واقعات سے ابراہیم کی مستقل مزاجی دانائی اور قبائلی اندیشی کا ثبوت ملتا ہے۔ اگر ابراہیم نا اہل اور ناسمجھ ہوتا تو یقیناً یہ جنگ اور یہ حملہ بیجا پور کی کایا ہی پلٹ دیتا، لیکن باوجود اپنی کم عمری کے ابراہیم نے اس جنگ میں ایسی مستعدی ہو شیاری اور معاملہ فہمی کا ثبوت دیا ہے کہ اچھے اچھے مدبر اس کے سامنے سر ٹیک دیتے ہیں۔ دلاور خاں جیسا گرم و سرد زمانہ چشیدہ شخص جس نے زندگی کے (۸۰) من زل ملے کئے ہوں، جو کئی ایسے انقلابات دیکھ چکا ہو، یوں عاجز ہو جائے۔ اس کی ساری تدبیریں رائیگاں جائے اور اُلٹا وہ خود اس حال میں پھنس جائے جس میں ابراہیم کو گرفتار کرنا چاہتا تھا، کس قدر تعجب خیز امر ہے۔ ابراہیم کا فطری تدبیر

اس وقت ظاہر ہوا جبکہ اس نے حملے سے بے اعتنائی ظاہر کر کے دلاور خاں کو اپنے دام میں گرفتار کر لیا، ایک تجربہ کار دوراندیش کی طرح وہ تاڑ گیا تھا کہ تمام فساد دلاور خاں کا برپا کیا ہوا ہے اگر دلاور خاں ہاتھ آجائے تو برہان نظام شاہ کو مار بھگانا کوئی بڑی بات نہیں اور اسی لیے اس نے یہ چال چلی جو اس کی دانائی پر دال ہے، اور پھر تارخوں سے ثابت ہے کہ وہ جنگ کے تمام احکام اپنے سپہ سالار کو اپنے ہی پاس سے سمجھتا تھا، اس طرح اس کی رائے پر یہ پوری جنگ ہوئی ہے۔ اب اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ کم عمر میں اکیس برس کا بادشاہ نہ صرف مدبری تھا بلکہ جرنیلانہ قابلیتوں سے بھی متصف تھا۔ اسی سلسلہ میں یہ چیز یاد دلانے کے قابل ہے کہ ابراہیم کے زمام سلطنت ہاتھ میں لینے کے بعد اس کی پہلی مہم ہی جنگ ہے جس میں بیجا پوری افواج کو درخشاں کامیابی حاصل ہوئی، اور اس پوری مہم کی کامیابی ابراہیم کے حسن تدبیر و حسن قابلیت کی روشن دلیل ہے۔

~~~~~ (تمت بالآخر) ~~~~~



954.50231

OUP—730—28-4-81—10,000.

**OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY**

Call No. 908.20.111

Accession No. 13076

Author سر علی حسن

Title عبدالرحمن عارف و غفرانی

This book should be returned on or before the date last marked below

2 1982

24 DEC 1983

30 MAR 1984

4 JUN 1987

76✓





